بسم اللہ الرحمن الرحیم

نورالمصابیح

حصہ یازدہم (11)

ترجمہ زجاجۃ المصابیح، جلد پنجم (5)

بَابُ فَضَائِلِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ تا بَابُ الْکَرَامَاتِ/بَابٌ

حدیث نمبر: 7167 تا 7432

مؤلفہ

حقائق آگاہ، معارف دستگاہ، فخر العلماء والمحدثین، واقف رموز شریعت ودین

ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری محدث دکن رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۹۲ھ ۱۳۸۴ھ

مترجم

عمدۃ المحدثین حضرت علامہ **مولانا محمد خواجہ شریف صاحب** دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ وناظم مرکز تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

زیر اہتمام

ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر

تاڑبن، x روڈ، حیدرآباد، انڈیا، 500064

040-24469996.

Zia.islamic@yahoo.co.in

www.ziaislamic.com

ناشر

دکن ٹریڈرس بکسیلر

اینڈ پبلیشرز، مغلپورہ حیدرآباد

Phone :040-24521777

66710230,66490230

نام کتاب : نورالمصابیح، جلد: یازدہم (11)
ترجمہ ''زجاجة المصابيح'' جلد پنجم (5)

موضوع : حدیث وفقہ

مؤلف : حقائق آگاہ، معارف دستگاہ، فخر العلماء والمحدثین، واقف رموز شریعت ودین
محدث دکن ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ

مترجم : عمدۃ المحدثین حضرت علامہ مولانا محمد خواجہ شریف دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ وناظم مرکز تحقیقات اسلامیہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد

زیر اہتمام : ابوالحسنات اسلامک ریسرچ سنٹر، تاڑبن، x، روڈ، حیدرآباد

ناشر : دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز۔ مغلپورہ، حیدرآباد

پروف ریڈنگ : مولانا محمد محی الدین انور نقشبندی قادری، ایم۔اے عثمانیہ

تعداد : ایک ہزار (1000)

سن اشاعت : 1438ھ، م 2017ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللّٰهَ.

ترجمہ: جس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی۔
(4۔سورۃ النساء:80)

وَمَآ اٰتٰـکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَمَا نَهَاكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَاتَّقُوا اللّٰهَ.

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم عطا فرمائیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رُک جاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔
(59۔سورۃ الحشر:7)

أَمَّا بَعۡدُ! فَإِنَّ خَيۡرَ الۡحَدِيۡثِ كِتَابُ اللّٰهِ،
وَخَيۡرَ الۡهَدۡىِ هَدۡىُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا: واضح رہے کہ سب سے بہترین کلام اللہ کی کتاب (قرآن کریم) ہے، اور سب سے بہترین سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔
(صحیح مسلم، حدیث نمبر:2042۔زجاجۃ المصابیح، حدیث نمبر:145)

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبیست
سنت و سیرت صحابہ کو — ڈھونڈو اور بدعتوں سے ہو بیزار

فہرست مضامین نورالمصابیح، حصہ یازدہم (11)

ترجمہ زجاجة المصابيح، جلد: پنجم (5)

☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

تقریظ

الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوٰة والسلام علٰى سيد الأنبياء والمرسلين، و اٰله الطيبين و اصحابه الأكرمين اجمعين. أما بعد :

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم اور سنت مبارکہ، اجماع امت اور قیاس سے مسائل کا استخراج واستنباط ہوتا ہے جب کہ کتاب وسنت اہم ترین مآخذ و بنیادی مصادر کہلاتے ہیں۔ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی احادیث شریفہ سے کتاب اللہ کی تشریح وتوضیح اور حلت وحرمت کے قوانین بھی مرحمت فرمائے چنانچہ سنت کریمہ کی حیثیت تشریحی بھی ہے اور تشریعی بھی۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دین کا دارومدار کتاب وسنت اور اجماعِ امت و قیاس پر ہے، مسائل کے استنباط واستخراج کے لئے چار اصول ہیں: سب سے پہلے کتاب اللہ کو دیکھا جائے گا اس کے بعد سنت کو یعنی حدیثِ شریف۔ اسی لئے دورِ صحابہ سے آج تک حدیثِ شریف پر مسلسل کام ہوتا آرہا ہے۔ مختلف کتابیں تالیف کی گئیں، ان کی شروحات اور حواشی لکھے گئے تاکہ عوام الناس کو عموماً اور علماء وطلبہ کو خصوصاً اس سے فائدہ ہو۔ محدثین نے متعدد کتابیں لکھیں

اور شارحین نے شروحات اور حواشی لکھے تا کہ اس کی افادیت عام سے عام تر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے محدث دکن حضرت ابوالحسنات رحمۃ اللہ علیہ کو اس امر کی توفیق دی کہ آپ نے ”زجاجۃ المصابیح“ کے نام سے پانچ جلدوں پر مشتمل احادیث شریفہ کا ذخیرہ جمع فرمایا جس میں فقہ حنفی کے دلائل کے طور پر احادیث شریفہ کو ذکر کیا علاوہ ازیں فضائل ومناقب، شمائل واخلاق پر مشتمل روایات کو بھی درج کیا۔ حضرت مولف نے خود اس پر نہایت ہی معلومات آفریں حواشی تحریر فرمائے ۔ الحمد للہ! عوام الناس تک اس فیضان کو پہنچانے کے لئے حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ نے اس کے ترجمہ کا اہتمام فرمایا چنانچہ حضرت مولانا حاجی محمد منیر الدین صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ نے اس کے ترجمہ کا آغاز فرمایا اور ”کتاب النکاح“ ابتدائی آٹھ حصوں تک ہی یہ کام انجام پایا۔ اس کے بعد حضرت کے نبیرگان ابوالخیرات حضرت سید انوار اللہ شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالفیض سید عطاء اللہ شاہ نقشبندی قادری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کا یہ کام جامعہ نظامیہ کے موجودہ شیخ الحدیث مولانا محمد خواجہ شریف صاحب کو تفویض کیا تھا۔ الحمد للہ! مولانا محترم اس کام میں مصروف رہے۔

ترجمہ نہایت ہی ذمہ داری کے ساتھ سلیس اور بامحاورہ کیا گیا، حواشی کا ترجمہ بھی بڑی عمدگی سے کیا گیا، حاشیہ کو پڑھنے سے حدیث شریف کے مفہوم کو

سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ سابقہ جلدوں کی طرح یہ جلد بھی نفع بخش اور ہدایت کا ذریعہ بنے گی۔ ہر طبقہ کے لوگ ان شاءاللہ اس سے خوب مستفید ہوسکیں گے، اللہ تعالیٰ مصنف علام کو اور مترجم صاحب اور ان کے رفقاء کار کو جزاء خیر عطا فرمائے اور ان کی یہ خدمات قبول فرمائے۔

آمین بجاه سيد الأنبياء والمرسلين صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم.

مفتی خلیل احمد

شیخ الجامعہ، جامعہ نظامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمات تقدیم

سیادت مآب **فیض** درجت حضرت مولانا الحاج ابوالخیر **سید رحمت اللہ شاہ** صاحب قبلہ نقشبندی مجددی قادری رحمۃ اللہ علیہ جانشین ابوالحسنات حضرت محدث دکن علیہ الرحمہ

ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے جو آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو، ایسا چراغ جو ایک حباب میں ہو۔ اور بے حد درود وسلام ہو شفیع المذنبین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کو اس نے تمام جہانوں کا چراغ بنایا اور آپ پر اپنی مقدس کتاب قرآن اتاری اور اس کا سلام اور اس کی رحمتیں ہوں آپ کی آل واصحاب پر جو ہدایت کے چراغ اور اقتداء کے تارے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر پابندی اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک کہ آپ کے طاقچۂ سینۂ مبارک سے نکلے ہوئے انوار یعنی آپ کے حدیثوں کی پیروی نہ کی جائے۔

صاحبو! اگر آپ دین کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو ''زجاجۃ المصابیح'' کا مطالعہ کرو، پھر اس پر عمل کر کے دیندار کہے جانے کے لائق بنو۔ تمام ''زجاجۃ المصابیح'' کو پڑھنے کے بعد آپ کا علم الیقین، عین الیقین کو پہنچ جائے گا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد نبی کی ضرورت نہیں، انسان کی دنیا و آخرت درست کرنے

کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ آپ کامل طور پر بیان فرما دیئے ہیں اور وہ سب ''زجاجة المصابیح '' میں آ گیا ہے،لیکن انقلاب زمانہ سے عربی عام فہم نہ رہی۔ضرورت تھی کہ اس کا ترجمہ اردو میں کیا جائے۔اس ضرورت کو پیش نظر رکھ کر حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی مبارک زندگی میں مولانا حاجی محمد منیر الدین صاحب، سابق شیخ الادب جامعہ نظامیہ اور ڈاکٹر محمد عبدالستار خان صاحب سابق پروفیسر شعبہ عربی، جامعہ عثمانیہ نے ''زجاجة المصابیح ''جلد اول کے آغاز سے جلد دوم ختم ''کتاب النکاح'' تک عام فہم سلیس زبان میں ترجمہ کیا تھا۔اس کے بعد کے اجزاء کا ترجمہ مولانا محمد خواجہ شریف صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ کر رہے ہیں ۔(اسی سلسلے کی کڑی ''نورالمصابیح'' کی یہ جلد ''زجاجة المصابیح ' جلد پنجم، ''بَابُ فَضَائِلِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ – صَلَواتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ '' سے ''بَابُ الْكَرَامَاتُ'' دس ابواب پر مشتمل ہے۔یہ ترجمہ ان شاء اللہ عوام الناس کے لئے رہنمائی کا باعث ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترجمہ کو قبول فرمائے۔مولوی صاحب اور ان کے معاونین طلبہ کی مساعی کو مشکور فرمائے،ان کے لئے اور ہم سب کے لئے اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔آمین۔

شرحدستخط

ابوالخیر سید رحمت اللہ نقشبندی بن ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ نقشبندیؒ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین و اٰلہ و صحبہ والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین اجمعین ، أما بعد !

اللہ تعالٰی کا فضل ہے ''زجاجۃ المصابیح '' جلد دوّم کے آخری حصہ ''کتاب العتق'' سے احادیثِ شریفہ اور حواشی کا اردو ترجمہ ابوالخیرات حضرت سید انوار اللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ کے حکم سے شروع کیا گیا اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ''زجاجۃ المصابیح '' کی پانچویں جلد کے ابتدائی دس (10) ابواب ''بَابُ فَضَائِلِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ – صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ – '' ، '' بَابُ أَسْمَاءِ النَّبِيِّ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – وَصِفَاتِهٖ'' ، ''بَابٌ فِيْ أَخْلَاقِهٖ وَشَمَائِلِهٖ – صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ –'' ''بَابُ الْمَبْعَثِ وَبَدْءِ الْوَحْيِ'' ، '' بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ ''، بَابٌ فِي الْمِعْرَاجِ'' ، بَابٌ فِي الْمُعْجِزَاتِ '' اور ''بَابُ الْكَرَامَاتِ'' وغیرہ پر مشتمل احادیث شریفہ اور حواشی کے ترجمہ کی یہ گیارہویں (11 ویں) جلد ہے

حضرت محدث دکن مؤلف ''زجاجۃ المصابیح'' علیہ الرحمہ کے عرسِ شریف کے موقعہ پر شائع کی جارہی ہے۔

اس کا پہلا عنوان سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان ایمانیات سے ہے۔تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر بلاتفریق ایمان لانا اوراس کے ساتھ اس بات پر بھی ایمان رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے درمیان مراتب فضیلت رکھا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم دنیا وآخرت میں سید الاولین والآخرین ہیں۔ان ہی کے ہاتھوں لواء الحمد ہے، مقامِ شفاعت اور مقامِ محمود پر وہی ایک فائز وقائم ہیں اور کائنات کے مبدا ومنتہاء بھی وہی ہیں۔اس مضمون سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کی اس ساری کائنات میں سیادت وقیادت کا اندازہ ہوتا ہے۔

دوسرا عنوان ''حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماءِ مبارکہ اورآپ کی صفات کا بیان'' ہے۔آپ کے اسماءِ مبارکہ بہت ہیں۔بعض بزرگوں نے تین ہزار تین ذکر کئے ہیں۔مسلمان ہونے کے لئے آپ کے مبارک نام''**محمد**'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ کلمہ کا پڑھنا اس کو دل سے ماننا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے اور یہ نام مبارک'' **حمد**'' سے مشتق ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ خلقِ خدا میں جملہ کمالات کے مالک اور ہر ظاہری وباطنی عیب سے پاک ہیں۔مسلمان ہوتے ہوئے روزِ اوّل سے آپ کی شان حمد کی تصدیق کے ساتھ

ایمان لانا اگر چہ کہ تحت الشعور ہی کیوں نہ ہو ضروری ہے۔اس مضمون سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لامتناہی شان وعظمت کا اندازہ ہوتا ہے ، آپ کا جمال محبوبیت اور کمال حقیقۃ الحقائق ہی اس کائنات کا جمال وکمال ہے۔

تیسرا عنوان ''آپ کے اخلاق وشمائل ہیں'' اخلاق کا مطلب کسی کے ساتھ معاملہ کرنے کا طریقہ۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کسی بھی لمحہ کسی بھی سانس کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائے ۔ ہر لحظہ اپنی ہر حرکت اور سکون سے ساری خلقت اور سارے بندگانِ خدا کے لئے سلامتی ، راحت اور چین کا پیغام دیئے۔ عرش تا فرش کائنات میں دوست دشمن ، مرد عورت ، بچے ، بوڑھے ، نوجوان ، ضعیف وطاقتور ، مالدار وتنگدست ، حاکم ومحکوم ، مسلم وغیر مسلم اور یہود ونصاریٰ سب کے ساتھ کرم کا برتاؤ فرمایا۔انس ومحبت اور سلام آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا سرتاج ہے۔

یہ ابواب ومضامین الحادی اور بے راہ رو دنیا کے لئے ہر دور میں راہِ حق دکھاتے ہیں۔

چوتھا باب وحی الٰہی ہے: اس باب کی اہمیت ظاہر ہے۔اسلام کا نظام عقائد واحکام اور آداب ومناقب یہ تمام وحی الٰہی سے مستفاد وثابت ہیں۔اللہ تعالیٰ نے وحی کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔وحی الٰہی متلو وغیر متلو یعنی قرآن وحدیث میں اپنی تمام قسموں کے ساتھ محفوظ ہے اور نظام اسلام جو وحی سے ثابت ہے

نا قابل تنسیخ ہے اوراس میں حذف واضافہ کی کبھی کوئی گنجائش نہیں ۔اس باب میں نزول وحی کی سات اقسام میں چند کا ذکر آیا ہے ۔اس سے وحی الٰہی کی شان اوراس کی حفاظت کا نظام معلوم ہوتا ہے۔

اجتہادی مسائل وحی کی روشنی سے ہی استنباط کئے گئے ہیں ۔کوئی اور انسانی حیات کا کوئی مسئلہ بھی قرآن وحدیث سے باہر نہیں۔

پانچواں باب علامات النبوۃ: یہ عنوان بہت مفید ہے۔غیر مسلم کے لئے ایمان کا سبب ہے اور ایک مسلمان کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہے ۔اس عنوان میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات اور چند بڑے معجزات ''شق صدر'' اور ''شق القمر'' وغیرہ کا ذکر ہے۔ نیز شجر وحجر کا آپ کو سلام کرنا اور مغیبات کا علم اور آپ کے خطبات میں سمندر کے جیسی گہرائی اور گیرائی کے ساتھ ساتھ مضامین کی جامعیت اور خاص وعام ہر ایک کے لئے رشد وہدایت کی باتیں اوران کا قابل فہم ہونا، یہ اوراس طرح کے قیامت تک رونما ہونے والے تمام امور کا ذکر اور آپ کے خاتم النّبیین اور سید الاولین والآخرین ہونے کی علامتوں کا بیان ہے اوراس کے ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ اور صفات سنیہ کا ذکر بھی ہے اور یہ ایک مسلمان کے لئے کمال محبت کا سبب ہے۔

چھٹا عنوان معراج کا بیان: معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی منجملہ خصوصیات کے دو عظیم خصوصیات دنیا میں

معراج اورآ خرت میں مقام محمود پر رونق افروزی ہیں۔اس عنوان کے احادیث شریفہ ہیں اس میں وضاحت وصراحت ہے کہ یہ معراج شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے ساتھ بیداری میں ہوئی اور **دنا فتدلی فکان قاب قوسین** کا قرب سرفراز ہوا۔ **فاوحی الی عبده ما اوحی** سے راست ہم کلامی اور مناجات کا شرف ملا۔

اس عنوان کے احادیث میں آپ کی شان وعظمت کا ظہور ہے۔معراج کے موقع پرآپ کے استقبال کے لئے ساری کائنات میں اورخصوصاً ملأ اعلیٰ میں آسمانوں سے عرش اعظم تک آپ کے استقبال کا اہتمام کیا گیا،جس میں تمام انبیاءاورفرشتے شامل تھے۔

ملأ اعلیٰ کی جملہ مخلوقات کوآپ کے دیدار کےشرف کی تمنا تھی تو اس کے خاطران کوسدرۃ پرحاضری کا موقع دیا گیااورملاۓ اعلی کو بقعۂ نور بنادیا گیا۔اس مضمون کی احادیث وحواشی پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

محدث دکن حضرت مؤلف علیہ الرحمہ نے اس کے حواشی میں حیات انبیاء سے بھی ایک سے زائد مقامات پر بحث کی ہے۔

ساتواں اور آٹھواں عنوان ''معجزات ''اور''کرامات'' ہے۔معجزہ اور کرامت ان امور میں سے ہیں جوخوارق عادت ہوتے ہیں،خارق عادت کام کی(5) قسمیں ہیں:

(1) معجزہ (2) ارہاص (3) کرامت (4) معونت (5) استدراج

حضرات انبیاء علیہم السلام سے خارق عادت کام کا ظہور ان کے اعلان نبوت کے بعد ہو تو معجزہ ہے اور اعلان نبوت سے پہلے ہو تو ارہاص ہے۔ ارہاص کے معنی ہیں بنیاد کو مستحکم اور دیواروں کو مضبوط کرنا یعنی نبوت کی بنیاد اور دیواروں کو دلوں میں مضبوط و مستحکم کرنا اور خارق عادت کا ظہور اولیاء اللہ سے ہو تو یہ کرامت ہے۔ عام مسلمانوں سے ظاہر ہو تو معونت اور اگر کسی کافر و فاسق سے ظاہر ہو تو استدراج ہے۔ استدراج کے معنی ہیں ڈھیل دینا ان کے کفر میں انہیں ڈھیل دینا تا آنکہ وہ حق کی طرف لوٹ کر آئیں۔

(1) ''بَابٌ فِي الْمُعْجِزَات ''اس باب میں (82) احادیث شریفہ ہیں اور'' بَابُ الْكَرَامَات ''جو (13) احادیث شریفہ پر مشتمل ہے۔ (علی صاحبہما الصلوٰۃ والسلام)

معجزات: یہ'' معجزۃ '' کی جمع ہے اس کا مصدر اعجاز اور مادہ عجز ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں بے بس اور عاجز کر دینا اور اصطلاح میں پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام سے جو خارق عادت کام ظاہر ہوتا ہے اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

معجزہ نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔ معجزات کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو اس کی دس (10) قسمیں بنتی ہیں:

(1) اختیاری معجزات: جیسے چاند کا دو ٹکڑے کرنا، سورج کو پلٹانا اور

انگشت مبارک سے پانی کے چشمے بہانا وغیرہ۔

(2) غیر اختیاری معجزات: جیسے آیات قرآن کا نزول وغیرہ۔

(3) وہ معجزات جو کہ ذات اطہر سے وابستہ ہیں، جیسے جسم اطہر کا سایہ نہ ہونا اور جسم اطہر سے خوشبو کا مہکنا وغیرہ۔

(4) موقتی معجزات: جیسے ام معبد کی بکری کے تھن میں دودھ بھر دینا وغیرہ۔

(5) دائمی معجزات: مثلاً آپ کا ذکر کثیر، آپ کا اسم مبارک اور آپ کو دیکھے بغیر دنیا کا آپ سے محبت کرنا اور آپ پر فدا ہو جانا وغیرہ۔

(6) حسی معجزات: جیسے نابینا کو بینائی عطاء فرمانا۔

(7) معنوی معجزات: جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حافظہ عطا فرمانا۔ ان کی والدہ کو ایمان سے بہرہ ور کرنا اور ان کی محبت لوگوں میں ڈال دینا۔

(8) مستقبل کے اخبار و احوال بتا دینا۔ جیسے جنگ خندق میں قیصر و کسریٰ کی حکومت کو فتح کرنے کی خبر دینا۔ اس کے علاوہ مستقبل کی جنگیں اور ان کی تفصیلات بتانا۔

(9) امت کے اولیاء کرام کی کرامات دراصل نبی کے معجزات کا آئینہ دار ہیں

(10) آپ کی ذات اقدس سر تا قدم معجزہ ہی معجزہ ہے۔

وقتی معجزات جو روایت میں آتے ہیں ان کی تعداد (6) چھ ہزار سے زائد ہے۔اس سے معجزات کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس جلد کا آخری باب ''**بَابُ الْکَرَامَات**'' ہے: کرامات جمع ہے اس کا واحد کرامۃ ہے اور اکرام وتکریم کا اسم مصدر ہے۔تعظیم وتوقیر کے معنی میں ہے۔

اصطلاح شریعت میں کرامت ایسی خارج عادت چیز کو کہتے ہیں جو اللہ کے کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام کی کرامتیں برحق ہیں۔جیسے آصف ابن برخیا کا پلک جھپکنے سے پہلے ملک شام سے تخت بلقیس کو محفوظ شاہی محل میں صحیح وسالم لے آنا۔

اور یہ کرامات حیات ظاہری میں اور بعد از وصال بھی ہوسکتے ہیں۔جیسے امام بخاری علیہ الرحمہ کی قبر شریف سے خوشبو کا مہکنا وغیرہ۔بہرحال امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے ہزاروں خاصانِ خدا حضرت پیران پیر' حضرت غریب نواز' حضرت بندہ نواز اور دیگر اصحاب طریق صوفیہ رحمہم اللہ کی کرامات ہر زمان وہر مکان میں دین اسلام کی حقانیت اور اس دین کی تاقیامت قائم رہنے کی کھلی علامات ودلائل ہیں اور بے شمار اولیاء کرام کی کرامات، جریدۂ عالم پر ثبت ہیں

اہل سنت وجماعت اور اہل اسلام کے تمام فرقے کرامتوں کے قائل ہیں۔ سوائے فرقۂ معتزلہ' کہ وہی کرامتوں کا انکار کرتا ہے۔کرامتوں کی بھی (2) دو

قسمیں ہیں:

(1) اختیاری، جیسے: طی مکان وطی زمان، مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ۔

(2) بے اختیاری، جیسے: اولیاء کرام کے اجسام کا لطیف ہونا وغیرہ۔

اس باب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی کرامتوں سے متعلقہ احادیث جمع کی گئی ہیں۔

بہر حال کرامت دین اسلام کی حقانیت اور تا قیامت دین کے قائم رہنے کی کھلی دلیل وعلامت ہے۔

اخیر میں دو باب بغیر عنوان کے ہیں مشکوۃ شریف میں بھی یہ دو باب بغیر عنوان کے ہیں، شارحینِ حدیث شریف اس کے مختلف عنوانات قائم کئے ہیں۔ صاحبِ زجاجہ محدث دکن علیہ الرحمہ نے بھی حاشیہ میں اس کے دو عنوانات نقل فرمائے ہیں۔

ان ابواب کے ترجمہ میں سابق کی طرح الفاظ کی رعایت کے ساتھ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ معنی خیز اور عام فہم ہو۔

اس ترجمہ کے موقعہ پر مولانا سید ضیاء الدین صاحب، شیخ الفقہ جامعہ نظامیہ کے علاوہ مولوی واحد علی صاحب استاذ جامعہ، مولوی محمد افتخار صاحب اور مولوی محمد بن عثمان اور مولوی محمد رحمت اللہ صاحب اور مولوی عبدالقدوس صاحب، مولوی محمد شاہد ندیم، مولوی محمد اویس اور مولوی محمد عبدالمغنی نے تعاون کیا۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس ترجمہ کو قبولِ عام اور سب کے لئے نفع بخش بنائے اور ہمارے میزانِ حسنات میں اس کو شامل فرمائے۔ واللّٰہ هو الموفق

اللهم صل و سلم عليه واٰله وصحبه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين اجمعين.

محمد خواجہ شریف

شیخ الحدیث وناظم مرکز تحقیقات اسلامیہ، جامعہ نظامیہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

(17/250) بَابُ فَضَائِلِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ (1)

صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

اللہ جن کی شان وعظمت اور پاکیزگی بیان کرتا ہے اللہ بزرگ وبرتر کا ارشاد ہے: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ". (93۔سورۃالضحیٰ،آیت:11)۔اور لیکن آپ اپنے رب کی نعمت کو خوب بیان فرمائیں۔

1/7167۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بنی آدم کے یکے بعد دیگرے بہترین خاندانوں میں سے بھیجا گیا ہوں(2)،

---

(1) **قوله:باب فضائل سید المرسلین صلوات اللّٰہ وسلامه علیه.** اس بات کا یقین رکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور آپ کے شمائل وصفات اور آپ کی شرافت وکرامت کا بیان وشمار ناممکن بلکہ اس کا احاطہ کرنا طاقت سے باہر ہے، اور اس باب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ آپ کے شمائل کی ایک مہک اور آپ کے فضائل کی ایک جھلک ہے، جس سے آپ کے بے حساب کمال خصائل وتمام فضائل کا اندازہ ہوتا ہے۔(مرقات)۔

(2) **قوله: بعثت من خیر قرون بنی آدم الخ.** تم اس بات کو یاد رکھو اس حدیث شریف میں خاندانوں کی خیریت اور آنے والی حدیث میں خاندان کے اصطفاء وانتخاب کا جو ذکر ہے وہ دین کے اعتبار سے نہیں بلکہ خصائلِ حمیدہ کے اعتبار سے بھی ہے۔

وقوله: قرنا فقرنا۔ایک قول کے مطابق یہ لفظ خیر سے حال واقع ہے اور **فقرنا** میں لفظ ف ہر آنے والے خاندان کی سابق خاندان کی نسبت ترتیب وارترقی کو بتاتا ہے۔(ظہور کے قریب تر زمانہ کی وجہ سے)۔

القرن ۔ قرن کی نسبت لوگوں کی طرف ہو تو اس سے مراد ایک زمانے کے لوگ ہیں، اور کتاب شرح السنہ میں ہے قرن سے مراد کسی طبقے کے وہ لوگ ہیں جو ایک زمانہ میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔اور اسکو قرن اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک قوم دوسری قوم سے جڑی ہوئی ہوتی ہے، اور ایک جہاں دوسرے جہاں سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور

یہاں تک کہ میں اس خاندان سے ظاہر ہوا جس میں سے تھا(3)۔(بخاری)۔

2/7168۔حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے شاید وہ کوئی چیز سنے تھے،تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمائے:'' مَــنْ أَنَـا؟ میں کون ہوں؟ تو صحابہ نے کہا آپ رسول اللہ ہیں،آپ نے فرمایا: میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کیا(4)،تو مجھے ان میں سے سب سے اچھوں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) یہ قرنت کا مصدر ہے،مگر اب وہ ایک مقررہ وقت کا نام ہے یعنی زمانہ کی ایک مقدار کا نام رکھ دیا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق قرن اسّی (80) سال کا ایک قول میں چالیس (40) سال کا اور ایک قول کے مطابق قرن (100) سال کا ہوتا ہے،اور یہاں قرن سے مراد معنیٰ اول (ہم زمانہ لوگ) مراد ہیں۔مطلب یہ ہے کہ میں اولادِ آدم کے بہترین طبقات میں سے طبقہ در طبقہ بھیجا گیا ہوں۔(مرقات)۔

(3) وقـولـه: حتى كنت من القرن الذى كنت فيه. یعنی آپ اس زمانہ میں ظاہر ہوئے جس میں تھے۔علامہ ابن جوزی کتاب الوفاء میں کعب احبار سے ایک روایت لائے ہیں آپ نے کہا کہ اللہ بزرگ وبرتر نے جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو جبریل علیہ السلام کو حکم دیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف کی جگہ کی ایک مٹھی سفید مٹی لائے اور تسنیم کے پانی سے اسکو گوندا گیا اور جنت کی نہروں میں اسکو ڈبویا گیا اور آسمانوں میں اسکو طواف کرایا گیا تو فرشتوں نے آدم سے پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا پھر نورِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں دکھایا گیا،اور آدم علیہ السلام سے کہا گیا، اے آدم یہ آپ کی اولاد میں تمام پیغمبروں کے سردار ہیں۔اور جب حواء علیہا السلام کو حضرت شیث علیہ السلام کا حمل قرار پایا تو یہ نور آدم علیہ السلام سے حواء علیہا السلام میں منتقل ہوا،اور حضرت حواء کو ہر حمل میں دولڑ کے پیدا ہوتے تھے سوائے شیث علیہ السلام کے،کیونکہ حضرت شیث علیہ السلام،اکیلے پیدا ہوئے،اس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی وکرامت کی خاطر داری تھی پھر یہ نور مبارک پاک اصلاب میں سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے بی بی آمنہ میں منتقل ہوا،اور بی بی آمنہ سے آپ کی ولادت مبارکہ ہوئی۔(مرقات)۔

(4) قوله: ان الله خلق الخلق. اس سے مراد انسان اور جنات ہیں۔قوله: فجعلهم فى خيرهم. خیر سے مراد انسان ہیں۔قوله :فرقتين اس سے مراد عرب وعجم ہیں۔قـولـه: فجعلنى فى خيرهم قبيلةً،اس سے مراد قبیلہ قریش ہے۔وقـولـه: ثم جعلهم بيوتا. بیوت سے مراد بطون ہیں۔وقـولـه :فجعلنى فيى خيرهم بيتا. سے مراد بطون کی شاخ بنی ہاشم ہیں۔(مرقات)۔

میں رکھا، پھران اچھوں کی دو جماعتیں بنایا اور مجھے ان کی اچھی جماعت میں رکھا پھران کے قبیلے بنایا تو مجھے اچھے قبیلہ میں رکھا، پھران کے گھر بنایا تو مجھے ان کے اچھے گھر میں رکھا، پس میں ان سب میں سب سے اچھا انسان اور سب سے اچھے گھر والا ہوں۔ (ترمذی)۔

3/7169۔حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہوں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کا انتخاب کیا اور کنانہ میں سے قریش کا انتخاب فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا انتخاب کیا اور بنی ہاشم میں سے میرا انتخاب فرمایا۔ (مسلم)۔

4/7170۔اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل کا انتخاب فرمایا اور اسماعیل کی اولاد میں سے کنانہ کا انتخاب فرمایا۔ (ترمذی)۔

5/7171۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری مثال اور پیغمبروں کی مثال(5)، ایسے محل کی مثال ہے جسکی تعمیر بہت خوبصورت

---

(5) قولہ:مثلي ومثل الأنبياء كمثل قصر الخ ۔علامہ طیبی نے فرمایا یہ تمثیلی تشبیہ ہے۔اس میں انبیاء علیہم السلام اوران کی لائی ہوئی ہدایت ان کا علم اوران کا بندگانِ خدا کی مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کرنے کوایک ایسے محل سے تشبیہ دی گئی ہے جسکی تعمیر مضبوط اور خوبصورت ہے لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ جواس میں خوبصورتی اور خوبی لاتی ہے اوراسکے خلل وضرر کو دور کرتی ہے چھوڑی ہوئی ہے، اوراب اس خلل کو بند کرنے کے لئے اوراسکی اصلاح کے لئے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا۔آپ اس عمارت کی بنیادوں کو قائم کرنے میں بھی اوراسکی تعمیر میں بھی ان پیغمبروں کے ساتھ شریک وشامل رہے ہیں۔اور یہ مفہوم اس صورت میں ہے جب کہ اس میں استثناء منقطع ہو،اوراس میں معنی کا لحاظ کرتے ہوئے، یہ استثناء متصل بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ساری عمارت پر تعجب کا اظہار کررہے ہیں سوائے اس ایک اینٹ کی جگہ کے اس جگہ کو پُر کرنے اوراس عمارت کو درست کرنے والی شئ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت اورآپ کی وہ شان حقیقۃ الحقائق ہے جواہل عرفان کا مقصود ہے، اوراس میں اس حدیث شریف کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بعثت لأتمم مكارم الاخلاق'' میں مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (مرقات)۔

ہے، اوراس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی دیکھنے والے اس کے اطراف گھومتے ہیں اور اسکی حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہیں، سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے، اور میں اس اینٹ کی جگہ کو پُر کیا، اور مجھ سے اس کی تعمیر ختم ہوئی اور رسولوں کا سلسلہ بھی مجھ پر ختم ہوگیا۔

6/7172۔اورایک روایت میں ہے: وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (متفق علیہ)۔

7/7173۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مجھے مکارم اخلاق(6)، کو پورا کرنے اور اچھے افعال کو مکمل کرنے کیلئے بھیجا ہے۔(شرح السنہ)۔

8/7174۔حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں اللہ کے پاس خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب کہ آدم (7) اپنے خمیر میں پڑے ہوئے تھے اور میں تم کو میری ابتداء بتاتا ہوں، میں ابراہیم کی دعا (8) اور عیسیٰ کی بشارت اور میں وہ نظارہ ہوں جو میری والدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا تھا کہ ان

---

(6) قولہ: مکارم الاخلاق. اخلاق سے مراد احوال (امورِ باطنی) ہیں چنانچہ اس کے مقابلہ میں جو کمال محاسن افعال کو لایا گیا ہے، افعال سے امورِ ظاہرہ جیسے عبادات اور اچھی باتیں مراد ہیں۔ محاسن حسن کی جمع ہے اور یہ خلاف قیاس ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی شریعت میں فضیلت والے کام اور طریقت میں کمال والے احوال ہیں۔(مرقات)۔

(7) قولُہٗ: ان آدم لمنجدل. یہ لفظ جدل سے مشتق ہے، جدل کے معنیٰ کسی چیز کو سخت زمین میں ڈال دینا، یعنی آپ ابھی اپنے خمیر میں ہی تھے۔ وقولہ: ساخبرکم بأول أمری. یعنی دنیا میں میری نبوت کے ظہور کی ابتداء اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے میری رفعت و سربلندی کا ذکر۔

وقولہ: دعوۃ ابراھیم. دعوۃ کی ۃ کو پیش ہے اور اصل میں "ھو دعوۃ ابراھیم" ہے یعنی آپ ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا ہیں جو کعبہ کی تعمیر کے موقعہ پر آپ نے کی تھی، اور فرمایا تھا: " رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ" (2۔سورۃ البقرۃ، آیت: 129) اے ہمارے پروردگار! تو ان میں ان ہی سے رسول مبعوث فرما اور اللہ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا۔(مرقات)۔

(8) قولہ: التی رأت الخ۔ علامہ طیبی وغیرہ نے فرمایا: یہ نظارہ خواب میں اور بیداری میں دونوں وقت بھی دیکھا ہو دونوں کا احتمال ہے، خواب میں دیکھنے کی صورت میں یہ واقعہ وضع حمل کے قریب وقت میں ہوا ہو، جیسا کہ علامہ ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے جب ولادت کا وقت آگیا

کے لئے ایک ایسا نور چمکا جس کی وجہ سے ملک شام کے محلات ان کے لئے روشن ہو گئے تھے۔ (شرح السنہ)۔

9/7175۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو نبوت سے کب سرفرازی ہوئی(9) تو آپ نے فرمایا اس وقت سے جب کہ آدم روح اور جسد کے درمیان میں تھے۔ (ترمذی)۔

10/7176۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام پیغمبروں پر اور آسمان والوں پر فضیلت عطا فرمائی، تو لوگوں نے کہا اے ابن عباس! اہل آسمان پر اللہ نے کس چیز سے آپ کو فضیلت عطا فرمایا، تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل آسمان سے فرمایا(10)، جو کوئی ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہے تو ہم اس

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) تو دیکھا کہ ایک آنے والا آیا اور کہا بولو **أعیـذہ بالواحد من شر کل حاسد** میں اس کو ہر حسد کرنے والے کے شر سے خدائے واحد کی پناہ میں دیتی ہوں۔ (کتاب الوفاء)۔

وقوله: قد خرج لها نور اضاء لها منه قصور الشام ۔ اور اس نور سے مراد مشرق و مغرب کے درمیان نور نبوت کا ظہور ہے، جس سے کفر وضلالت کی تاریکی مضمحل ہوگئی اور چھٹ گئی۔ (مرقات)۔

(9) **قولـه: وجبت الخ.** مطلب یہ ہے کہ میری نبوت اسوقت بھی تھی جب کہ حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے یعنی حضرت آدم کا جسم بغیر روح کے زمین پر رکھا ہوا تھا، یعنی حضرت آدم کی روح اور جسد کے درمیان باہم تعلق سے پہلے سے میری نبوت ہے۔ (مرقات)۔

(10) **قـوله: ان الله تعالیٰ قال لأهل السماء.** علامہ طیبی نے فرمایا: اہل آسمان سے اس خطاب کی عظمت اور اسکی جلالت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے، اور ایک ایسی چیز کو فرض کر کے گفتگو کرنا جو اہل آسمان سے ہو ہی نہیں سکتی اور اس کو واقعہ کی طرح قرار دیکر اس پر سخت وعید سے آگاہ کرنا، جب کہ وہ شرک کر نہیں سکتے اور ان کی طرف شرک کی نسبت سے وہ بالکل دور ہیں، تو یہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کے اظہار کے لئے ہے۔ جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَجَعَلُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا''. (37۔سورۃ الصافات، آیت: 158) انہوں نے اللہ کے اور جنات کے درمیان نسب کو قائم کیا، اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب ان کی تحقیر اور ذلت کے اظہار کے لئے ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خطاب میں ملاطفت اور نرمی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو صادر ہوا اور یا ہوگا،

کے بدلہ میں اس کو جہنم میں ڈالیں گے اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے آپ کے لئے فتح مبین کھلی کامیابی عطا فرمائی تا کہ آپ کے لئے اگلے پچھلے ہر زمانہ میں وہ آپ کے درجات کو بلند کرتا رہے۔

صحابہ عرض کئے اور انبیاء پر آپ کی فضیلت؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ، فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ''. ہم نے ہر رسول کو ان کی قوم کی زبان میں بھیجا(11) تا کہ وہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس سے آپ کے درجات کی بلندی کا اعلان اور فتح مکہ کو مغفرت ونصرت اور اتمام نعمت اور صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی ہدایت اور مسلمانوں کے قلوب میں نزول سکینت کی علت وسبب بنانا، ان سب باتوں سے آپ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں سے وعید کے خطاب میں سختی کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ خطاب میں نرمی اور ملاطفت کو اختیار کیا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے اظہار کے لئے ہے۔ (مرقات)۔

(11) **قولہ: قَالَ :قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ'' وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ...... الخ.** علامہ طیبی نے فرمایا: اب رہا آپ کی تمام انبیاء پر فضیلت کا بیان تو یہ آیت بتا رہی ہے کہ ہر نبی ایک مخصوص قوم کی طرف بھیجے جاتے رہے ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام مخلوق کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے اور مسلمانوں کو تاریکیوں سے نکال کر نورِ حق کی طرف لانے کے لئے اور بت پرستی سے چھڑا کر علیم وخبیر مالک حقیقی اور معبود برحق کی عبادت کی طرف لانے کیلئے مبعوث کئے گئے، اس عمل میں جن کی تاثیر جس قدر زیادہ ہوگی ان کی فضیلت بھی اسی قدر زیادہ ہوگی، اور ان سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیر سب سے زیادہ ہے۔ اور آپ نے سبقت کے آخری نشانہ کو پار کرلیا ہے، کیونکہ آپ کسی ایک قوم اور کسی ایک زمانہ کے لئے خاص نہیں بلکہ آپ کی شریعت اور آپ کا دین زمین کے مشارق ومغارب میں پھیلا اور ہر مقام ومکان میں پہنچ گیا اور یہ تاثیر ہر زمانہ میں برابر جاری وساری ہے اللہ تعالیٰ اس دین کے شرف وعزت میں ہمیشہ اضافہ پر اضافہ کرتا رہے، ساری فضیلت اول وآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ تمام قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ (مرقات)۔

ان کے لئے بیان کریں، اور اللہ تعالی جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت عطا کرتا ہے، وہی سب پر غالب، خوب حکمت والا ہے۔(14۔سورۃ ابراہیم، آیت نمبر:4) اور اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: "وَمَـا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ". (34۔سورۃ سبأ، آیت نمبر:28) اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف بھیجا، اس نے آپ کو جن وانس سب کی طرف بھیجا ہے۔(دارمی)۔

11/7177۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئیں ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، ایک مہینہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی(12)، اور میرے لئے زمین مسجد اور پاک کرنے کا ذریعہ بنادی گئی(13) پس میری امت میں سے جس کسی شخص کے لئے نماز آجائے تو وہ وہیں نماز پڑھ

---

(12) قوله: نصرت بالرعب مسيرة شهر. اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے دلوں میں آپ کا خوف ڈال دیا آپ کے اور ان کے درمیان کسی وادی میں ایک مہینہ کی مسافت اور فاصلہ ہوتا تو دشمن گھبرانے لگتے تھے۔(مرقات)۔

(13) وجعلت لی الأرض مسجدا وطهورا. کتاب شرح السنہ میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے لئے نماز ان کے گرجوں کنیسوں کے سوا کسی دوسری جگہ پڑھنا جائز نہیں تھا، لیکن اللہ بزرگ وبرتر نے اس امت کے لئے آسانی اور سہولت کی غرض سے جہاں بھی وہ ہوں نماز پڑھنے کو جائز کردیا، سوائے حمام مقبرہ اور نجس مقامات کے کہ وہ اس میں نہ پڑھیں۔

قوله: طهورا. اس سے تیمّم کرنا مراد ہے۔البتہ حمام اور مقبرہ سے متعلق تفصیل ہے جسکو ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ایک دوسری بات یہ ہے کہ زمین کے جس حصہ کے پاک ہونے کا یقین ہوتا پہلے کے لوگ اسی جگہ نماز پڑھتے تھے، لیکن اب خاص طور پر ہمارے لئے اس زمین کو چھوڑ کر جس کی نجاست کا یقین ہے مابقی ساری زمین پر نماز پڑھنا جائز کردیا گیا اور اس کی صراحت کردی گئی کہ یہ حکم عام ہے کہ کوئی بھی شخص جہاں کہیں بھی ہو اسکو نماز کا وقت مل جائے اسی جگہ وہ نماز پڑھ لے۔(مرقات)

لے اور اموالِ غنیمت میرے لئے حلال کردئے گئے ہیں(14)، جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں تھے، اور مجھے شفاعت (عظمیٰ) عطا کی گئی(15)، اور ہر نبی اپنی خاص قوم کے طرف بھیجے جاتے تھے اور میں تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔(متفق علیہ)۔

12/7178۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمام انبیاء پر چھ(6) چیزوں سے فضیلت دی گئی(16) مجھے جوامع الکلم دئے گئے

---

(14) **واحلت لی الغنائم.** اور یہ مال غنیمت ہے جو کفار سے لیا گیا ہے۔

وقوله: ولم تحل لا حد قبلی. اس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں،(ان کے لئے غنائم جائز نہیں تھے) کیونکہ ان کے اموال غنیمت کو کھلے مقام پر رکھ دیا جاتا تھا اور ایک آگ آکر اس کو جلا دیتی تھی ہمارے علماء میں سے بعض شارحین نے اسی طرح بیان کیا ہے، اور علامہ ابن الملک نے فرمایا: اس سے مراد پہلے کی امتیں ہیں جب ان کو مال غنیمت میں حیوانات وچوپائے ملتے تو وہ انبیاء علیہم السلام کے لئے حلال نہیں تھے، بلکہ وہ صرف مجاہدین غانمین کی ملک ہوتے تھے لیکن ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر اس کو حلال کیا گیا کہ آپ اس میں سے خمس اور ایک خاص حصہ لیتے تھے۔البتہ جب سابق امتوں میں حیوانات کے سوا دوسرے اموال غنیمت ملتے تھے تو اس کو ایک جگہ جمع کردیتے اور ایک آگ آکر اس کو جلا دیتی تھی۔

اقول. میں کہتا ہوں کہ اموال غنیمت کو آگ میں ڈال دینے اور جلا دینے میں یہ حکمت ہو کہ انسان جہاد کرنے میں اپنی نیت اچھی رکھے اور اپنے باطن میں اخلاص پیدا کرے اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔(مرقات)۔

(15) **قوله:" واعطیت الشفاعة".** **الشفاعة** میں الف لام عہدی ہے اس سے شفاعت عامہ عظمیٰ مراد ہے جو بندوں کو میدان حشر سے چھٹکارا اور راحت وآرام پہنچانے کے لئے ہے، جس کو مقام محمود سے تعبیر کیا گیا ہے، جس پر اولین وآخرین سب رشک کریں گے۔(مرقات)۔

(16) **قوله: فضلت علی الانبیاء بست.** علامہ تورپشتی نے فرمایا: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں **بخمس** آیا (پانچ چیزوں سے فضیلت دی گئی ہے) ان دونوں میں کسی قسم کا تضاد نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف آپ کے ارشاد کے زمانہ کا اختلاف ہے اور **بخمس** کی حدیث **بست** سے پہلے کی ہے جب آپ کے لئے پانچ چیزوں سے فضیلت عطا کی گئی تو آپ نے اس کا اعلان فرمایا پھر اس میں چھٹویں خصوصیت کا اضافہ کیا گیا تو آپ

ہیں(17)، اور رعب کے ذریعہ میری مدد گئی ہے، اور غنیمتیں میرے لئے حلال کردی گئی ہیں، اور زمین میرے لئے مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنادی گئی اور میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں(18)، اور مجھ سے نبیوں کو ختم کردیا گیا(19)۔(مسلم)۔

13/7179۔اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) نے چھ کا ذکر فرمایا اور صاحب خلاصہ نے فرمایا: پانچ یا چھ کا ذکر موقعہ ومحل کی مناسبت سے ہے، اور علامہ کرمانی نے فرمایا ان جیسے مقامات میں بڑا عدد چھوٹے عدد کے منافی نہیں ہوتا، اور حق بات تو یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل وخصائل اسقدر زیادہ ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا کیا جاسکتا۔آپ نے ہر مقام پر اس مقام کی مناسبت سے ذکر فرمایا ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے۔(ماخوذ از: مرقات)۔

(17) قـولـه: جوامع الكلم. اس سے ایسی قوت مراد ہے جس کے ذریعہ سے وسیع تر معانی کو مختصر الفاظ میں بیان کردیا جاتا ہے، چنانچہ میں بکثرت معانی ومفاہیم کو تھوڑے سے کلمات میں بیان کردیتا ہوں۔(مرقات)۔

(18) وارسلـت الـى الخلق كافة. یعنی ساری موجودات جن وانسان فرشتے اور تمام حیوانات وجمادات کی طرف بھیجا گیا ہوں۔(مرقات)۔

(19) وختم بى النبيون ۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے وجود کو ختم کردیا گیا۔اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے اور مکمل دینی نظام کو قائم کرنے اور اسکی خدمت کرنے سے اس حدیث پر کوئی اشکال نہیں ہوتا بلکہ تمہارے لئے یہ حدیث شریف ساری مخلوقات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے لئے کافی ہے، اور آپ کی ساری مخلوقات پر فضیلت کی گواہی دے رہی ہے۔علامہ طیبی نے فرمایا: وحی کا دروازہ بند کردیا گیا اور رسالت کا راستہ بھی بند کردیا گیا اور ختم کردیا گیا، اور اطلاع دیدی گئی ہے کہ اب لوگوں کے لئے حجت تام ہوگئی، اور دین مکمل ہوگیا، اس کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ". (5۔سورۃ المائدۃ، آیت نمبر:3) دعوت کے لئے اب رسولوں کو بھیجنے کی ضرورت نہیں رہی۔

اب رہا الہام کا دروازہ وہ بند نہیں ہوگا۔الہام نفوس کاملہ کے لئے مدد ہے اور یہ ختم ہوگا نہیں کیونکہ تاکید وتجرید اور تذکیر کے واسطے ہمیشہ اسکی ضرورت ہے اور اب لوگوں کے لئے رسالت ودعوت کی ضرورت نہیں رہی، مگر چونکہ وہ وساوس میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں اور خواہشات میں منہمک رہتے ہیں تو ان کو تذکیر وتنبیہ کی ضرورت باقی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے جب اپنی حکمت کی بناء پر وحی کا دروازہ بند کردیا تو بندوں پر اپنی لطف ومہربانی سے الہام کے دروازے کو کھول دیا ہے۔(مرقات)۔

جوامع الکلم کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے اور میں سورہا تھا کہ میں اپنے کو دیکھا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں (20)، اور وہ میرے ہاتھ میں رکھ دی گئیں۔ (متفق علیہ)۔

14/7180۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے میرے لئے زمین کو ایک جگہ سمیٹ دیا (21)، تو میں نے اس کے مشارق ومغارب کو دیکھا، عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچ جائیگی جہاں تک میرے لئے وہ سمیٹ دی گئی۔ اور مجھے سرخ (22) وسفید دونوں خزانے عطا کئے گئے، اور میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ امت کو عام خشک سالی سے ہلاک نہ کرے (23) اور ان پر ان کے غیر سے کوئی ایسا دشمن

---

(20) **قوله :أتيت بمفاتيح خزائن الأرض**. کتاب نہایہ میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے متعدد ملکوں کو فتح کرنا اور قسم قسم کے خزانے نکالنا آسان کردیا ہے۔ (مرقات)۔

(21) **قوله: زوى لي الأرض**. یعنی میرے خاطر زمین کو ایک جگہ جمع کردیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے آپ کی خاطر زمین کو لپیٹ دیا اور اس کو اسطرح ایک جگہ کردیا کہ وہ آپ کی نظر کے آئینہ میں ایک ہتھیلی کی طرح ہوگئی اسی لئے آپ نے فرمایا میں نے اس کے مشارق ومغارب کو یعنی ساری زمین کو دیکھ لیا۔ (مرقات)۔

(22) **قوله: الأحمر والأبيض**. ترکیب میں یہ دونوں لفظ اپنے ماقبل یعنی سونے اور چاندی کے دو خزانوں سے بدل ہیں۔ علامہ توربشتی نے فرمایا: احمر وأبیض یعنی سرخ وسفید سے مراد قیصر وکسریٰ کے خزانے ہیں، کیونکہ ممالک کسریٰ کی حکومتوں کا سکہ عام طور پر دینار (سونے کا) تھا اور ممالک قیصر کا سکہ عام طور پر درہم (چاندی کا) تھا۔ (مرقات)۔

(23) **قوله: أن لا يهلكها بسنة عامة** ۔ اس سے ایسا قحط مراد ہے جو مسلمانوں کے تمام ملکوں کو گھیر لے۔ اور علامہ طیبی نے فرمایا: **سنة** کا لفظ قحط اور خشک سالی کے معنی میں ہے اور یہ لفظ عموماً خشک سالی کے زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

قوله: وان لا يسلط عليهم عدوا. اس میں عدو سے مراد کفار ہیں۔

قوله: من سوى أنفسهم . یہ ترکیب میں عدو (دشمن) کی صفت ہے۔ اور کائناً کے متعلق ہے۔ یعنی ایسا دشمن جو ہمارے اندر کا نہ ہو۔ یہ قید آپ نے اس لئے لگائی کہ آپ نے پہلے ایسا سوال فرمایا تھا کہ (آپس میں بھی نہ لڑیں)،

جوان کے بیج کو ختم کر دیتا ہو مسلط نہ کرے، تو میرے رب نے فرمایا: اے محمد جب میں کوئی فیصلہ کرتا ہوں(24) تو وہ رد نہیں ہوسکتا اور میں آپ کی امت کے لئے یہ عطا کیا ہوں کہ ان کو عام خشک سالی کے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) تو اس طرح کے سوال سے روک دیا گیا تھا اور آگے آنے والی حدیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

قولہ: فیستبیح. اس کا فاعل عدو ہے اور یہ لفظ واحد اور جمع دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔

قولہ: بیضتھم . علامہ ابن ملک نے فرمایا: اس سے مراد ایسا دشمن ہے جو امت کی اجتماعیت کو ختم کر دے، اور نسل کشی کو مباح اور جائز قرار دیدے۔ اور ایک شارح نے فرمایا: یعنی ایسا دشمن جو مسلمانوں کی اجتماعیت کو اکھاڑ پھینک دے۔ علامہ طیبی نے فرمایا بیضۃ سے مراد امت کی اجتماعیت اور ان کا مرکز اقتدار ہے۔ (مرقات)۔

(24) **قولہ: إنی إذا قضیت قضاء .** یعنی جب میں کوئی قطعی فیصلہ کرتا ہوں تو وہ کسی بھی چیز سے رد نہیں ہوسکتا اسکے برخلاف ایسا کوئی حکم جو کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی شرط کے ساتھ معلق کیا جائے تو وہ اس چیز کے پائے یا نہ پائے جانے کے ساتھ معلق رہیگا اور یہ مسئلہ باب الدعاء میں تحقیق کے ساتھ بیان کیا جاچکا ہے۔

علامہ مظہر نے فرمایا: اس بات کو تم جانو! اللہ تعالیٰ کے فیصلے اپنی مخلوق میں دو قسم کے ہیں ایک مبرم (قطعی) دوسرا کسی کام کے ساتھ معلق مثلاً اگر وہ فلاں کام کرے گا تو ایسا ایسا ہوگا اور اگر وہ فلاں کام نہیں کرے گا تو ایسا نہیں ہوگا اور یہ ان احکام میں سے ہے جس میں محو و اثبات ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی کتاب محکم میں ارشاد ہے: " یَمۡحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ ،وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ". (13۔ سورۃ الرعد، آیت نمبر: 39)۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔

واما القضاء المبرم . (قطعی فیصلہ) اللہ تعالیٰ نے ازل میں جو تقدیر لکھ دی اور اس کو کسی کام سے معلق نہیں فرمایا وہ قضاءِ مبرم ہے وہ ہو کر رہتا ہے، اس میں کسی حالت میں کوئی تغیر و تبدّل نہیں ہوتا، اور وہ مخالف و موافق کسی پر موقوف نہیں رہتا، وہ اللہ کے علم ما کان وما یکون میں ہے، اور اللہ کے علم کے خلاف کسی چیز کا ہونا محال ہے، اور یہ ان امور میں سے ہے جن میں محو و اثبات نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " لَا مُعَقِّبَ لِحُکۡمِہٖ " (13۔ سورۃ الرعد، آیت نمبر: 41) اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " **لامرد لقضائہ ولا مرد لحکمہ** " اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کرسکتا، اور اس کے حکم کو بھی روک نہیں سکتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: " **اذا قضیت قضاء فلایرد** " دوسری قسم سے ہے اسی لئے اس سے روکدیا گیا اور اس حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے امور کے سواء انبیاء علیہم السلام کی تمام دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ (مرقات)۔

ذریعہ ہلاک نہیں کروں گا، اوران کے غیر سے کوئی ایسا دشمن ان پر مسلط نہیں کروں گا جو ان کے بیج کو ختم کردے، اگرچیکہ ان کے خلاف وہ زمین کے سارے کناروں سے جمع ہو جائیں، امت آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کرے گی اور ایک دوسرے کو قید کرے گی۔(مسلم)۔

15/7181۔حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے اس میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور آپ پروردگار سے طویل دعاء کئے پھر فارغ ہو کر فرمائے میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اس نے مجھے دو چیزیں عطا فرمائی اور ایک سے منع فرمایا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تو میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ کرے تو اس نے مجھے یہ عطاء کردیا، اور میں نے سوال کیا کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کرے تو یہ بھی مجھے عطا فرمایا اور میں نے اس سے سوال کیا کہ آپس میں جنگ نہ ہو تو اس نے مجھے اس سے روک دیا۔(مسلم)۔

16/7182۔حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک نماز پڑھائی اور طویل نماز پڑھائی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسی نماز پڑھائی جو آپ ویسی نہیں پڑھاتے تھے تو فرمایا: ہاں یہ شوق وخوف کی نماز تھی(25)، اور میں نے اس میں اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا تھا تو اس نے مجھے دو چیزیں عطا فرمائی اور ایک چیز سے روک دیا۔ میں نے اس سے سوال کیا تھا میری امت کو خشک سالی اور قحط سالی سے ہلاک نہ کرے تو مجھے یہ عطا فرمایا اور میں نے سوال کیا تھا کہ ان پر ان کے غیر سے کوئی دشمن مسلط نہ کرے تو اس نے مجھے یہ بھی عطا فرمایا اور میں اس سے سوال کیا تھا کہ ان کو آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کا مزہ نہ چکھائے تو اس نے مجھے اس سے روک دیا۔(ترمذی، نسائی)۔

---

(25) قولہ: انھا صلوۃ رغبۃ ورھبۃ . مطلب یہ ہے کہ ایک جامع نماز تھی اس میں ثواب کی امید اور عقاب کا خوف دونوں برابر شامل تھے، برخلاف دوسری نمازوں کے، ان کی ادائی میں ان دو چیزوں (ثواب وعقاب) میں سے کسی ایک چیز کا غلبہ رہتا ہے۔(مرقات)۔

17/7183۔حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس امت پر دو تلواروں کو جمع نہیں کرے گا ایک امت کی تلوار اور ایک اس کے دشمن کی تلوار (26)۔(ابوداؤد)۔

18/7184۔حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تین چیزوں سے پناہ میں رکھا ہے کہ تمہارے ہلاک ہونے کی تمہارے نبی بددعا نہیں کریں گے (27) اور اہل حق پر اہل باطل غالب نہیں ہوں گے (28)، اور تم گمراہی پر اتفاق نہیں کرو گے (29)۔(ابوداؤد)۔

---

(26) **قوله: لن يجمع الله على هذه الأمة سيفين الخ.** اللہ تعالیٰ نے ان دو تلواروں میں سے ہلکی تلوار کو منتخب کیا ہے، اور یہ امت کے اندر کی تلوار ہے، امت کے دشمن کی ایسی تلوار نہیں جو امت کو جڑ سے ختم کردے، ورنہ بعض حالات میں اس طرح کی دو تلواریں جمع ہوسکتی ہیں۔اس حدیث شریف میں امت کی بقاء کا اشارہ ہے اور قیامت تک اسکی حفاظت کی خوشخبری ہے۔اور علامہ قاضی نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں خود مسلمانوں کی تلواریں ہوں، یا دشمن کی تلواریں مسلمانوں پر استیصال کے لئے جمع نہیں ہوسکتیں، اور مسلمان کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ دینے کا سبب نہیں بن سکتے بلکہ جب امت آپس میں لڑتی ہے تو دشمن کو مسلط کردیا جاتا ہے اور امت آپس میں لڑنے اور جنگ کرنے سے رک جاتی ہے۔یہ علامہ شیخ تورپشتی کا قول ہے۔(مرقات)۔

(27) **قوله: ان لا يدعو عليكم نبيكم** کہ وہ (تمہارے نبی) تم کو ہلاک کر کے ختم کرنے کی بددعا نہیں کریں گے۔(مرقات)۔

(28) **قوله :وان لا يظهر اهل الباطل على اهل الحق .** علامہ تورپشتی نے فرمایا: کہ باطل کے مددگار کتنی ہی کثیر تعداد میں ہوں وہ حق پر غالب نہیں آسکیں گے، ایسا کہ حق مٹادیں اور اس کے نور کو بجھادیں اگرچیکہ حق لوگوں کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ باوجودیکہ ہم اہل باطل کے مقابلہ سے دوچار ہوئے۔دشمن ہم پر مسلط بھی ہوا اور بہت سے مشکلات اور سخت معرکوں سے گزرنا بھی پڑا مگر الحمدللہ ہم کو وہ ختم نہیں کرسکا۔باوجودیکہ باطل مسلسل ہے، مگر حق روشن ہے اور شریعت برابر قائم ہے، اس کی روشنی بجھائی نہیں جاسکی اور اس کا منار کمزور نہیں ہوسکا۔(مرقات)۔

(29) **قوله: ان لا تجتمعُوا على ضلالة .** یعنی تم کسی باطل پر اتفاق نہیں کرو گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجماع امت حجت ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو لوگ اچھا سمجھیں وہ اللہ کے پاس اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد

19/7185۔حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ'' یعنی ہم ہی آخری ہیں اور ہم ہی قیامت کے دن پہلے رہیں گے(30)، اور میں ایک بات کہتا ہوں فخر سے نہیں ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ صفی اللہ ہیں اور میں حبیب اللہ ہوں اور قیامت کے دن ''لواء الحمد'' حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا، اور اللہ نے مجھ سے میری امت کے بارے میں وعدہ کیا اور تین چیزوں سے ان کو محفوظ کیا کہ ان پر عام قحط نہیں ڈالے گا اور کوئی دشمن ان کو جڑ پیڑ سے ختم نہیں کرے گا اور اللہ ان کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔(دارمی)۔

20/7186۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب بیٹھے ہوئے تھے آپ تشریف لائے یہاں تک کہ جب ان سے قریب ہو گئے تو ان کو آپس میں مذاکرہ کرتے ہوئے سنا ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت ابراہیم کو اللہ نے خلیل بنایا اور دوسرے صاحب نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے اس نے کلام فرمایا اور ایک صاحب نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اسکی روح ہیں، اور ایک صاحب نے کہا کہ آدم کو اللہ نے صفی اللہ بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمائے میں تمہاری گفتگو کو اور تمہارے تعجب کرنے کو سنا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں وہ تو ایسے ہی ہیں اور موسیٰ نجی اللہ ہیں، وہ ایسے ہی ہیں اور عیسیٰ اسکی روح

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس کی تائید کرتا ہے'' وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ، وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ''. (4۔سورۃالنساء،آیت نمبر:115)اور یہ اجماع امت کے حجت ہونے کی بہترین دلیل ہے، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب اللہ کی اس آیت سے اجماع کی حجیت کا استنباط کیا ہے۔(مرقات)۔

(30) قوله: ''نَحْنُ الْآخِرُوْنَ'' یعنی ہم دنیا میں آخری آنے والے ہیں۔وقوله:'' وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ'' یعنی جنت میں داخل ہونے اور اس کے سوا بھی دوسرے فضائل میں پہلے رہنے والے ہیں۔وقولہ صفی اللہ۔اللہ نے اپنے کلام کے لئے ان کو منتخب کیا ہے۔(مرقات)۔

اور اس کا کلمہ ہیں وہ ایسے ہی ہیں اور آدم کو اللہ نے صفی اللہ بنایا ہے وہ ایسے ہی ہیں۔ اور سنو! میں حبیب اللہ ہوں(31) اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے اور میں قیامت میں **لواء الحمد** (حمد کا جھنڈا)

(31) **وانا حبیب الله ولا فخر.** علامہ طیبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان پیغمبروں کی جوشان اور فضائل ذکر کئے گئے تھے ان کا اثبات فرمایا اور اس کو مضبوط کیا، پھر بتایا کہ ان پیغمبروں میں جو الگ الگ فضائل ہیں، میں ان سب کے فضائل کا جامع اور میں ان میں افضل واکمل ہوں، کیونکہ آپ جب حبیب ہیں تو خلیل بھی ہیں کلیم بھی ہیں اور مشرف بھی ہیں اور یاد رکھو! خلیل اور حبیب میں فرق ہے خلیل خلۃ سے ماخوذ ہے اس کے معنی حاجت وضرورت کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی حاجت کو پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل بنایا۔ اور حبیب محبت سے اسم فاعل اور اسم مفعول کے معنی میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبّ اور محبوب دونوں بھی ہیں، آپ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے محبت کرتا ہے، اور خلیل محبّ ہے یعنی وہ محبوب سے اپنی ضرورت کے لئے محبت کرتا ہے اور حبیب اپنے محبوب سے بغیر غرض کے محبت کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خلیل مرید ہے اور سالک وطالب ہے، اور حبیب مراد مجذوب ومطلوب کے مرتبہ میں ہے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنی طرف کر لیتا ہے اور جو اسکی طرف رجوع رہتا ہے اسکو اپنی طرف بلا لیتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے خلیل وہ ہے جس کا کام اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے اور حبیب وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکی رضا میں ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا" (2۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر: 144) پس ہم آپ کا رخ اس قبلہ کی طرف کردیں گے جس سے آپ راضی ہیں "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى". (93۔ سورۃ الضحیٰ، آیت نمبر: 5) اور عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا عطا کریگا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلیل جو مغفرت کی امید کے مقام میں ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: "وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَلِيْ". (26۔ سورۃ الشعراء، آیت نمبر: 82) میں امید رکھتا ہوں کہ وہ میری مغفرت کردیگا۔ اور حبیب مغفرت کے مقام یقین میں ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ" (48 سورۃ الفتح، آیت نمبر: 2) اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں آپکے درجات کو بلند کریگا، حضرت خلیلنے فرمایا: " وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ". (26۔ سورۃ الشعراء، آیت نمبر: 87) جس دن وہ سب اٹھائے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور حبیب کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ". (66۔ سورۃ التحریم، آیت نمبر: 8) جس دن اللہ نبی کو اور ان حضرات کو جو ان کے ساتھ

کو اٹھایا ہوا ہوں گا اور اس کے نیچے آدم اور ساری خلقت ہوگی اور یہ فخر کی بات نہیں ہے۔اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے قیامت کے دن میری شفاعت قبول کی جائیگی، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں، اور میں سب سے پہلے جنت کی زنجیروں کو ہلاؤں گا اور اللہ تعالیٰ اس کو کھولے گا، اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین ہوں گے (32)، اور اس میں کوئی فخر نہیں، اور میں اللہ کے پاس اولین وآخرین میں سب سے زیادہ عزت وکرامت والا ہوں، اور یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔(ترمذی، دارمی)۔

21/7187۔حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن آئیگا میں تمام نبیوں کا امام اور ان کا خطیب رہوں گا اور ان سب کے لئے شفاعت کرنے والا رہوں گا، یہ فخر کی بات نہیں۔(ترمذی)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ایمان لائے ہیں رسوانہیں کریگا۔خلیل علیہ السلام نے عرض کیا:" وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ". (26۔سورۃ الشعراء، آیت نمبر:84) بعد والے لوگوں میں میرا ذکر خیر رکھ دے، اور حبیب کے لئے ارشاد ہوا" وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ". (94۔سورۃ الم نشرح، آیت نمبر:4) کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا، اور خلیل نے عرض کیا:" وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَۃِ جَنَّۃِ النَّعِیْمِ ". (26۔سورۃ الشعراء، آیت نمبر:85) مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے کردے، اور حبیب کے لئے ارشاد ہوا" اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ". (108۔سورۃ الکوثر، آیت نمبر:1) ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔

آپ کی فضیلت کے لئے واضح استدلال ہے کہ محبوبیت کا مرتبہ اور درجہ انتہائی کمال کا درجہ ہے، ان آیات میں اللہ ذوالجلال والجمال کا یہ ارشاد ہے:" قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ". (3۔سورۃ آل عمران، آیت نمبر:31) آپ فرمادیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو'۔(مرقات)۔

(32) قولہ: ومعی فقراء المؤمنین. یہ واضح دلیل ہے کہ صبر کرنے والا فقیر شکر گزار مالدار سے افضل ہے۔علامہ طیبی نے فرمایا: کہ فقراء اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق ہوگئے۔یہ اللہ تعالیٰ کے پاس فقراء کی بزرگی اور کرامت کی دلیل ہے، کیونکہ ان فقراء نے حبیب کی اتباع کرکے اور حبیب کی صفت فقر وصبر سے متصف ہوکر اللہ تعالیٰ کی محبت کے مستحق ہوگئے، صوفیائے کرام کے پاس فقر کے معنی دنیاوی احتیاج وضرورت کے نہیں ہیں بلکہ فقر سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف محتاج ہونا اور صرف اللہ کا ہوکر رہنا دوسروں سے بے نیاز رہنا ہے۔(مرقات)۔

22/7188۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب لوگ اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے برآمد ہوں گا، اور جب وہ چلیں گے تو میں ان کا قائد رہوں گا(33)، جب وہ چپ ہو جائیں گے تو اس وقت ان کا خطیب رہوں گا۔اور جب وہ روک دئے جائیں گے تو میں ان کی شفاعت کرنے والا رہوں گا۔اور جب وہ عزت سے مایوس ہو جائیں گے تو میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ میں ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔اور میں اپنے پروردگار کے پاس ساری اولاد آدم میں سب سے عزت والا رہوں گا، اور میرے پاس ایک ہزار خادم طواف کرتے رہیں گے گویا وہ محفوظ انڈے ہیں، یا بکھرے ہوئے چمکدار موتی ہیں۔(ترمذی، دارمی)۔

23/7189۔حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور میں یہ فخر سے نہیں کہتا(34)

(33) قولہ: اذا وفدوا. یعنی جب وہ آئیں گے۔وفد جماعت کو کہتے ہیں۔بادشاہ کے پاس ضرورت لیکر آئیں گے۔(مرقات)۔

(34) قولہ: و لا فخر. یعنی یہ بات میں فخر سے نہیں بول رہا ہوں بلکہ اللہ کے فضل کا اظہار اور تحدیث نعمت کے لئے ہے، اور مجھے جس چیز کا حکم دیا گیا ہے اس کی تبلیغ کے لئے کہہ رہا ہوں اور اس کا ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ میں اس پر فخر نہیں کرتا بلکہ اس ذات پر فخر کرتا ہوں جس نے مجھے یہ مرتبہ عطا فرمایا۔اور میں کہتا ہوں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے میں سیادت پر فخر نہیں کرتا بلکہ اس کی بندگی اور اسکی عبادت کرنے پر فخر کرتا ہوں کیونکہ اس سے آخرت کے مراتبِ حُسنٰی اور دیدارِ الٰہی کی زیادتی سے سرفرازی ہوتی ہے۔اگر تم کہو کہ انسان کا اپنے آپ کی تعریف کرنا کیسے اچھا ہوسکتا ہے جب کہ اسکو برا سمجھا گیا ہے یہاں تک کہ ایک حکیم اور دانشمند کے لئے اگر چیکہ وہ کتنا ہی اچھا اور بہتر ہے اس کا اپنی آپ تعریف کرنا بُرا ہے۔

تو اس کے لئے ہم کہیں گے کہ کبھی متکلم کی کوئی صفت مخاطب پر پوشیدہ ہوتی ہے، مخاطب کو اس سے باخبر کرنے کے لئے اس کا ذکر کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ معلم کبھی متعلم سے کہتا ہے تم یاد رکھو!''فانک لا تجد مثلی'' تم میرے جیسا نہیں پاؤ گے۔اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قول ہے:'' اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ، اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ '' .(12۔سورۃ یوسف، آیت نمبر:55) تو مجھے زمین کے خزانوں پر امین بنادے میں حفاظت کرنے والا اور اچھی طرح باخبر ہوں۔(مرقات)۔

اور میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہے(35) اور میں فخر سے نہیں کہتا اس دن کوئی بھی اولادِ آدم ہوں یا ان کے سوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔ اور میں پہلا ہوں جن کی قبرِ شریف کی زمین شق ہوگی اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا ہوں۔(ترمذی)۔

24/7190۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں قیامت کے دن تمام اولادآدم کا سردار ہوں(36) اور سب سے پہلے

---

(35) **قولہ: وبیدی لواء الحمد.** علامہ طیبی نے فرمایا: ہوسکتا ہے آپ کی حمد کا قیامت کے دن حقیقت میں کوئی جھنڈا ہواور اس کا نام **لواء الحمد** ہو۔علامہ تورپشتی نے بھی یہی کہا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے مقامات میں مقام حمد سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ وارفع مقام نہیں ہے اور تمام مقامات اس سے کم ہیں اور سب اس کے نیچے ختم ہوجاتے ہیں۔اور جب ہمارے نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے ہیں اور سب سے زیادہ آپ کی حمد کی گئی ہے، تو لواء الحمد آپ کو سرفراز کیا گیا جس کے تلے اولین وآخرین سب پناہ لیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''**آدم ومن دونہ تحت لوائ ی**'' آدم اور ساری خلقت میرے جھنڈے تلے ہے، اس حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ ہے اور اسی معنیٰ کی وجہ سے اپنی کتاب کا آغاز حمد سے کیا اور آپ کے نام کو حمد سے مشتق کیا اور آپ کو محمد واحمد کہا گیا۔اور قیامت کے دن مقام محمود پر فائز کیا گیا اور اس مقام میں آپ پر وہ محامد کھولے جائیں گے جو آپ سے پہلے کسی پر کھولے نہیں گئے، اور آپ کی برکت سے آپ کی امت کو اپنے فضل سے سرفراز کیا اور آپ سے پہلے نازل کردہ کتابوں میں آپ کی امت کی تعریف اسی صفتِ حمد سے کی گئی اور فرمایا آپ کی امت حمادون ہے وہ راحت وتکلیف اور خوشی وغمی میں بھی اللہ کی تعریف کرتے رہیں گے۔(مرقات)۔

(36) **قولہ: انا سید ولد آدم یوم القیامۃ.** سید وہ شخصیت ہے کہ جسکے پاس لوگ مشکلات ومصائب میں دوڑ کر آتے ہیں، اور وہ ان سب کی مشکلات کو دور کرتا ہے اور اس کا انتظام کرتا ہے، اور اس حدیث میں سید کے ساتھ قیامت کی قید احترازی نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا وآخرت دونوں جگہ سید ہیں۔قیامت کے دن کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ آپ کی سیادت کی شان قیامت کے دن اچھی طرح ظاہر ہوگی، کیونکہ وہاں کوئی آپ کی اس شان کا مخالف اور منکر نہیں رہیگا، اس دنیا کے برخلاف یہاں کفار اور ان کے لیڈر اور ان کے ملوک آپ کا انکار کرتے اور مخالفت کرتے رہے ہیں۔اور یہی مطلب ہے قرآن مجید کی آیت: '' لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ ، لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ ''. (40۔سورۃ المومن، آیت نمبر:16) آج کس کی حکومت ہے اللہ واحد کی جو غالب ہے۔اللہ کی حکومت تو اس سے پہلے (دنیا میں بھی) تھی مگر دنیا میں حکومت کے دعویدار بھی تھے دنیا میں اہل دنیا حکومت کے دعوے

میری قبرِ شریف کھلے گی(37)، اور سب سے پہلے میں شفاعت کرنے والا ہوں، اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔(مسلم)۔

25/7191۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمام پیغمبروں کا قائد ہوں اور میں یہ فخر سے نہیں کہتا، اور میں خاتم النبیین ہوں اور میں یہ فخر سے نہیں کہتا، اور میں شافع اور مشفع ہوں اور میں یہ فخر سے نہیں کہتا۔(دارمی)۔

26/7192۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میں جنت کے بارے میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں(38)، میری جس قدر

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کرتے تھے اوران کی طرف حکومت کی نسبت مجازی طور پر کی جاتی تھی۔آج یہ سارے دعوے اور نسبتیں ختم ہوگئیں، اس حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری مخلوق پر فضیلت ہونے کی دلیل ہے۔کیونکہ اہل سنت کے مذہب کے مطابق آدمی فرشتوں سے افضل ہے، اور اس حدیث شریف سے اور دوسری احادیث سے بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام آدمیوں سے افضل ہیں، اب رہی یہ حدیث جس میں ارشاد ہے "لا تفضلونی بین الانبیاء" دوسرے انبیاء کے درمیان میری فضیلت ظاہر مت کرو۔اس کا جواب پانچ وجوہ سے ہے(1) ایک تو یہ ہے کہ یہ حدیث آپ کو سیدالانبیاء کا علم عطا کئے جانے سے پہلے کی ہے(2) آپ کا یہ فرمان بطور ادب وتواضع ہے(3) اس طرح فضیلت بیان کرنے سے منع کیا گیا جس میں مفضول یعنی دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تنقیص ہوتی ہو(4) اس طرح بیان کرنا جو جھگڑے اور فتنے کا سبب بنے(5) نفس نبوت میں فضیلت نہیں ہے البتہ فضیلت زائد خوبیوں میں ہے اور اس میں فضیلت کا عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" (2۔سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:253) یہ رسول ہیں ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور ارشاد:" وَ لَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ". (17۔سورۃ بنی اسرائیل، آیت نمبر:55) اور ہم نے فضیلت دی بعض نبیوں کو بعض پر۔(مرقات)۔

(37) قوله: اول من ينشق عنه القبر. اس میں بھی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں افضل اور تمام موجودات میں اکمل ہیں۔(مرقات)۔

(38) قوله: انا أول شفيع في الجنة. اس میں لفظ "فی" سے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ تعلیلیہ ہے یعنی میں سب

تصدیق کی گئی ہے انبیاء میں سے کسی نبی کی اس قدر تصدیق نہیں کی گئی۔ انبیاء میں سے بعض نبی ایسے بھی ہیں کہ ایک شخص کے سوا کسی نے تصدیق نہیں کی۔ (مسلم)۔

27/7193۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے کوئی نبی نہیں مگر ان کو جو معجزے دیئے گئے اسی قدر انسان ان پر ایمان لائے (39)،

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) سے پہلے جنت میں داخلہ کے لئے شفاعت کرنے والا ہوں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ لفظ فــی ظرفیۃ ہے یعنی میں سب سے پہلے جنت میں درجات کی بلندی کے لئے شفاعت کرونگا۔ (مرقات)۔

قولـہ: مـا صدقت. اس میں کلمہ ما مصدر یہ ہے، یعنی میری امت کے تصدیق کرنے کی مقدار یا میری امت کا میری تصدیق کرنے کی طرح مراد ہے، پہلی صورت میں امت کی کثرت کو بیان اور دوسری صورت میں امت کی ایمانی قوت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت وعقیدت اور دین پر ان کی ثابت قدمی مراد ہے۔ اور ہر دو معانی کی صورت میں "کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ" "تم سب سے بہترین امت ہو بیان کرنا مراد ہے، اور حدیث شریف کے سیاق کلام کے اعتبار سے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ (لمعات)۔

(39) **قولہ: ما من الانبیاء من نبی الخ.** ہمارے بعض علماء نے اس کی شرح میں جو بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر نبی کو معجزات میں سے ایسے معجزے دئے گئے کہ ان کو دیکھا گیا اور ان پر واقفیت ہو تو ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے باعث بنے اور جب ان کا زمانہ ختم ہو گیا تو وہ معجزے بھی ختم کر دیئے گئے۔

مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کے لئے ایسا خارق عادت معجزہ دیا گیا جو ان کے زمانہ کے اعتبار سے ان کے دعوی نبوت کو ثابت کرتا ہو، اور جب ان کا زمانہ ختم ہو گیا تو وہ معجزے بھی ختم ہو گئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا عصا اژدھا بن جانا اور اپنا چمکتا دست مبارک دکھانا، یہ اس لئے تھا کہ آپ کے زمانہ میں سحر اور جادو کا زور تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا تو آپ کو طب سے بلند واعلیٰ معجزہ عطا کیا گیا، آپ مُردوں کو زندہ کرتے اور اندھے کو بینا کر دیتے اور برص کے بیمار کو شفاء دیدیتے، اور ہمارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلاغت وفصاحت کا زور تھا تو قرآن کا معجزہ عطا ہوا اور یہ سب کو ختم اور عاجز کر دیا۔

لفظ ابطل الکل سب کو ختم کر دیا عاجز کر دیا، یہ الفاظ علامہ طیبی کے ہیں مگر اس کے بجائے اگر عبارت اس طرح ہوتو بہتر ہے "**فجاء القرآن معجزة مشتهرة دائمة الى انقراض الزمان بل ابد الآباد......الخ**' تو قرآن مجید مشہور معجزہ ہمیشہ رہنے والا دنیا کے ختم ہونے تک ابد الآباد تک ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معجزہ بن کر آیا، اس کی

اور مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے(40)، جو اللہ نے میری طرف نازل فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن ان سب میں سب سے زیادہ میرے متبعین ہوں گے۔(متفق علیہ)۔

28/7194۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن میں سب سے زیادہ متبعین والا رہوں گا(41) اور میں سب سے پہلے رہوں گا جو جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا۔(مسلم)۔

29/7195۔ان ہی سے روایت ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور دروازہ کھولنے کے لئے کہوں گا تو خازن کہیں گے آپ کون ہیں تو میں کہوں گا میں محمد ہوں تو وہ عرض کرے گا آپ ہی کی خاطر مجھے حکم دیا گیا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) جنت کے درجات میں بھی تلاوت ہوتی رہے گی اور رحمٰن کے اس کلام کو وہاں بھی سناجاتا رہے گا۔اور یہی معنی ومفہوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے "**وانما کان الذی أوتیت وحیا**" مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی الٰہی ہے۔

(40) **قولہ: وحیا.** وحی سے قرآن مجید مراد ہے۔جو اپنے نظم ومعنیٰ یعنی کلمات کی ترکیب اور مفاہیم اور مطالب کے اعتبار سے کمال اعجاز کے اعلیٰ درجہ پر ہے اور تمام معجزات میں سب سے زیادہ فائدہ منداور نفع دینے والا ہے،اس میں دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی ہے،اور ہر زمانہ میں یکساں قائم ودائم ہے۔نزول وحی کے موقع پر جو حضرات موجود تھے وہ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے،اور وہ بھی جو اس وقت غائب تھے اور وہ بھی جو ان کے بعد قیامت تک آتے رہیں گے۔سب کو یکساں فائدہ ہوتا ہے،اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "**فارجو ان اکون أکثرھم تابعا یوم القیامۃ**" میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس امید کو پورا کیا۔(مرقات)۔

(41) **قولہ أنا اکثر الانبیاء تبعاً یوم القیامۃ.** آپ کی امت جیسا کہ سابق میں گزر چکا ہے اہل جنت کی دو تہائی ہوگی۔اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جن کے متبعین زیادہ ہوں گے ان کو زیادہ فضیلت حاصل رہے گی، متبعین کی زیادتی متبوع کی افضلیت کو بتاتی ہے،اسی طرح تمام فقہاء وعلماء کے درمیان امام اعظم ہیں۔آپ کو اس کا بڑا حصہ حاصل ہے کیونکہ مسلمانوں کی غالب اکثریت فروعی احکام میں آپ کی اتباع کرنے والے ہیں۔(مرقات)۔

ہے(42) کہ آپ سے پہلے میں کسی کے لئے نہ کھولوں۔(مسلم)۔

30/7196۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا: مجھے جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائیگا پھر میں عرش کے سیدھی جانب کھڑا ہوں گا مخلوقات میں سے کوئی بھی میرے سوا اس مقام پر کھڑا نہیں ہوگا۔(ترمذی)۔

31/7197۔اور جامع الاصول میں ان ہی سے ایک روایت ہے سب سے پہلے میری قبر کی زمین کھلے گی۔اور مجھے جوڑا پہنایا جائے گا۔

32/7198۔ان ہی سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو(43)،صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ کیا چیز ہے،آپ نے فرمایا: جنت میں اعلیٰ درجہ ہے جسکو صرف ایک ہی صاحب پائیں گے اور میں امید رکھتا ہوں وہ میں ہی ہوں گا۔(ترمذی)۔

33/7199۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ

---

(42) قولہ: بک امرت الخ. علامہ طیبی نے کہا ہے کہ "بک" جار مجرور امرت کے متعلق ہے اور"ب" سَبَبِیَّتُ کا ہے اور جار مجرور کو تخصیص کے لئے مقدم کیا گیا اور مطلب یہ ہے کہ آپ کے سبب سے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں آپ کے سوا کسی کے لئے نہ کھولوں اور یہ صرف آپ کی خاطر ہے کسی اور غرض سے نہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "ب"،فعل کا صلہ ہو،اور ان لا افتح بک ک ضمیر مجرور سے بدل ہو معنی یہ ہوں گے مجھے حکم ملا ہے کہ میں آپ کے سوا کسی کے لئے نہ کھولوں۔(مرقات)۔

(43) قولہ: سلوا اللہ لی الوسیلۃ. علامہ طیبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے وسیلہ کی دعا کرنے کے لئے جو فرمایا تو وہ اللہ کی جناب میں احتیاج اور کسر نفسی کے اظہار کے لئے ہے یا اس لئے بھی کہ امت کو اس سوال کا فائدہ ہو اور اس کا ثواب ملے اور اس میں امت کے لئے تعلیم ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے دعا کی درخواست کرتے رہیں۔(مرقات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں سے ہر نبی کے لئے بعض نبی قریب ہوتے ہیں اور مجھ سے قریب میرے والد میرے رب کے خلیل ہیں پھر آپ نے آیت تلاوت فرمائی: " اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ، وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ". (3۔سورۃ آل عمران، آیت نمبر:68) لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر وہ ہیں جو ان کی اتباع کئے اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ مومنین کا ولی ہے۔(ترمذی)۔

34/7200۔حضرت عطاء بن یسار سے روایت ہے آپ نے کہا کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے ملاقات کیا اور عرض کیا تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفت ہے آپ مجھے بتائیں، تو آپ نے کہا ہاں خدا کی قسم قرآن میں آپ کی جو صفات ہیں ان میں سے بعض صفات کے ساتھ تورات میں آپ کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ: "يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ...... الخ" اے نبی! ہم نے آپ کو گواہ اور بشارت دینے والا، ڈرانے والا اور امیین یعنی ساری امت کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے(44)، آپ میرے بندے اور میرے رسول ہیں میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے آپ نہ زبان کے سخت ہیں اور نہ دل کے سخت اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے ہیں

---

(44) قولہ: حرزا للأميين. امیین سے مراد امت ہے، اور امت کو یہ نام اس لئے دیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں۔ اور اس مقام کے لحاظ سے یہ معنی اور یہ وجہ زیادہ مناسب ہے اور یہ ساری امت کو شامل ہے اور اس میں یہود کے خیال کا جو وہ کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاص عرب کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں اس کا رد ہے، اور علاوہ ازیں کسی چیز کے ذکر سے اس کے ماسوا کی نفی نہیں ہوتی، جب کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۤفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا". (34۔سورۃ سبأ، آیت نمبر:28) اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لئے بھی میری اتباع کے سوا کوئی گنجائش نہیں تھی۔ علامہ ابن الملک نے فرمایا حرز (پناہ) سے مراد قوم کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا عذاب آنے سے حفاظت ہے یا جب تک آپ ان میں ہیں عذاب سے ان کی حفاظت مراد ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ". (8۔سورۃ الانفال، آیت نمبر:33) اللہ جب تک آپ ان میں ہیں عذاب نہیں دے گا۔(مرقات)۔

اور آپ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور لیکن معاف کر دیتے اور مغفرت کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو وفات نہیں دیگا یہاں تک کہ آپ کے ذریعہ بگڑی ہوئی ملت کو ٹھیک کر دیگا(45)، یہاں تک کہ لوگ کلمہ **لَا اِلٰہ الا اللّٰہ** پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھیں بہرے کان اور بند دلوں کو کھول دیگا۔ (بخاری)۔

35/7201۔حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ توریت میں سے بیان کرتے ہیں فرمایا: ہم لکھا ہوا پاتے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، میرے بندے ہیں مختار ہیں، سخت زبان نہیں ہیں، اور سخت دل نہیں ہیں اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں ہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے اور لیکن معاف کر دیتے ہیں، اور بخش دیتے ہیں آپ کا مقام پیدائش مکہ ہے اور آپ کی ہجرت طیبہ میں ہے، اور آپ کی حکومت ملک شام میں بھی ہے اور آپ کی امت حمّادون ہے جو راحت و تنگی ہر حالت میں اللہ کی تعریف کریں گے، اور ہر درجہ میں اللہ کی تعریف کریں گے اور ہر بلندی پر اللہ کی تکبیر کریں گے۔ وہ سورج کے اوقات کی رعایت کرنے والے ہیں جب نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھیں گے(46)، اور اپنی کمر پر تہبند باندھیں گے اور اپنے ہاتھ پاؤں کو دھو کر وضو کریں

---

(45) **قولہ: حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء** علامہ قاضی نے فرمایا اس سے ابراہیم علیہ السلام کی ملت مراد ہے، کیونکہ وہ زمانہ فطرت میں بگڑ گئی تھی، اور اس میں کہیں زیادتی اور کہیں کمی کر دی گئی اور اس میں تغیر و تبدل کر دیا گیا تھا، اور وہ اسی بگڑی حالت میں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی آپ نے اس کو ٹھیک کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو ٹھیک کر دیا اور ہمیشہ کے لئے ٹھیک کر دیا۔ (مرقات)۔

(46) **قولہ: یصلون الصلوۃ اذا جاء وقتھا.** بظاہر اس کے معنی جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا ہر نماز کو اول وقت پڑھنا مستحب ہے مگر بعض نمازوں کو تاخیر سے پڑھنا مستحب ہونے کی ہماری جو روایات ہے وہ مطلق تعجیل کے خلاف ان پر حجت ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب وہ ہے جو صاحب مرقات نے کہا ہے **یصلون الصلوۃ اذا جـــاء وقتھـــا** جب نماز کا وقت آجائیگا وہ نماز پڑھیں گے، یہ نیا جملہ ہے مضمون سابق کی علت ہے یعنی اوقات کا خیال رکھیں گے، اور سورج کی رفتار کو دیکھتے رہیں گے اس سے نماز کے اوقات کو معلوم کریں گے تاکہ کوئی نماز وقت میں چھوٹنے نہ پائے۔ (تم اسکو غور کرو)

گے اور بلند فضا میں ان کے مؤذن اذان دیں گے ان کی صفیں جنگ میں اور نمازوں میں برابر ہوں گی، اور راتوں میں شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح ان کی گنگناہٹ ہوگی ۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں، امام دارمی نے تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اس کی روایت کی ہے ۔ (مصابیح، دارمی) ۔

36/7202 ۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ توراۃ میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی صفت لکھی ہوئی ہے(47)، اور (وہ) یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن ہوں گے اور ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ حجرہ مبارکہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے(48) ۔ (ترمذی) ۔

37/7203 ۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ کیسے جانے کے آپ نبی ہیں یہاں تک کہ آپ کو یقین ہوگیا تو آپ نے فرمایا اے ابوذر میرے پاس دو فرشتے آئے اور میں مکہ کی وادی بطحاء کے ایک حصہ میں تھا ان میں

---

(47) قولہ: مکتوب فی التوراۃ. ترکیب میں یہ خبر مقدم ہے، اور صفۃ مُحمّد مبتداء ہے، صفت سے مراد آپ کی نعت شریف ہے، اور عیسیٰ بن مریم یدفن معہ (عیسی بن مریم آپ کے بازو میں دفن کئے جائیں گے) اس جملہ کا صفۃ محمّد پر عطف ہے یعنی اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہوں گے ۔ (مرقات) ۔

(48) قولہ: وقد بقی فی البیت. یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے، اور حضرت شیخ جزریؒ نے فرمایا ہم کو یہ بات بہت سے ان حضرات نے بیان کی ہے جو حجرہ میں داخل ہوئے ہیں، اور تین قبور کو اس طور پر دیکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقدم ہیں اور حضرت ابوبکر آپ سے ذرا ہٹ کر ہیں ان کا سر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے پاس ہے اور اسی طرح حضرت عمرؓ آپ سے ہٹ کر ہیں اور حضرت عمرؓ کا سر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پائے مبارک کے پاس ہے اور حضرت عمرؓ کے بازو میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے اور حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین میں قیام کے بعد حج کریں گے، اور واپس ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان انتقال فرمائیں گے آپ کو مدینہ منورہ لایا جائیگا اور حجرۂ مبارکہ میں حضرت عمرؓ کے بازو دفن کئے جائیں گے ۔ پس یہ دونوں بزرگ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دو عظیم پیغمبران علیہما الصلوۃ والسلام کے ساتھ قیامت تک ان کے درمیان میں ساتھ رہیں گے ۔ (مرقات) ۔

سے ایک زمین کی طرف آیا اور دوسرا آسمان وزمین کے درمیان رہا، اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہ وہی ہیں تو اس نے کہا ہاں، اس نے کہا ان کو ایک شخص سے تولو، مجھے اس سے تولا گیا تو میں اس پر بھاری ہوگیا، پھر اس نے کہا دس اشخاص سے تولو، مجھے ان سے تولا گیا تو میں ان پر بھی بھاری ہوگیا پھر اس نے کہا سو (100) سے تولو، تو مجھے ان سے تولا گیا تو میں ان پر بھی بھاری ہوگیا پھر اس نے کہا ہزار (1000) سے تولو، میں ان سے تولا گیا تو میں ان پر بھی بھاری ہوگیا، گویا میں ان کو دیکھ رہا ہوں ان کا پلہ ہلکا ہوجانے سے وہ مجھ پر گر رہے ہیں(49)۔ تو ان دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا اگر تم ان کو ان کی ساری امت سے بھی تولتے تو وہ ان پر بھاری ہوجاتے(50)۔ (دارمی)۔

38/7204۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر قربانی فرض کی گئی ہے اور تم پر فرض نہیں کی گئی، اور مجھے صلوۃ ضحٰی کی

---

(49) قولہ: ینتثرون. کی ضمیر فاعل سے مراد وہ ہزار ہیں جو تولے گئے، اس پلّہ کے ہلکے اوپر اٹھ جانے کی وجہ سے وہ مجھ پر گر رہے ہیں۔ اور اس حدیث شریف میں آپ کی نبوت کی معرفت پر معجزات کے ذریعہ استدلال ہے، اور حق بات یہ ہے کہ آپ کے نبی ہونے کا علم بدیہی طور پر آپ کے قلب اطہر میں ہوا ہے، اور یہ خوارق اس کی تاکید و تائید کے لئے ہیں۔ سوال کا مقصد یہ تھا کہ دنیا میں آپ کی معرفت کا ذریعہ کیا تھا۔ جواب کا مقصد اصلی بھی یہ بتانا ہے کہ آج کے دن اس کی معرفت کا ذریعہ یہ تھا۔ (ورنہ آپ کو تو ابتداء آفرنیش سے ہی اپنی نبوت کی معرفت حاصل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہا جاتا ہے آپ کی سیرت تورات میں مذکورہ سیرت کے مطابق ہے۔ (لمعات)۔

(50) قولہ: لو وزنتہٗ بامتہ لرجحھا. (اگر تم آپ کو آپ کی پوری امت سے تولتے تو بھی آپ بھاری ہوجاتے)۔ علامہ طیبی نے فرمایا: امت کے لئے جس طرح نبی کے صداقت کی معرفت کے واسطے نبی کی طرف سے معجزات اور خوارقِ عادات کے اظہار کی ضرورت ہے تو نبی کو بھی معرفت کا نظارہ کرنے کیلئے اس جیسے خوارق ومعجزات کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے جو سوال کیا تھا " رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی"۔ (2۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:260) پروردگار! تو مجھے دکھادے تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے، آپ کے اس سوال پر جو مشہور اعتراض مذکور ہے تو یہ جواب اس کا بھی جواب ہوسکتا ہے، یعنی آپ اس کا نظارہ کرنا چاہتے تھے۔ (مرقات)۔

نماز کا حکم دیا گیا ہے، اور تم کو اس کا حکم نہیں دیا گیا۔ (دارقطنی)۔

اور یہ حدیث شریف دوسری سندوں سے بھی مروی ہے، اور ہر حالت میں ضعیف ہے۔

39/7205۔ اور ابن ماجہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے پاس گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ دے تو ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ اور امام حاکم نے اسکی تخریج کی ہے اور فرمایا اسکی سند صحیح ہے، اور اس جیسی وعید واجب کہ سوا کسی دوسری چیز کے چھوڑنے پر نہیں آتی۔

40/7206۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھی اور میں اسکو پڑھتی ہوں۔

41/7207۔ اور بخاری کی ایک روایت میں مؤرق سے روایت ہے آپ نے کہا میں نے عبداللہ بن عمر سے کہا کیا آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا نہیں، تو میں عرض کیا: عمر پڑھتے ہیں؟ تو کہا نہیں، ابوبکر پڑھتے ہیں، تو کہا نہیں؟ میں عرض کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے ہیں؟ تو اس نے کہا میں یہ بھی نہیں سمجھتا (51)۔

---

(51) قوله: لا إخاله. علامہ عینی رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا: عبداللہ بن عمر نے جو نفی کی ہے اس سے نمازِ چاشت کی مطلق نفی نہیں ہے بلکہ اس پر مدوات کی نفی ہے، یعنی ہمیشہ پابندی سے پڑھنے کی نفی ہے۔ اسکی مثال حدیث عائشہؓ میں موجود ہے ایک حدیث میں وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھی اور اس کے ساتھ مسلم میں حضرت عائشہؓ سے حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت چاشت کے پڑھتے تھے۔ جس حدیث میں نفی ہے اس سے مراد مداومت کی نفی ہے، جیسا کہ کتاب خلاصہ میں علامہ نووی نے علماء کرام سے نقل کیا ہے، حضرت عائشہؓ کا قول ''مارأيته يسبح سبحة الضحى'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت نہیں کی بلکہ آپ اس کو بعض اوقات میں پڑھے ہیں اور بعض اوقات اس اندیشہ سے کہیں فرض نہ ہو جائے چھوڑے بھی ہیں اور پھر انہوں نے کہا کہ اس طرح تمام احادیث میں جمع کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے

علامہ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چاشت کی نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی، مگر حضرت عائشہ اور موَرق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے اس کا رد ہوتا ہے، اور کہا گیا ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ مگر اس قول کو بھی رد کیا گیا ہے کہ یہ کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ ختم ہوا۔

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) صاحبِ درمختار نے کہا ہے قول صحیح کے مطابق چاشت کی نماز میں چار اور چار سے زائد رکعات مستحب ہیں۔ اور رد المحتار میں ہے کہ قول راجح یہ ہے کہ یہ نماز مستحب ہے جیسا کہ اصحاب غزنویہ، حاوی، شرعۃ مفتاح اور تبیین وغیرہ نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ نماز مستحب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ بخاری شریف میں ابن عمر کے انکار کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نماز مستحب نہیں ہے (اسماعیل) اور شرح منیہ میں اس کے مستحب ہونے کے دلائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ (شرح المنیہ)۔

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

(18/251) بَابُ أَسْمَاءِ النَّبِيّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصِفَاتِهٖ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ اور آپ کی صفات کا بیان

1/7208۔حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوں کہ میرے لئے بہت نام ہیں۔ میں محمد(1) ہوں، میں

---

(1) **قولہ: أنا محمد (صلی الله علیه وسلم).** یہ وزن تکثیر اور مبالغہ کے لئے ہے، جیسے **فتحت الباب فهو مفتح** (میں دروازہ کھولا تو وہ خوب کھل گیا) جب تم بار بار کوئی عمل کرو تو یہ صیغہ بولا جاتا ہے۔اور صیغہ محمد اسم منقول ہے تفاؤل خیر کے طور پر ہے کہ آپ کی حمد کثرت سے کی جاتی رہے گی۔

میں کہتا ہوں کہ اس سے جو چیز مقصود اور پوشیدہ تھی وہ ظاہر میں بھی پوری ہوئی مقام محمود میں لواء حمد کے تلے اولین اور آخرین سب آپ کی تعریف کرتے رہیں گے۔اور آپ کا ارشاد کہ میں احمد ہوں، یہ صیغہ حمد سے اسم تفضیل ہے اور اسم فاعل کے معنی میں ہے، مبالغہ کے لئے اس کا متعلق حذف کردیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ پر ایسے ایسے محامد الہام کریگا جو اولین و آخرین میں سے کسی پر الہام نہیں کیا، اصل میں **احمد من کل حامد** ہے یعنی میں ہر حمد کرنے والے سے بڑھ کر حمد کرنے والا ہوں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح صفت **محبیت** ومحبوبیت اور صفت مریدیت ومرادیت کے جامع ہیں اسی طرح صفت حامدیت اور محمودیت کے بھی جامع ہیں۔ آپ جس طرح محبّ ومحبوب، مرید اور مراد ہیں اسی طرح حامد ومحمود بھی ہیں)۔

قولہ: أنا الماحي: اور آپ کا ارشاد کہ میں ماحی ہوں (میں کفر مٹانے والا ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں مبعوث ہوئے دنیا پر کفر کے بادل چھائے ہوئے تھے، دنیا کفر کی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی، آپ چمکتا ہوا نور لیکر تشریف لائے، یہاں تک کہ کفر کو مٹادیا۔اور ایک دوسری حدیث شریف میں تفصیل سے آیا ہے آپ ماحی ہیں یعنی جو شخص بھی آپ کی اتباع کریگا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور مٹادیئے جائیں گے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ". (8۔سورۃ الانفال، آیت نمبر:38) آپ کافروں سے فرمادیجئے اگر وہ باز آجائیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کردیئے اور مٹادیئے جائیں گے۔

احمد ہوں، میں ماحی ہوں، اللہ میرے ذریعہ کفر کو مٹاتا ہے، اور میں حاشر ہوں لوگ میرے قدموں پر جمع کئے جائیں گے اور میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں ۔(متفق علیہ)۔

2/7209۔حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے اپنے نام ذکر کرتے تو فرماتے میں محمد، احمد، مقفّی (2)، حاشر اور نبی توبہ و نبی رحمت ہوں ۔(مسلم)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) قولہ: انا الحاشر (میں جمع کرنے والا ہوں) شرح السنہ میں ہے سب سے پہلے میں اٹھایا جاؤں گا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: انا اول من تنشق عنه الأرض. سب سے پہلے میری قبر کھلے گی۔ امام نووی فرماتے ہیں اس کے معنیٰ یہ ہے کہ لوگ میرے پیچھے اٹھیں گے یہ سب میری نبوت کے آخر میں اٹھائے جائیں گے، کیونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ امام طیبی کہتے ہیں حاشر میں حشر کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مجازی ہے کیونکہ جب تک آپ قبر شریف سے نہیں اٹھائے جائیں گے لوگ اٹھائے نہیں جائیں گے۔
قولہ: انا العاقب الخ: میں عاقب (آخر میں آنے والا نبی) ہوں متن میں عاقب کی جو شرح ہے وہ کسی صحابی کی یا ان کے بعد والے، یا کسی دوسرے صاحب کی شرح ہے اور شارح مسلم لکھتے ہیں: علامہ ابن عربی نے فرمایا: عاقب سے مراد وہ ہیں جو خیر میں اپنے سے پہلے والوں کا جانشین ہو۔ اسی سے کہا جاتا ہے عقب الرجل لولدہٖ۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

(2) قولہ: المقفّی. (سب سے پہلے اور سب سے آخر میں آنے والا) یہ نام مبارک ف کو زیر اور تشدید کے ساتھ، اسم فاعل ہے، آخر میں آنے والے، یعنی آپ خاتم النبیین ہیں جو تمام انبیاء کے آخر میں آئے ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ارشاد: "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِه". (6۔سورۃ الانعام، آیت نمبر:90) "آپ ان کی ہدایت کی اقتداء کیجئے" کے مطابق ان کے نشان قدم کے مطابق چلنے والے۔
قولہ: نبی التوبة. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توّاب ہیں یعنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں رجوع کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اِنّی أستغفر الله فیی الیوم سبعین مرة أومائة مرة" میں دن میں ستر یا سو مرتبہ اللہ کی جناب میں استغفار کرتا ہوں۔ یا اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ سابقہ امتوں کے برخلاف آپ کی امت کے گناہوں کو صرف استغفار کرنے سے معاف کر دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا". (4۔سورۃ النساء، آیت نمبر:64) وہ جب ظلم کئے اگر آپ کی خدمت میں آئیں اور اللہ کی جناب میں

3/7210۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:یقیناًمیں اللہ کا ہدیہ رحمت ہوں(3)۔(دارمی ،بیہقی ،شعب الایمان)۔

4/7211۔اوران ہی سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے برا کہنے اور ان کی لعنت کرنے کو کس طرح مجھ سے پھیر دیا۔ وہ تو کسی مذمم اور برے گالیاں دیتے اور کسی برے پر لعنت بھیجتے ہیں، اور میں تو محمد (قابل تعریف بہت لائق ستائش) ہوں۔ (بخاری)۔

5/7212۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دودانتوں کے درمیان کشادگی تھی جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے دندان مبارک کے درمیان سے نور نکلتے ہوئے دکھائی دیتا(4)۔(دارمی)۔

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) استغفار کریں اور ان کے لئے رسول بھی استغفار کریں تو اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحم کرنے والا پائیں گے۔اور یہ بات آپ کے ساتھ خاص ہے اس لئے آپ کا نام نبی التوبہ رکھا گیا اور آپ اس لئے بھی نبی التوبہ ہیں کہ آپ کے دست مبارک پر اسقدر خلقت نے توبہ کی ہے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسقدر تائب نہیں ہوئے۔یا آپ اس لئے بھی نبی التوبہ ہیں کہ آپ کی برکت سے اور آپ کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام کی توبہ قبول کی۔(ماخوذ از: مرقات ولمعات)۔

(3) **قولہ: انا رحمة مُهداة**۔اس میں میم کو پیش ہے یعنی میں یقیناً سارے جہانوں کے لئے اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف بھیجا ہے، جو شخص اس کو قبول کرے گا وہ کامیاب اور ظفر مند ہوگا، اور جو اس کو قبول نہیں کریگا وہ ناکام اور نامراد رہیگا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ". (21۔سورۃ الانبیاء، آیت نمبر:107)اور ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(مرقات)۔

(4) **قولہ: يخرج من بين ثناياه**. (آپ کے دندان مبارک کے درمیان سے نکلتا) یا تو اس سے آپ کا نورانی کلام مراد ہے یا کوئی زائد چیز ہے جس کا وجدانی ذوق ہی ادراک کرسکتا ہے اور دونوں بھی جمع ہوسکتی ہیں اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔(مرقات)۔

6/7213۔حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خوشی ہوتی تو چہرۂ انور ایسا دمکتا گویا آپ کا چہرۂ انور چاند کا ٹکڑا ہے اوراس بات (5) کو ہم جان لیتے تھے۔ (متفق علیہ)۔

7/7214۔حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے فرمایا: چاندنی کی چودھویں رات میں (6) میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور چاند کی طرف دیکھنے لگا، اس وقت آپ پر سرخ رنگ کا جوڑا تھا، آپ میرے پاس چاند سے زیادہ حسین تھے۔ (ترمذی، دارمی)۔

8/7215۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسی حسین کوئی چیز نہیں دیکھی گویا سورج آپ کے چہرہ میں دوڑ رہا ہے۔اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سا تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا (7) گویا زمین آپ کے لئے لپیٹ دی جارہی ہے ہم اپنی جانوں کو مشقت میں ڈالتے تھے اور آپ بغیر کسی مشقت کے کر دیتے تھے۔(ترمذی)۔

---

(5) قولہ: کنا نعرف ذلک. (ہم اسکو جانتے تھے) یعنی یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی یا یہ مطلب ہے کہ یہ بات میرے ساتھ ہی خاص نہیں تھی بلکہ ہم میں سے ہر ایک اس کو جان لیتا تھا۔(مرقات)۔

(6) قولہ: لیلة اضحیان. (چاندنی کی چودھویں کی رات) ایک شارح نے فرمایا: چودھویں روشن رات جس میں بادل نہ ہوں۔

قولہ: فجعلت انظر الی رسول الله صلی الله علیه وسلم و الی القمر (میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور چاند کو دیکھنے لگا، یعنی ان دونوں کے درمیان ظاہری حسن میں ترجیح دینے کے لئے دیکھنے لگا کہ کون حسین نظر آتے ہیں۔(مرقات)۔

(7) قوله: ما رأیت احدا أسرع فی مشیه من رسول الله صلی الله علیه وسلم. (میں کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سا تیز رفتار نہیں دیکھا) آپ ہمیشہ اپنے وقار وسکون کے ساتھ میانہ روی کی رفتار چلتے تھے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہوتے ہوئے چلتے تھے۔ واقصد فی مشیک آپ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کریں۔(مرقات)۔

9/7216۔حضرت ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے فرمایا: میں نے ربیع بنت معوذ بن عفراء سے کہا آپ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان فرمائیں تو وہ بیان کئے: اے میرے پیارے بچے اگر تم آپ کو دیکھتے تو چمکتا ہوا سورج دیکھتے۔(دارمی)۔

10/7217۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک اور ریش مبارک کے سامنے کے بال پک گئے تھے(8)، اور جب آپ تیل لگاتے تو وہ ظاہر نہیں ہوتے تھے، جب آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوتے تو وہ ظاہر ہوجاتا اور آپ کی داڑھی کے بال گھنے تھے، ایک صاحب نے کہا آپ کا چہرہ انور تلوار کے مثل تھا تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ وہ سورج اور چاند کے مثل تھا اور گولائی لئے ہوئے تھا اور آپ کے شانہ کے پاس مہر نبوت کو میں نے کبوتر کے انڈے کے مثل دیکھا جو آپ کے جسم مبارک کے مشابہ ہم رنگ تھا۔(مسلم)۔

11/7218۔حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جب میں آپ کے ساتھ جب روٹی، گوشت اور ثرید کھایا اور آپ کے پیچھے چکر لگایا تو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھا(9) یہ آپ کے بائیں شانہ کی نرم ہڈی کے پاس

---

(8) قولہ: قد شمط. یعنی سفید ہوگئے تھے، فارسی میں اس کے معنی ہیں بال پک گئے تھے۔اور وکان مستدیرا کے معنی مائلا الی التدویر ہے یعنی گولائی کی طرف مائل تھے۔کیونکہ آپ کے شمائل وحلیۂ مبارکہ میں روایت ہے:"انه لم یکن مکلثم الوجه" آپ گول چہرے کے نہیں تھے۔(مرقات)۔

(9) قولہ: عندنا غض کتفه الیسری. اکثر روایات میں دونوں شانوں کے درمیان مذکور ہے۔علامہ تورپشتی نے فرمایا: ان دو اقوال میں کوئی اختلاف وتناقض نہیں ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ انہوں نے اسکو اسی طرح پایا اور وہ جو بین کتفیہ یعنی دو کندھوں اور شانوں کے درمیان کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں طرف سے برابر بیچ میں تھا بلکہ دونوں جانب میں سے ایک جانب تفاوت اور فرق تھا، یا دونوں جانب سے برابر تھا مگر ان کو ایسا خیال ہوا کہ بائیں جانب کی طرف نسبتاً قریب ہے، اور جس روایت میں سیدھی جانب کے قریب مذکور ہے اس کا مطلب بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے۔(مرقات)۔

مٹھی کے مثل تھا(10) اس پر پھُر پھُریوں کے مثل تل تھے۔(مسلم)۔

12/7219۔حضرت اُمِّ خالد بنت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمائیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے اس میں ایک چھوٹی کالی چادر تھی(11) تو فرمایا میرے پاس ام خالد کو لاؤ تو ان کو اٹھا کر لایا گیا آپ نے اپنے ہاتھ سے اس چادر کو لیا اور ان کو پہنا دیا(12) اور فرمایا **ابلی واخلقی** (پرانے ہونے اور پھٹنے تک پہنو) **ثم ابلی واخلقی** (پرانے ہونے اور پھٹنے تک پہنو) اور اس میں ہرا یا زرد نشان تھا اور فرمایا اے ام خالد یہ بہتر ہے اور سناہ کے معنی حبشی زبان میں اچھا اور بہتر، وہ کہتی ہیں میں مہر نبوت سے کھیلنے لگی تو میرے والد نے مجھے ڈانٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو چھوڑ دو۔(بخاری)۔

13/7220۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت طویل نہیں تھے اور پست قد بھی نہیں تھے(13) اور نہ بہت سفید تھے اور نہ گندمی رنگ کے

---

(10) **قولہ: جُمعا.** لفظ جمعا جیم کو پیش اور میم کو جزم سے، انگلیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ملانا، یعنی مٹھی، جیسے کہا جاتا ہے: "**ضربه بجمع كفه**" میم کو پیش کے ساتھ یعنی اسکو اپنی ہتھیلی کی مٹھی سے مارا۔ اور ہوسکتا ہے یہاں مہر نبوت کی یہ تشبیہ اس کی شکل وہیئت میں ہو اور مقدار میں ہو اور یہاں ہیئت میں تشبیہ مراد ہے، کیونکہ اس میں مثل بیضۃ الحمام کبوتر کے انڈے کی تشبیہ سے موافقت ہوجاتی ہے۔(مرقات)۔

(11) **قولہ: فيها خميصة.** علامہ مظہر نے کہا ہے کہ ان میں سے ایک کالی چوکور چادر تھی اور اس میں نقش ونگار تھا۔ اور لفظ سوداء بطور تاکید یا بطور تجرید کے ہے۔ اور **قولہ تحمل** اس کو اٹھا کر لایا گیا یہ **بها** کی ضمیر سے حال ہے۔ وہ چھوٹی تھی اس لئے اس کو اٹھا کر لایا گیا۔(مرقات)۔

(12) **قولہ: فالبسها.** (آپ نے اس کو پہنا دیا) حضرت شیخ صمدانی شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عوارف میں اشارہ کیا ہے کہ حضراتِ مشائخ صوفیہ کے خرقہ پہنانے کی دلیل یہ حدیث شریف ہے۔ میں کہتا ہوں ہوسکتا ہے اس سے آپ کی مراد خرقہ اجازت نہیں بلکہ بطور تبرک خرقہ پہنانا ہو۔(مرقات)۔

(13) **قولہ: ليس بالطويل البائن الخ.** خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آپ میانہ قد کے مائل بہ درازی تھے۔ اور **ليس بالطويل البائن** میں لفظ بائن سے بہت زیادہ لمبے ہونے کی نفی کی گئی ہے مطلق لمبائی کی نفی نہیں ہے بلکہ آپ مائل

تھے اور چھلہ دار بال والے بھی نہیں تھے اور لمبے بال والے بھی نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا اور آپ مکہ میں دس سال رہے (14) اور مدینہ میں دس سال رہے اور اللہ نے آپ کو ساٹھ (60) سال میں وفات دی اور آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

14/7221۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: کہ آپ قوم میں میانہ قد تھے، طویل قد نہیں تھے اور پست قد بھی نہیں تھے، روشن قد تھے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلف مبارک دونوں کانوں کے نصف حصہ تک تھے (15)۔

15/7222۔ اور ایک روایت میں ہے وہ آپ کے دونوں کانوں اور شانوں کے درمیان

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) بہ درازی تھے، پست قد بھی نہیں تھے۔ بغیر کسی قید کے پست قد کی نفی بہت لمبائی کے مقابلہ میں ہے، یعنی آپ میانہ قد تھے، چنانچہ ایک روایت میں صراحت ہے انہ ربعة الی الطول ۔ آپ میانہ قد مائل بہ درازی تھے، اور آپ اپنی ذاتِ مبارکہ میں میانہ قد مائل بہ درازی تھے کوئی دراز آدمی آپ کے برابر میں آجاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبائی میں اس سے بڑے نظر آتے تھے۔ اور **قولہ ولیس بالجعد**. یعنی آپ کے زلف مبارک زیادہ چھلہ دار نہیں تھے اور نہ بالکل سیدھے لمبے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی زلف ان دونوں کے مابین درمیانی خوبصورت تھی۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(14) **قولہ: فأقام بمكة**۔ یعنی بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں دس (10) سال رہے لیکن درحقیقت آپ اس میں تیرہ (13) سال رہے اور ایک قول پندرہ (15) سال کا بھی ہے اور یہیں سے آپ کی عمر شریف کے بارے میں اختلاف رونما ہوا اور علماء نے فرمایا ہے کہ جن حضرات نے دس سال کہا تو انہوں نے دہائی کو لیا اور کسر کو چھوڑ دیا ہے، اور جن حضرات نے پندرہ (15) سال کہا تو انہوں نے ولادت اور وفات کے دو الگ الگ مستقل سال شمار کئے۔ (غور کرو) (لمعات)۔

(15) **قولہ: الی انصاف أذنيه**. (آپ کے زلفِ مبارک دونوں کانوں کے نصف حصہ تک تھے) صاحب مجمع البحار نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسو مبارک کی مقدار میں روایات کا اختلاف دراصل مختلف اوقات کی وجہ سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بالوں کو کم کرنے میں کچھ تاخیر فرماتے تو وہ شانوں کو چھوتے تھے اور جب آپ ان کو کم کرتے تو کانوں تک ہو جاتے تھے۔ (لمعات)۔

تک تھے۔(متفق علیہ)۔

16/7223۔اور بخاری کی ایک روایت میں ہے آپ کا سر مبارک عظیم اور دونوں قدم گوشت سے بھر پور تھے۔میں آپ کے جیسا نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا اور آپ کی دونوں ہتھیلیاں کشادہ تھیں(16)۔

17/7224۔اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ کے دونوں قدم اور دونوں ہتھیلیاں پر گوشت تھے۔

18/7225۔حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے(17) اور آپ کے دونوں شانوں کے درمیان کا فاصلہ زیادہ تھا،آپ کے گیسو آپ کے دونوں کانوں کی لو کو چھوتے تھے۔میں نے آپ کو سرخ جوڑے میں دیکھا(18) اور آپ

---

(16) **قوله: وكان سبط الكفين**۔یعنی دونوں ہتھیلیاں کشادہ تھیں،انگلیوں کے پور پُر گوشت اور لمبے تھے۔

(17) **قوله: مربوعا**. یعنی تقریباً میانہ قد تھے۔فی الحقیقت آپ اس سے بھی لمبے تھے،قولہ بعید ما بین المنکبین ،دونوں شانوں کے درمیان کا فاصلہ زیادہ تھا۔

لفظ **بعید** ب کو فتحہ کے ساتھ مکبر اور ب کو پیش کے ساتھ مصغر بھی ہے۔(یعنی تھوڑا زیادہ فاصلہ)اور ''دال'' کو زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت کان کی خبر دوم ہے۔اور پیش کی صورت میں مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: له شعر بلغ شحمة أذنيه (آپ کے گیسو دونوں کانوں کی لو تک چھوتے تھے) یعنی کانوں کی لو کو تھے۔ اور ابن ماجہ اور ترمذی باب الشمائل میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے آپ کے گیسو جُمّہ سے کم اور وَفرہ سے زیادہ تھے،جُمّہ وہ گیسو ہیں جو شانوں پر لٹکتے ہوں اور وَفرہ وہ گیسو ہیں جو کان کی لو تک ہوتے ہیں، اوران روایات میں اختلاف حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔

(18) **قوله: رأيته في حلة حمراء.** (آپ کو میں سرخ جوڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا ہوں) علامہ ابن مالک نے کہا ہے کہ سرخ لباس سے مراد اس میں سرخ دھاریاں تھیں۔علامہ ابن ہمام نے فرمایا اس میں مراد یمن کے ایسے دو کپڑے مراد ہیں جس میں سرخ اور سبز دھاریاں ہوتی ہیں۔یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل سرخ رنگ کے تھے۔اور علامہ قسطلانی نے فرمایا: یہ دھاریاں دار لباس تھا۔اور علامہ میرک نے فرمایا جو حضرات سرخ لباس جائز قرار دیتے

کے جیسا حسین تو میں کبھی نہیں دیکھا۔(متفق علیہ)۔

19/7226۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے میں نے شانوں کے قریب زلفوں والے سرخ جوڑا پہنے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سا کوئی حسین نہیں دیکھا۔آپ کے گیسو مبارک آپ کے دونوں شانوں کو چھوتے تھے(19)،آپ کے دونوں شانوں کے درمیان کا فاصلہ لمبا تھا آپ نہ لمبے تھے اور نہ پست قد تھے۔(مسلم)۔

20/7227۔حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ سفید نوری رنگت اور ملاحت والے میانہ قد کے تھے(20)۔(مسلم)۔

21/7228۔حضرت سماک بن حرب حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کرتے ہیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک کشادہ تھا، دونوں آنکھیں دراز تھیں، اور دونوں ایڑیاں چھریری (پتلی) تھیں، سماک سے پوچھا گیا **ضلیع الفم** کے کیا معنیٰ ہیں تو فرمایا: **عظیم الفم** کشادہ دہن والے اور پوچھا گیا **اشکل العینین** سے مراد کیا ہے، تو فرمایا: آنکھوں کی شق طویل تھی (دراز آنکھیں تھیں(21))اور پوچھا گیا **منھوش العقبین** کے کیا معنیٰ ہیں تو بتایا ایڑی چھریری اور

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) ہیں ان کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے ظاہری معنی (خالص سرخ لباس) بھی لئے جائیں تو تب بھی سرخ لباس جائز ہونے کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہو یا یہ سُرخ لباس کی ممانعت کے حکم سے پہلے کا واقعہ ہو، یا بیان جواز کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔اسی صورت میں حرام نہیں بلکہ مکروہ (تنزیہی) ہوگا۔(مرقات)۔

(19)**قولہ:ذی لمۃ** ۔(شانوں تک گیسو والے) لمہ لام کو کسرہ ''زیر'' اور میم کو تشدید کے ساتھ۔نھایہ میں ہے لمہ (بالوں کا کانوں تک ہونا) یہ جمّہ سے کم ہوتا ہے اسکو لمہ اسلئے کہا جاتا ہے یہ بال شانوں تک لٹکتے ہیں۔(مرقات)۔

(20) **قولہ: مقصَّدا**. ص کو زبر اور تشدید کے ساتھ (اسم مفعول) یعنی متوسط اور میانہ قد تھے اور کتاب نہایہ میں ہے۔ **مقصد** کا مطلب یہ ہے کہ آپ لمبے بھی نہیں تھے پست قد بھی نہیں تھے اور موٹے (بھدے) بھی نہیں تھے گویا ہر چیز میں میانہ ساخت تھے، ہر چیز میں اعتدال تھا افراط وتفریط میں کسی جانب بھی مائل اور جھکے ہوئے نہیں تھے۔

(21) **قولہ:ما اشکل العینین الخ** ۔ علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ حضرت سماک نے اشکل العینین کی جو تفسیر اور

پتلی تھی۔(مسلم)۔

22/7229۔حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پنڈلیوں میں لطافت تھی(22)،اور آپ ہنستے نہیں بس مسکراتے تھے(23)۔جب میں آپ کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ آپ دونوں آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ سرمہ نہیں لگائے تھے۔(ترمذی)۔

23/7230۔حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرماتے تو فرماتے آپ نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ بہت پست قد، آپ قوم میں میانہ قد تھے(24)،اور آپ نہ بالکل چھلہ دار بال والے تھے، اور نہ بالکل لمبے بال

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وضاحت کی ہے یہ ان کا وہم ہے،اور غلط ہے،اس کے صحیح معنیٰ وہ ہیں جس پر علماء کا اتفاق ہے، اور اس معنیٰ کو حضرت ابوعبیدہ اور الفاظ غربیہ کی شرح کرنے والے تمام حضرات نے نقل کیا ہے۔شکلہ کا مطلب یہ ہے کہ آنکھ کی سفیدی میں سرخ ڈورے ہوں (سفیدی مائل بہ سرخی) اور یہ خوبصورتی قابل تعریف ہے۔(مرقات)۔

(22) **قولہ: حُمُوشة.** حاء اور میم دونوں کو پیش ہے یعنی لطافت اور نظافت اور یہ آپ کے تمام اعضاء مبارکہ کے مناسب اور ان میں مناسبت تھی۔(مرقات)۔

(23) **قوله: وكان لا يضحك الا تبسما** ۔ آپ ہنستے نہیں صرف مسکرادیا کرتے۔یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے، بعض احادیث میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہنسے بھی ہیں یہاں تک کہ آپ کی کونچلیاں ظاہر ہوئیں، دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

قولہ: اكحل العينين وليس باكحل. (آپ کی دونوں آنکھیں سرگیں تھیں حالانکہ سرمہ نہیں لگاتے تھے) اس کا مطلب یہ ہے کہ میں جب آپ کو دیکھا تو ایسا خیال کیا کہ آپ اپنے چشم مبارک میں سرمہ لگائے ہیں، حالانکہ آپ سرمہ نہیں لگائے تھے، بلکہ آپ کی چشم مبارک میں خلقتاً سرمہ تھا یعنی دونوں خلقتاً سرگیں تھیں۔(مرقات)۔

(24) **قولہ المُمَّغِط.** پہلے میم کو پیش اور دوسرے میم کو تشدید اور فتحہ (زبر) اور غ معجمہ کو کسرہ (زیر) یہ مغط سے مشتق ہے اس کے معنی دراز۔صاحب جامع الاصول علامہ ابن اثیر کے قول کے مطابق یہ باب انفعال کا اسم فاعل ہے، یہ اصل میں منمغط (م ن م) تھا ن کو میم کی مطاوعت میں میم سے بدل دیا گیا پھر میم کا میم میں ادغام کیا گیا ممغط ہوا۔

قولہ المتردد. یعنی بہت پست قد کہ جسم کا ایک حصہ دوسرے حصہ میں پلٹ گیا ہوا اور آپس میں ایک دوسرے میں مل گیا ہو، اور اجزاء ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے ہوں ایسے نہیں تھے، یعنی پست قد نہیں تھے۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) قولہ: المطھم. ھ کوتشدیداورفتحہ (زبر) کے ساتھ یعنی بہت موٹا۔اوراس کے ایک معنی بہت دبلا، یہ لفظ لغت اضداد سے ہے (یعنی بہت موٹا بہت دبلا) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے ایک معنیٰ پھولا ہوا یعنی موٹا چہرہ۔

قولہ: المکلثم. ث کوزبر کے ساتھ بالکل گول چہرہ (یعنی آپ بالکل گول چہرہ نہیں تھے بلکہ آپ کا چہرۂ انور قدرے گولائی کی طرف مائل تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ کے چہرۂ انور میں قدرے گولائی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا چہرۂ انور گولائی اور لمبائی کے درمیان حسین تھا۔

وقولہ ادعج العینین. ایک شارح نے بیان کیا دونوں آنکھیں کشادہ طویل ہونے کے ساتھ گہری سیاہ پتلی کی تھی، اور کتاب النہایہ میں ہے دعج سے مراد آنکھ میں سفیدی کے ساتھ گہری سیاہی ہے۔

وقولہ اھدب الاشفار. طویل پلکیں تھیں۔

وقولہ جلیل المشاش. میم کوزبر کے ساتھ بڑی ہڈیوں والے جیسے دونوں کہنیوں، دونوں شانوں اور دونوں گھٹنوں کی ہڈیاں ہیں کہ ان کے سرے بڑے اور موٹے تھے۔

قولہ: الکتد. دونوں شانوں کے ملنے کی جگہ یعنی کندھا۔

قولہ: اجرد. یعنی وہ جس کے بدن پر بال نہ ہوں اس سے جسم کے اکثر حصہ پر بالوں کا نہ ہونا مراد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ اطہر کے بعض حصوں پر، جیسے سینۂ مبارک، کلائیوں اور پنڈلیوں پر بال تھے۔

قولہ: ذو مسربۃ. سے واضح ہے کہ اجرد سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ کے جسمِ اطہر پر بالکل بال نہیں تھے، اجرد کا لفظ اشعر کے مقابل میں ہے، اشعر یعنی جسکے پورے بدن پر بال ہوں، اور یہاں اجرد سے مراد یہ کہ آپ کے جسم اطہر کے بعض حصوں پر بال تھے۔ ہندوستان وغیرہ کے بعض تجربہ کار اصحاب کے پاس وہ شخص جس کے جسم پر اور خاص طور پر سینہ پر بال نہ ہوں وہ قابلِ تعریف نہیں ہے۔

قولہ: شثن الکفین و القدمین (دونوں ہتیلیاں اور قدم پُر گوشت مضبوط) یعنی دونوں ہتیلیاں اور دونوں قدم پر گوشت یعنی مضبوط تھے اس میں گرفت کی قوت اور ثابت قدمی ہوتی ہے اور اس سے گرفت و بہادری اور عبادت کرنیکی قوت کا پتہ چلتا ہے۔

قولہ: اذا مشی یتقلع. یتقلع (جب چلتے پاؤں اٹھا کر قوت سے چلتے) لام کوتشدید کے ساتھ (باب تفعل سے) پیروں کو یکے بعد دیگرے پوری قوت کے ساتھ بہادر انسان کی طرح اٹھاتے چلتے تھے ناز سے چلنے والوں کی طرح پاؤں کو نزدیک نزدیک ڈال کر نہیں چلتے تھے، کیونکہ یہ عورتوں کے چلنے کا طریقہ ہے۔

کانما یمشی فی صبب. کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسا چلتے تھے گویا نشیب میں اتر رہے ہیں اس میں اشارہ ہے، آپ قدم کی طرف جھک کر قوت سے چلتے تھے۔

والے، بلکہ کچھ خمدار بال تھے چہرہ انور نہ موٹا تھا اور نہ بالکل گول تھا، بلکہ آپ چہرۂ انور میں قدرے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) قولہ: اذا التفت. یعنی آپ جب اپنی کسی ایک جانب مُڑنا چاہتے تو پوری طرح مڑتے اور متوجہ ہوتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کن آنکھ سے نہیں دیکھتے تھے، اور اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے آپ جب کسی چیز کو دیکھتے تو سیدھے اور بائیں جانب اپنی گردن نہیں موڑتے تھے، کیونکہ اس طرح کی حرکت اوچھے اور ہلکے آدمی کی ہوتی ہے، آپ متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے اور جب پلٹتے تو پوری طرح پلٹتے تھے۔

قولہ: اجود الناس. سخی دل۔ لفظ اجود یا تو جود سے جیم کو زبر کے ساتھ مشتق ہے، اس کے معنی کشادہ اور وسیع ہونا، یعنی آپ وسیع قلب کے تھے، بیزار نہیں ہوتے تھے، اور امت کی طرف سے آپ کو جو تکلیف پہنچتی اور بدوی حضرات جو زیادتیاں کرتے تو اس پر تنگ دل نہیں ہوتے تھے۔ یا لفظ اجود جیم کو پیش کے ساتھ، جود سے مشتق ہے یا لفظ اجود عطاء اور داد و دہش کے معنی میں ہے، جو بخل کی ضد ہے، یعنی دنیا کی دولت زیب و زینت سے بھی کسی کو سرفراز کرنے میں بخل نہیں کرتے تھے، اور اسی طرح آپ کے سینہ مبارک میں جو علوم، و معارف اور حقائق ہیں اس سے کسی کو سرفراز کرنے میں بھی بخل نہیں کرتے تھے، آپ تمام انسانوں میں دل کے سب سے زیادہ سخی تھے۔

قولہ: أصدق الناس لهجة. لہجہ کے معنی زبان کے ہیں اور یہ لفظ ھا کو جزم سے ہے اور زبر (فتحہ) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ قولہ: ألينهم عريكة. عریکہ کے معنی پہلو اور طبعیت وفطرت کے ہیں اور کتاب نہایہ میں ہے جب کسی شخص میں نرمی اور اطاعت وفرمانبرداری ہوتی ہے اور وہ اختلافات کم رکھتا ہے تو ایسے شخص کو لین العریکہ کہتے ہیں۔

قولہ. أكرمهم عشيرة. عشیرۃ سے معاشرت اور مصاحبت مراد ہے یعنی اپنے اور پرایوں سے عزت کا برتاؤ کرنے والے تھے۔

قولہ: من راه بديهة. یعنی جو شخص آپ کو پہلی مرتبہ اور اچانک دیکھتا۔ ھابہ۔ یعنی اس کو ہیبت زدہ کر دیتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپ کے تعلق سے پہلے اور آپ کی معرفت سے پہلے ملاقات کرتا تو وہ آپ کے وقار و سکون کی وجہ سے ہیبت زدہ مرعوب ہو جاتا اور جب آپ سے اس کا تعلق بڑھتا اور آپ کے پاس حاضر رہتا تو آپ کے حسن اخلاق کریمانہ صفات کی وجہ آپ سے بے انتہاء محبت کرنے لگتا تھا۔

وقولہ: يقول ناعته. یعنی آپ کے شان عظمت اور نعت شریف بیان کرنے والے اس کا حق ادا کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سا حسین نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ سا کوئی ہوسکتا ہے) (ماخوذ از: مرقات)۔

گولائی تھی، روشن رنگت کے تھے، اور سرخی پلائی ہوئی دراز کشادہ آنکھیں اور ان کی سیاہی وسفیدی گہری تھی، اور پلکیں دراز تھیں، جوڑوں کی ہڈیاں اور شانے مضبوط، جسم اطہر صاف تھا، سینہ انور پر بالوں کی ایک قطار تھی۔ دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم پر گوشت تھے، آپ جب چلتے تو قوت سے قدم اُٹھا کر چلتے، گویا نشیب میں اتر رہے ہیں، اور آپ جب کسی جانب متوجہ ہوتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے، آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت تھا، اور آپ خاتم النبین ہیں، اور تمام انسانوں میں سب سے زیادہ سخی دل، اور زبان کے اعتبار سے انسانوں میں سب سے زیادہ سچی زبان کے اور سب سے زیادہ نرم مزاج اور سب سے زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والے تھے، جو شخص آپ کو پہلی مرتبہ اچانک دیکھ لیتا تو آپ سے ہیبت کھا جاتا تھا اور جو شخص آپ سے واقفیت رکھ کر ملاقات کرتا تو آپ سے محبت کرنے لگتا۔ آپ کی صفت بیان کرنے والا کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا نہ آپ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ آپ کے بعد کسی کو دیکھا۔ (ترمذی)۔

24/7231۔ ان ہی سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ لمبے تھے نہ پست قد تھے۔ عظیم سر اور گھنی داڑھی تھی۔ ہتھیلیاں اور دونوں قدم پُر گوشت تھے رنگت سرخی مائل تھی۔ جوڑوں کی ہڈیاں بڑی تھیں(25)۔ اور سینہ تا ناف بالوں کی ہلکی قطار تھی، اور آپ جب چلتے تو قوت کے ساتھ جھک کر چلتے گویا نشیب کی طرف اتر رہے ہیں(26)۔ میں نے آپ سا حسین نہ آپ سے

---

(25) **قولہ: ضخم الكراديس.** آپ کے اعضاء بدن عظیم تھے۔ کرادیس کردوس کی جمع ہے کردوس ان دو ہڈیوں کو کہتے ہیں جو کسی جوڑ میں ملتی ہیں، جیسے دو شانے، دو گھٹنے، دو سرین اور ہڈیوں کے سروں کو بھی کردوس کہا جاتا ہے۔

قولہ المسربه. م کو فتحہ (زبر) سین کو جزم اور راء کو پیش ہے۔ باریک بالوں کی ایک ڈوری جو سینہ سے ناف تک ہوتی ہے۔ (مرقات)۔

(26) **قولہ: كانما ينحط من صبب.** کتاب شرح السنہ میں ہے صبب کے معنی زمین کے نشیب۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ طاقت وقوت سے دونوں پیروں کو زمین سے اچھی طرح اٹھا کر چلتے تھے۔ آپ اس آدمی کی طرح نہیں چلتے تھے جو ناز و انداز سے پاؤں کو قریب قریب ڈال کر چلتا ہے۔ (مرقات)۔

پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد دیکھا(27)۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ترمذی)۔

25/7232۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روشن رنگ کے تھے اور آپ کا پسینہ موتی تھا، آپ جب چلتے تو قوت کے ساتھ پاؤں اٹھا کر چلتے(28)، میں نے کسی بھی ریشم وحریر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کے جیسا نرم نہیں چھوا۔ اور مشک وعنبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی خوشبو نہیں سونگھا۔(متفق علیہ)۔

26/7233۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پاس تشریف لاتے اور قیلولہ کرتے(29) تو وہ چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھیں تو اس پر قیلولہ

---

(27) **قولہ: لم ار قبلہ ولا بعدہ مثلہ.** اکثر اوقات اس طرح کا کلام یہ بتانے کے لئے ہوتا ہے کہ آپ کے جیسا کبھی بھی کہیں بھی نہیں ہوسکتا۔ اس میں پہلے اور بعد کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ یہ مطلق ہے، یہ فصاحت وبلاغت نظام کلام ہے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کے اوصاف اور آپ کی نعت کے بیان کا حق ادا کرنے سے سب عاجز ہیں۔(مرقات)۔

(28) **قولہ: اذا مشی تکفأ.** اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب پاؤں اٹھاتے تو ایک دم قوت کے ساتھ اٹھاتے جیسے طاقتور اور مضبوط لوگ چلتے ہیں اور ان کمزور لوگوں کی طرح نہیں جو زمین پر پاؤں کھینچتے ہوئے چلتے ہیں۔(صاحب مرقات نے علامہ تورپشتی سے اسے نقل کیا ہے۔ مرقات)۔

(29) **قولہ: فیقیل عندھا.** (آپ ان کے پاس قیلولہ فرماتے) کیونکہ ام سلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس کی والدہ تھیں اس میں غیر محرم کے ساتھ تنہائی اور بے پردگی کا مطلب نہیں نکلتا ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا: ام حرام اور ام سلیم یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی یا نسبی خالائیں تھیں دونوں محرم تھیں، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان دونوں کے ساتھ تنہائی اور خلوت میں رہنا جائز تھا۔ اسی لئے آپ ان دونوں کے پاس جاتے تھے دوسری عورتوں کے پاس نہیں جاتے تھے۔

اور علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ میں نے حدیث شریف کی بعض کتابوں میں پایا ہے کہ یہ(ام سلیم) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محارم میں سے تھیں۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی کسی اجنبی خاتون کے گھر میں جس سے آپ کو حرمت کا نسبی یا کوئی اور حرمت کا رشتہ نہیں تھا قیلولہ نہیں کئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ام سلیم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت کا رضاعی رشتہ تھا۔ اور جب ہم یہ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیر خوارگی کی مدت میں مدینہ

کرتے اور آپ کو پسینہ بہت نکلتا تھا اور وہ آپ کے پسینہ کو جمع کرتیں اور اس کو خوشبو میں ڈال دیتی تھیں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلیم یہ کیا ہے تو عرض کیں آپ کا پسینہ ہے ہم اس کو ہمارے عطر میں ملاتے ہیں اور یہ پسینۂ مبارک سب سے زیادہ خوشبودار ہے۔

27/7234۔اور ایک روایت میں ہے عرض کیں یارسول اللہ ہم ہمارے بچوں کے لئے اس کی برکت کی امید رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا تم نے ٹھیک کیا(30) ہے۔(متفق علیہ)۔

28/7235۔حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلی نماز پڑھی(31) پھر آپ اپنے گھر والوں کی طرف تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلا پس چند لڑکے آپ کے سامنے آئے تو ان بچوں میں سے ہر ایک کے دونوں رخساروں پر

منورہ کو نہیں لائے گئے، تو یہ بات متعین ہے کہ یہ رضاعی رشتہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی جانب سے تھا کیونکہ حضرت عبداللہ کی پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی اور عبدالمطلب نے اپنے والد ہاشم سے الگ ہو کر مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی نجار کی خاتون سے شادی کی، اور ام سلیم وام حرام دونوں جوملحان کی بیٹیاں ہیں نبی نجار قبیلے کی ہیں، علماء کی ایک بڑی جماعت نے ام سلیم واُمِ حرام کی ان روایات کو تو بیان کیا۔لیکن کسی نے بھی اسکی وجہ بیان نہیں کی۔ یا تو یہ کہ ان سے غفلت ہوگئی وہ اس جانب توجہ نہیں کئے، یا اس کا ان کو علم نہیں ہو سکا تھا، مگر میں نے چاہا کہ اسکی وجہ بتاؤں تا کہ کوئی ناواقف یہ خیال نہ کرے کہ آپ معصوم ہونے کی وجہ سے آپ کے لئے اس کی گنجائش تھی، اور کوئی رخصت پسند اس میں رخصت واجازت گمان نہ کرے جب کہ اس میں کسی قسم کی اجازت ورخصت نہیں ہے۔اور میں سمجھتا ہوں کہ میں پہلا شخص ہوں جو اللہ کی توفیق سے اس وجہ کو بیان کر سکا۔کیا ہی خوش بختی ہے میری کہ اس بے بہا موتی کو نکالا اللہ تعالی کی اس عظیم عطا پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔(مرقات)۔

(30) **قولہ اصبتِ.** (تم نے ٹھیک کام کیا) تم نے اچھا کام کیا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ صالحین کے آثار سے تبرک اور تقرب حاصل کرنا مستحب ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری میت اور میرے کفن کی خوشبو میں اس کو شامل کیا جائے۔

(31) **صلوۃ الاولی.** اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے صبح کی نماز فجر مراد ہے اور امام نووی نے فرمایا کہ یہ ظہر کی نماز ہے اور علامہ ابن مبارک نے بھی یہی بات کہی۔(مرقات)۔

آپ ہاتھ پھیرنے لگے، اب رہا میں جب آپ میرے رخساروں پر بھی ہاتھ پھیرے تو میں آپ کے ہاتھ کی ٹھنڈک پایا اور اس میں ایسی خوشبو پایا گویا آپ عطار کے ڈبے سے اس کو نکالے ہیں(32)۔(مسلم)۔

29/7236۔اور ان ہی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستہ سے چلتے اور پھر کوئی اس کے بعد اس راستہ سے گزرتا(33) تو آپ کی خوشبو کی مہک سے یا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پہچان لیتا کہ آپ اس راستے پر چلتے ہیں۔(دارمی)۔

30/7237۔حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب سے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا آپ کے موئے

---

(32) **قوله: كانما اخرجها من جؤنة عطار.** جب آپ اپنی آستین سے اپنا ہاتھ نکالے تو ایسا خوشبودار تھا گویا عطار کے ڈبہ سے نکالے ہیں۔امام نووی نے فرمایا اس حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو کا بیان ہے اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے۔علماء نے فرمایا ہے یہ خوشبو آپ کی صفت ہے اگرچیکہ آپ خوشبو کو ہاتھ نہ لگائیں ہوں۔اور اس کے باوجود آپ اکثر اوقات فرشتوں کی ملاقات اور وحی کو لینے اور مسلمانوں کی ہمنشینی کی خاطر خوشبو میں اضافہ کے لئے مزید خوشبو استعمال کرتے۔(مرقات)۔

(33) **قوله: طريقا.** یعنی آپ کسی گلی سے چلتے۔ **قوله: من طيب عرفه.** ''ع'' کو زبر اور ''ر'' کو جزم اور اس کے بعد ف(فا) ہے۔آپ کی خوشبو مطلب یہ ہے کہ اس راستہ کی فضاء اور ہوا آپ کی خوشبو کی کیفیت سے معطر ہو جاتی تھی اور پہچان ہو جاتی تھی کہ آپ اس راستہ سے گزرے ہیں۔

قوله: او قال. یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ کے پسینہ کی خوشبو سے عرق میں ع اور راء دونوں کو زبر ہے اس کے بعد ق ہے راوی کو اس میں شک ہو گیا کہ وہ لفظ عرف ہے یا عرق ہے، دونوں کا مطلب ایک ہی ہے مقصود یہ ہے کہ یہ خوشبو آپ کے پسینہ کی ہے فطری ہے خاص خوشبو ہے، عام خوشبو نہیں ہے، اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پسینہ کو خوشبودار بنادیا ہے یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔اور علامہ ابن ملک نے فرمایا ہے کہ پسینہ کا خوشبودار ہونا صرف آپ کی خصوصیت ہے دوسرے رسولوں میں یہ بات نہیں تھی۔ **صلى الله عليه وعلى جميع الانبياء واله واصحابه وسلم.** (مرقات)۔

مبارک خضاب کی حدتک نہیں پہنچے تھے(34) اگر میں آپ کے ریش مبارک میں سفید بالوں کو شمار کرنا چاہتا تو شمار کرسکتا تھا۔

31/7238۔اورایک روایت میں ہے اگر میں ان سفید بالوں کو جوآپ کے سرِ مبارک میں تھے شمار کرنا چاہتا تو شمار کرسکتا تھا۔(متفق علیہ)۔

32/7239۔اورمسلم شریف کی روایت میں آپ کی تھوڑی کے اوپر کے حصہ میں اور دونوں کنپٹیوں میں اورسرِ مبارک میں کچھ تھوڑی سفیدی تھی(تھوڑے سفید بال تھے)۔(مسلم)۔

33/7240۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہوگیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسکی عیادت کیلئے تشریف لائے اوراس کے باپ کواس کے سرہانے تورات پڑھتے ہوئے پایا تو آپ نے اس سے فرمایا اے یہودی! میں تجھے اللہ کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پرتورات کواتارا کیا تورات میں میری نعت میری صفت اور میری بعثت وہجرت کا ذکر تجھے(35) نہیں ملتا تواس نے کہا نہیں تب اس

---

(34) قولہ: لم یبلغ ما یخضِب. ضادکوکسرہ(زیر)کےساتھ۔شارحین نےبتایاہےکہ لم یبلغ کافاعل ہوضمیر راجع ہےنبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کےموئےمبارک کی طرف،یالفظ ما مصدریہ ہےاور یخضب کافاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،یعنی موئےمبارک خضاب کی حدتک نہیں پہنچےتھے۔قولہ :لو شئت اس میں لو کاجواب محذوف ہےاوروہ لأ عدھا. ہے(یعنی اس کوگن سکتا تھا)ہے۔عنفقتہ آپ کےہونٹ کےنیچے اورٹھوڑی مبارک کےاوپرکےحصہ کےبال مرادہیں۔قولہ الصدغین. پہلےحرف(ص)کوپیش وہ بال جوآنکھ اورکان کےدرمیانی حصہ یعنی کنپٹی میں ہوتےہیں۔(مرقات)۔

(35) قولہ: وصفتی ومخرجی. مخرج میں میم مصدری ہےاس سےآپ کی بعثت مرادہےیاوہ ظرف زمان یا ظرف مکان ہےاوراس سےآپ کی ہجرت اورمکہ مکرمہ سےمدینہ منورہ کوتشریف لاناہی مرادہوسکتاہے۔

قولہ: ولُو اخاکم. لفظ لُوُافعل امر،صیغہ مذکرہے،اوریہ لفظ ولی الامر سےمشتق ہے،یعنی تم اس کی تیمارداری اورتجہیزوتکفین کابندوبست کرو۔(لمعات)۔

نوجوان لڑکے نے کہا کیوں نہیں یا رسول اللہ خدا کی قسم! ہم توراۃ میں خاص آپ کی تعریف وتوصیف اورآپ کی بعثت وہجرت کا ذکر پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سواء کوئی معبود نہیں اورآپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا تم اس کے سرہانے سے اس کو اٹھادواور اپنے بھائی کا انتظام کرو۔(تیمارداری، تجہیز وتکفین کا بندوبست کرو)۔(بیہقی دلائل النبوۃ)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ باب أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ ختم ہوا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

19/252 بَابٌ فِیْ أَخْلَاقِهٖ وَشَمَائِلِهٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اخلاقِ عظیمہ اور عاداتِ کریمہ کا بیان

1/7241۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،لوگوں میں سب سے زیادہ حسین(1) اور سب سے زیادہ سخی،سب سے زیادہ بہادر ہیں،ایک رات مدینہ والے(کسی شور کی وجہ) خوفزدہ ہوگئے اور لوگ اس آواز کی سمت دوڑے،تو نبی اکرم صلی

(1) قولہ: أحسن الناس. (لوگوں میں سب سے زیادہ حسین) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش واخلاق، صورت وسیرت،حسب ونسب،زندگی گزارنے اور ساتھ رہنے ہر اعتبار سے سب سے بڑھ کر حسین ہیں،راوی کا قول ذات لیلۃ یعنی اس رات جب لوگ آواز سن کر گھبرا گئے،راوی کا قول فاستقبلھم (تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس جانب سے انہیں تشریف لاتے ہوئے ملے) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم اس حال میں واپس تشریف لائے کہ آواز کی سمت آپ لوگوں سے پہلے ہی تشریف لے گئے تھے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لم تراعوا تا اور ع کے ضمہ کے ساتھ لفظ روع سے مجہول ہے جو گھبرانے،خوف کرنے کے معنی میں ہے، یعنی خوف نہ کرو نہ گھبراؤ، یہ لفظ صیغۂ منفی کے ساتھ اس لئے لایا گیا کہ نفی میں مبالغہ ہو گویا خوف وگھبراہٹ آئی ہی نہیں۔لفظ لم تراعوا تاکید کے لئے دوبارہ فرمایا، یا داہنے اور بائیں موجود لوگوں سے خطاب کے لئے فرمایا۔ شرح السنۃ میں لن تراعوا بھی مروی ہے کیونکہ اہل عرب لا کی جگہ لم اور لن استعمال کرتے ہیں انتہی۔اس قول کی بناپر خبر بمعنی نہی ہے جیسا کہ علامہ طیبی نے ذکر کیا۔راوی کا قول عُرْی پہلے حرف کو ضمہ اور بعد والے کو جزم کے ساتھ یعنی اس پر نمدہ نہیں تھا،ہم کہتے ہیں لفظ ما علیه سرج،اس کی تاکید وبیان ہے اور جُل ولجام جیسے الفاظ سے بچنا مقصود ہے۔راوی کا قول فی عنقه یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے مبارک میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وجدته بحرا وہ گھوڑا سست رفتار کم دوڑ والا تھا،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہونے کی برکت سے اس کا حال بدل گیا اور تیز رفتار ہوگیا گھوڑا تیز رفتار ہو تو سمندر سے تشبیہ دی جاتی ہے کیونکہ ہوا جب ٹھنڈی ہو تو پانی پر سفر کرنے والے کو جس طرح راحت ملتی ہے اسی طرح گھوڑے پر سواری کروانے والے کو راحت ملتی ہے۔امام نووی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو جو عظیم الشان صفات سے

اللہ علیہ والہ وسلم اس جانب سے تشریف لاتے ہوئے ملے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز کی طرف ان لوگوں سے پہلے آرہے تھے، جبکہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے بے زین و بے نمدہ گھوڑے پر سوار تھے، اور یہ ارشاد فرمارہے تھے: مت گھبراؤ آپ کے گلے میں تلوار تھی، پھر فرمایا میں نے اس گھوڑے کو سمندر پایا۔ (بخاری، مسلم)۔

2/7242۔ ان ہی سے روایت ہے فرمایا: میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ پیدل جارہا تھا آپ پر موٹے کنارے والی ایک نجرانی چادر تھی، ایک بدوی آپ کے پاس آپہنچا اور بڑی شدت سے آپکی چادر پکڑ کر کھینچا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کے سینہ تک پہنچ (2) گئے یہاں تک کہ میں نے سختی سے کھینچے جانے کی وجہ سے آپ کی گردن مبارک کے کنارے پر دیکھا چادر نے نشان چھوڑا ہے، پھر اس نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے کچھ میرے لئے بھی حکم دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس کی طرف چشم التفات فرمائی مسکرادیا، پھر اس کو عطا کرنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری، مسلم)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) سرفراز فرمایا اس حدیث شریف میں ان صفات کا ذکر ہے، اور اس میں گھوڑا سست رفتار ہونے کے بعد اس کو تیز رفتار بنانے کے معجزہ کا ذکر ہے، اس روایت میں اس بات کی دلیل ہیکہ جب تک ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو دشمن کے احوال معلوم کرنے کے لئے اکیلے سبقت کرنا اور عاریۃً کوئی چیز لینا اور عاریۃً لئے گئے گھوڑے پر غزوہ میں شریک ہونا جائز ہے، نیز گلے میں تلوار لٹکانے کا پسندیدہ ہونا اور خوف چلے جانے کے بعد لوگوں کو اس کی بشارت دینے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(2) **قولہ: و رجع نبی الله صلی الله علیه وسلم فی نحر الاعرابی** (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی کے سینہ تک پہنچ گئے) شدت سے اسقدر شدت سے آپکو کھینچا گیا آپ اسکے سینہ کے پاس یا اسکے مقابل ہو گئے، امام طیبی نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مکمل پلٹ گئے اور یہ معنی اس حدیث شریف کے مفہوم کے مطابق ہے کہ جب آپ پلٹتے تو پورے طور پر پلٹتے، اس معنی سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس کی بے ادبی کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہ متغیر ہوئے نہ آپ متاثر ہوئے۔ **قولہ من مال الله الذی** (آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے) یعنی آپ کے عمل کے بغیر رب نے جو آپ کو عطا کیا ہے، ایک قول کے مطابق اس سے زکوۃ کا مال مراد ہے کیونکہ اس میں سے کچھ مال تالیف قلوب کے لئے صرف کیا جاتا۔ **قولہ ثم امر له بعطاء** (پھر اس کو عطا کرنے کا حکم فرمایا) اس سے معلوم ہوتا ہے قوم کی طرف سے والیٔ قوم کو دی گئی تکلیف برداشت کرنا مستحب ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عزت کی حفاظت وصیانت کے لئے مال دینا درست ہے۔

ملاعلی قاری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا: ظاہر ہے کہ (3) یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جن کے ساتھ تالیف قلوب کا معاملہ کیا جاتا ہے، اسی لئے اس نے وہ حرکت کی جو اس نے کی اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا نام لے کر سخت کلامی کرتے ہوئے آپ کے بحر کرم کی طرف متوجہ اور مخاطب ہوا۔

3/7243۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، اس درمیان کہ وہ غزوۂ حنین سے واپسی کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے، چند بدوی حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خیرات مانگتے ہوئے لپٹ گئے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ببول کے درخت کی طرف لے گئے، چادر مبارک درخت سے الجھ گئی (4)، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے اور فرمایا مجھے میری چادر تو دے دو، اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد میں مویشی ہوتے تو بھی میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا اور تم مجھے نہ بخیل پاتے (5)، نہ دروغ گو، نہ بزدل۔ (بخاری)۔

---

(3) **قوله: و الظاهر انه كان من المؤلفة** (ظاہر ہے کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے تھا جن کے ساتھ تالیف قلوب کا معاملہ کیا جاتا ہے) میں کہتا ہوں کہ وہ کفار سے تھا کیونکہ ایک روایت میں اس کے یہ کلمات مذکور ہیں: نہ آپ کا مال ہے، نہ آپ کے والد گرامی کا، اگر وہ مومن تھا تو توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اسی وقت مرتد و بے دین ہوگیا۔

(4) **قوله: فخطِفت** (چادر مبارک درخت سے الجھ گئی) ط کے زیر کے ساتھ یعنی خاردار درخت نے تیزی سے آپ کی چادر مبارک اچک لی جب دیہاتی آپ سے لپٹ گئے تھے، ایک شارح نے فرمایا **خطفت** بمعنی **سلبت** ہے، یعنی اس درخت نے چادر کو کھینچ لیا انتھٰی'' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطفت کے ضمیر **اعراب** کی طرف لوٹے یعنی ان دیہاتیوں نے آپکی چادر مبارک کو اچک لیا، جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا **فوقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعطونی ردائی**۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم ٹہرے اور ان دیہاتیوں سے فرمایا میری چادر مجھے دے دو۔

(5) **قوله: لا تجدونی بخیلا** (اور تم مجھے بخیل نہ پاتے) امام طیبی نے فرمایا: ثم یہاں ترتیب وتراخی کے لئے ہے یعنی میری اس عطاو بخشش میں تمہارے اصرار کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میں پوری خوشدلی اور کامل نشاط کے ساتھ عطا کرتا ہوں اور غلط بیانی سے کام نہیں لیتا کہ تمہیں اپنے آپ سے دور کروں پھر عطا سے تمہیں محروم کردوں، نہ میں بزدل ہوں کہ کسی سے ڈروں، گویا یہ جملہ سابقہ کلام کا تکملہ ہے۔ اس کلام سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ناواقف کو اپنے اوصاف حمیدہ سے متعارف کروانے کے لئے اپنی تعریف کرنا جائز ہے تا کہ وہ اس پر اعتماد کرے۔ (مرقات)۔

4/7244۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی کہ آپ نے اس پر ''نہیں'' فرمایا ہو(6)۔(جو چیز بھی مانگی گئی آپ نے عطا فرمادی)

5/7245۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان والی بکریاں مانگی(7)، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اس کو عطا فرمادی، وہ شخص اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم! اسلام قبول کرلے، بخدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اتنا عطا فرماتے ہیں کہ تنگدستی کا خوف نہیں رہتا۔(مسلم)۔

6/7246۔ان ہی سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل کیا، آپ نے کبھی مجھ سے اُف نہیں فرمایا(8)، اور نہ یہ فرمایا کہ تم نے

(6) قولہ: فقال لا (آپ نے اس پر ''نہیں'' فرمایا ہو) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کو محروم نہیں فرماتے بلکہ آپ کے پاس ہوتا تو عطا فرماتے ورنہ خاموشی اختیار فرماتے۔ جامع الاحادیث میں ہے جو کچھ بھی آپ سے مانگا جاتا ضرور عطا فرماتے یا سکوت فرماتے۔امام حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی، شیخ عزالدین نے اسی معنی میں فرمایا کہ عطا و بخشش کو روکنے کے لئے آپ نے لا نہیں فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے بطور اعتذار بھی لا نہ فرمایا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:'' قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ''. (9۔سورۃ توبۃ، آیت نمبر:92) (میں کوئی سواری نہیں پاتا جس پر تمہیں سوار کروں) اور لَا اَحْمِلُكُمْ (میں تمہیں سوار نہیں کرتا) کے درمیان فرق پوشیدہ نہیں جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔(ماخوذ از لمعات ومرقات)۔

(7) قولہ: غنما بین جبلین (دو پہاڑوں کے درمیان والی بکریاں) یعنی دو پہاڑوں کے درمیان میدان بھر بکریوں کا ریوڑ۔وقولہ: اسلموا۔ اس کا اپنی قوم سے کہنا کہ اسلام قبول کرلو، اس لئے کہ اسلام مکارم اخلاق کی ہدایت دیتا ہے۔(مرقات)۔

(8) قولہ: فما قال لی اُفٍّ (کبھی مجھ سے اُف تک نہیں فرمایا) لفظ اف میں ہمزہ کو ضمہ اور ف کسرہ تشدید کے ساتھ، ایک نسخہ میں ف فتحہ کے ساتھ اور ایک نسخہ میں فاء مکسورہ تشدید کے ساتھ، یہ تین متواتر قرآت ہیں۔لفظ اف ایک ایسی آواز ہے جو اس کام سے ناراضی کو بتاتی ہے جس سے کراہت وناپسندیدگی ہو۔ایک قول یہ ہے انضجر

یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہیں کیا؟۔(بخاری)۔

7/7247۔ان ہی سے روایت ہے جب کہ میری عمر آٹھ (9) سال تھی، میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور دس سال میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، کسی ایسی چیز پر آپ نے مجھے نہیں ڈانٹا جو میرے ہاتھ سے خراب ہوئی(10)، اگر اہل خانہ میں سے کوئی ڈانٹتے تو فرماتے ان کو چھوڑ دو، جو چیز ہونے کی تھی وہی ہوئی، یہ مصابیح کے الفاظ ہیں، امام بیہقی نے شعب الایمان میں اس کو کچھ تغیر کے ساتھ روایت کیا۔

8/7248۔ان ہی سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر اخلاق کے پیکر ہیں، آپ نے ایک دن مجھے کسی کام کے لئے روانہ فرمایا، میں نے کہا: بخدا میں نہیں جاؤں گا(11)، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا ہے، پس میں اس کام کے لئے نکل پڑا، یہاں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کا اسم فعل ہے۔

(لمعات) صاحب مرقات نے فرمایا، جان لو کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم بجا نہ لانے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا، ان امور کے بارے میں سمجھا جائے گا جو خدمت وآداب سے متعلق ہیں۔ان امور سے متعلق نہیں جو شرعی احکام سے متعلق ہوتے ہیں کیونکہ احکام شرعیہ کے بارے میں نکیر نہ فرمانا آپ کے شایان شان نہیں۔(مرقات)۔

(9) قولہ: انا ابن ثمان سنین (جب کہ میری آٹھ (8) سال تھی) جملۂ حالیہ شرف خدمت کے آغاز پر دلالت کرتا ہے، اسی لے اس کو مطلق رکھا، پھر اس جملہ سے اس کو مقید کرتے ہوئے دہرایا کہ میں نے دس سال آپ کی خدمت کی۔(مرقات)۔

(10) قولہ: اتی فیہ (جو میرے ہاتھ سے خراب ہوئی) اتی صیغۂ مجہول ''شی ء'' کی صفت ہے اور فیہ جار ومجرور، نائب فاعل کے قائم مقام ہے اور فیہ میں ضمیر کا مرجع لفظ شیء ہے، اتی اھلک اور اتلف کے معنی میں ہے، یعنی ہلاک وتلف ہوا۔قاموس میں مذکور ہے: اتی علیہ الدھر یعنی زمانہ نے ہلاک کیا۔اب معنی یہ ہوگا کہ حضور نے کسی ایسی چیز کے بارے میں مجھے سرزنش نہیں کی، ڈرایا نہیں، جو میرے ہاتھ سے ہلاک ہوئی، کہا گیا لفظ اتی میں عیب وطعن کی تضمین ہے، یعنی عیب لگا کر یا طعنہ دے کر سمجھ لو۔(مرقات)۔

(11) قولہ: لا اذھب (بخدا میں نہیں جاؤں گا) یعنی اپنی زبان سے کہا: قولہ حتی امر علی صبیان الخ (یہاں تک کہ بازار میں چند بچے کھیل رہے تھے)۔

تک کہ بازار میں چند بچے کھیل رہے تھے وہاں سے میرا گزر ہوا، اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میری گردن پکڑ لی، کہتے ہیں میں نے دیکھا حضور کی طرف آپ مسکرار ہے ہیں اور محبت سے فرمایا: اے پیارے انس! کیا وہاں جارہے ہو جہاں جانے کا میں نے حکم دیا تھا؟ میں عرض گذار ہوا: ہاں جارہا ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔(مسلم)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں فرمایا: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ''میں نہیں جاؤں گا'' ان سے ان کے بچپن میں جبکہ وہ غیر مکلّف تھے صادر ہوا، حالانکہ ان کے دل میں تھا کہ وہ اس کام کے لئے جائیں گے۔

9/7249۔ان ہی سے روایت ہے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرماتے تو مدینہ شریف کے خادمین (حصول برکت کیلئے) آپکی خدمت میں اپنے برتن لئے حاضر ہوتے(12)، جن میں پانی ہوتا وہ حضرات جو بھی برتن لاتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اپنا دست مبارک ڈبوتے، بسا اوقات وہ سردی کے دنوں میں حاضر ہوتے تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان برتنوں میں اپنا دست مبارک ڈبوتے۔(مسلم)۔

10/7250۔ان ہی سے روایت ہے اہل مدینہ کی باندیوں میں سے کوئی بھی باندی(13)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ظاہر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس کھیل کیلئے یا لطف اندوزی کے لئے ٹھہر گئے، اسی لئے کہا اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گردن پکڑ لی۔ **قولہ: بقفای** (میری گردن پکڑ لی) **قفا** الف مقصورہ کے ساتھ گردن کا آخری حصہ (مرقات)۔

(12) **قولہ: جاء** (حاضر ہوتے) پس وہ لوگ برکت، کثرت، عافیت اور شفاء چاہتے۔ **قولہ: فیغمس یدہ فیھا.** امام طیبی نے فرمایا: اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کی دلجوئی کی خاطر مشقتوں کو برداشت فرماتے، خصوصاً خدمت گزاروں اور کمزور لوگوں کے ساتھ تاکہ وہ اپنے برتنوں میں آپ کے دست مبارک رکھنے سے برکت حاصل کرلیں، اور ضعیفوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع کا بھی اس میں بیان ہے۔(مرقات)۔

(13) **قولہ: امة من اماء اهل المدينة** (مدینہ کی باندیوں میں کوئی بھی باندی) یعنی فرض کرلیں، مان لیں۔ **قولہ: تنطلق به حيث شاء ت** یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخلوق کے ساتھ غایت درجہ تواضع اور حق تعالی کے ساتھ کمال درجہ رضا وتسلیم پر دلالت کرتا ہے۔(مرقات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام کر جہاں چاہتی آپ کو ساتھ لے جاتی۔ (آپ اس کی حاجت روائی کے لئے تشریف لے جاتے)۔ (بخاری)۔

11/7251۔ان ہی سے روایت ہے، ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا(14)، عرض کی یا رسول اللہ! آپ میری ایک حاجت براری کیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے فلاں کی ماں! تم جس گلی کا چاہو انتخاب کرلو، میں تمہاری حاجت روائی کیلئے آجاؤں گا، پس آپ اسکے ساتھ ایک راستہ میں تشریف لے گئے(15) یہاں تک کہ وہ آپ سے اپنی مشکل حل کرلی۔ (مسلم)۔

12/7252۔ان ہی سے روایت ہے، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ مریض کی عیادت فرماتے، جنازہ میں تشریف لے جاتے، غلام کی دعوت قبول فرماتے(16)، دراز گوش پر سواری فرماتے، یقیناً میں نے آپ کو خیبر کے دن دراز گوش پر تشریف فرما دیکھا جس کی لگام کھجور کی چھال کی تھی۔ (ابن ماجہ، شعب الایمان)۔

13/7253۔حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت رسول اللہ

---

(14) **قولہ: ان امراۃ کانت فی عقلھا شیء** (ایک عورت جس کی عقل میں کچھ فتور تھا) یعنی کمی یا دیوانگی تھی (مرقات)

(15) **قولہ: فخلا معھا** (پس آپ اس کے ساتھ ایک راستہ میں تشریف لے گئے) اس میں اس بات سے آگاہ کرنا ہے کہ گلیوں میں خاتون کی حاجت روائی کے لئے اس کے ساتھ اکیلے تشریف لے جانا گھر میں اس کے ساتھ اکیلے رہنے کے حکم میں نہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ بعض صحابہ کرام حسن ادب کی خاطر آپ سے دور کھڑے رہے ہوں گے۔ (مرقات)۔

(16) **قولہ: یجیب دعوۃ المملوک** (غلام کی دعوت قبول فرماتے) یعنی اجازت یافتہ غلام یا آزاد کردہ غلام کی دعوت قبول فرماتے، یا اس غلام کی جس نے اپنے مالک کے گھر مدعو کیا ہو۔ **قولہ: یرکب الحمار** (دراز گوش پر سواری فرماتے) یہ سب حق تعالی کے ساتھ کمالِ تواضع اور مخلوق کے ساتھ حسن معاشرت پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ ابن الملک نے فرمایا: اس میں دراز گوش پر سواری سنت ہونے کی دلیل ہے۔ میں کہتا ہوں جن لوگوں نے اس پر سواری سے منہ موڑا جیسے بعض متکبرین اور جہلاء ہند کی ایک جماعت وہ دراز گوش سے زیادہ خسیس وکمتر ہیں۔ (مرقات)۔

صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے، اور لغو کلام بالکل نہ فرماتے(17)، نماز طویل ادا فرماتے اور خطبہ مختصر ارشاد فرماتے، بے یار ومددگار محتاج اور مساکین کے ساتھ چلنے سے گریز نہ فرماتے اور انکی حاجت روائی فرماتے۔(نسائی، دارمی)۔

14/7254۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص سے مصافحہ فرماتے تو جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ ہٹالے آپ اپنا دست پاک نہیں کھینچتے اور اپنا رخ زیبا اس کے چہرے سے نہیں پھیرتے جب تک کہ وہ اپنا چہرہ نہ پھیرلے، اور اپنی مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی شخص کی جانب آپ کو اپنے مبارک قدم دراز کئے ہوئے نہیں(18) دیکھا گیا۔(ترمذی)۔

15/7255۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ ایک یہودی جسکے بارے میں فلاں بڑا عالم ہے، کہا جاتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ اسکے کچھ دینار تھے، اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (طے شدہ مدت سے پہلے) تقاضہ کیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس

---

(17) قولہ: و یقل اللغو (لایعنی کلام مطلقاً نہیں فرماتے) یعنی ذکر کے سوا دنیا اور اس کے متعلقات اگرچہ یہ امور حکمت ومصلحت سے خالی نہ ہوں، مگر باعتبار ذکر حقیقی یہ لغو ہے۔اسی طرح امام غزالی فرماتے ہیں: میں نے اپنی عمر عزیز کا اک حصہ یہ کتابیں بسیط، وسیط، وجیز کی تالیف میں ضائع کردی۔معنی سے قطع نظر الفاظ اور صورت کی طرف نظر کرتے ہوئے آپ نے اس پر لغو کا اطلاق کیا۔(مرقات)۔

(18) قولہ: ولم یر مقدما رکبتیہ (اپنے مبارک قدم دراز کئے ہوئے نہیں دیکھا گیا) کہا گیا یہاں رکبتین (گھٹنوں) سے قدم مبارک مراد ہیں، اور آگے بڑھانے سے مراد دراز کرنا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمنشیں کے سامنے اپنے قدم مبارک دراز نہ فرماتے۔کہا گیا اس کا معنی یہ ہے کہ مجلس میں بیٹھنے والوں کے گھٹنوں سے اوپر آپ اپنے مبارک گھٹنے نہیں رکھتے تھے، جیسا کہ ظالم وجابر لوگ کیا کرتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ صف میں برابر تشریف فرما ہوتے۔اور اس کا مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو لوگ آپ کی محفل میں موجود ہوتے ان کے پاس اپنے قدم مبارک کو دراز نہ فرماتے۔یہ سب آپ کے انتہائی ادب اور صحابہ کرام کی تعلیم کی خاطر ہے۔یہ روایت اس کے منافی نہیں کہ آپ کبھی احتباء وغیرہ کے طور پر اپنے گھٹنے مبارک بلند فرما کر تشریف رکھتے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ آپ محفل میں نہ ہوں یا خلوت میں ہو یا بعض صحابہ کرام کے ساتھ ہوں۔(ماخوذ از لمعات)۔

کچھ نہیں کہ میں تجھے دوں، تو اس نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جب تک کہ آپ مجھے نہ دیں میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب تو میں تیرے ساتھ بیٹھا رہونگا، چنانچہ اس کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز ادا فرمائی(19)۔صحابہ کرام اس کو سرزنش وتنبیہ کرنے لگے، صحابہ کرام اب اس شخص کے ساتھ کیا برتاؤ کررہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمالیا، تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ ایک یہودی آپ کو روکا ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے رب نے مجھے منع

---

(19) قوله: فصلی رسول الله صلی الله علیه وسلم الظهر...... الخ (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور دوسرے دن کی چاشت ادا فرمائی) احتمال ہے کہ یہ نمازیں مسجد میں ادا ہوئی ہوں یا کسی مالک مکان کے گھر میں، پہلا قول اس قول کی وجہ سے زیادہ معتبر ہے حدیث مذکور ہے کہ صحابہ کرام اس کو زدوکوب کی تنبیہ کرنے لگے اور شہر بدر کرنے یا مارڈالنے کی دھمکی دینے لگے۔ وقوله: مَعَاهِدًا ھَا کے کسرہ سے ذمی یا مستأمن کو کہتے ہیں۔ معاہد کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مقام اس کا تقاضہ کرتا ہے یا اس لئے کہ معاہد کا جھگڑا بروز حشر زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کو راضی کرنا اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مسلمان کی نیکی لی جائے یا اس کا گناہ مسلمان کے نامہ اعمال میں رکھا جائے جیسا کہ چوپایوں کے ظلم میں ہوتا ہے۔ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کا قرض ادا نہیں کرسکتے تھے یا اپنے قرضہ کا لحاظ فرماتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ادا کرنے کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہی بات زیادہ بہتر ہے اسی لئے بر بنائے حکمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غیروں سے ہی قرض لیتے تھے۔ وہ حکمت یہ بھی کہ امت سے کسی بھی قسم کا فائدہ یا کسی بھی قسم کی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہ ہونے کا اظہار مقصود ہو جو ثواب کم ہونے کا سبب بن سکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ کہہ دیجئے میں تبلیغ دین پر تم سے اجر نہیں چاہتا، تمام رسولوں کی سنت ان کے اس قول میں مطابقت رکھتی ہے کہ میں اس پر تم سے اجر نہیں چاہتا، میرا اجر تو صرف رب العالمین کے پاس ہے اور اس لئے بھی کہ یہودیوں پر حجت قائم ہوجائے کہ ان کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مالداری پر فقر اختیار فرماتے ہیں اور ان کی سرزنش بھی ہوجائے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کے ذریعہ: ''کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے'' اس قول کی بنیاد پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان کے قول کی حکایت کے طور پر فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا: یقیناً اللہ فقیر ہے (معاذ اللہ) اور ہم مالدار ہیں، اور منجملہ حکمت کے وہ ہے جو اس واقعہ کے خصوص میں ظاہر ہوا۔ (ماخوذ از مرقات)۔

فرمایا کہ میں اہل معاہدہ کا فریا کسی دوسرے کے ساتھ زیادتی کروں پھر جب دن چڑھ گیا(20) ،تو کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں،مشرف بہ اسلام ہوا اور کہا: میرے مال کا ایک حصہ اللہ کی راہ میں ہے، بخدا میں نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ صرف اس لئے کیا تا کہ میں آپ کی ان صفات کا مشاہدہ کرلوں جو توراۃ میں مذکور ہے کہ محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت مکہ مکرمہ ہے اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہے اور آپ کی سلطنت ملک شام تک بھی ہوگی۔آپ سخت کلام وسخت مزاج نہ ہوں گے اور نہ بازار میں آواز بلند کرنے والے ہوں گے اور نہ ان کے عمل میں سختی ہوگی ، نہ قول میں سخت ہوں گے۔میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ میرا مال ہے،اس کے بارے میں آپ وہ فیصلہ فرمائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا ہے، وہ یہودی کثیر المال تھا۔(بیہقی دلائل النبوۃ)۔

16/7256۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عادۃً سخت کلام ہیں(21) اور نہ بتکلف سخت کلام اور نہ بازاروں میں پکارنے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے لیکن معاف فرمادیتے اور درگزر فرماتے ہیں۔(ترمذی)۔

---

(20) قولہ: ترجل (دن چڑھ گیا) یعنی بلند ہوا،وقولہ: لیس بفظ یعنی آپ سخت کلام نہیں،قولہ: ولا غلیظ یعنی آپ سخت دل نہیں،قولہ: ولا سخاب یعنی آپ شور کرنے والے نہیں،قولہ: ولامتزی' زی لباس وہیئت کے معنی میں یعنی بدخو نہ تھے۔قولہ: بالفحش یعنی عمل میں فحش نہیں۔ قولہ: الخَنا' خ کے فتحہ (زبر) کے ساتھ،الف مقصورہ ہے یعنی فحش اور سختی۔(ماخوذ از:مرقات،لمعات)۔

(21) قولہ: لم یکن رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحشا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عادۃً سخت کلام ہیں) یعنی اقوال وافعال میں سخت نہیں تھے، قولہ: ولا متفحشا یعنی بہ تکلف اور ارادہ بھی سخت کلام نہ فرماتے قولہ ولا سخابا یعنی آپ چیخنے والے نہیں تھے قولہ: یعفو یعنی آپ دل سے بھی معاف فرماتے ہیں، قولہ:ویصفح یعنی بدسلوکی کرنیوالے کو ظاہری طور بھی درگذر فرمادیتے۔(ماخوذ از مرقات)۔

17/7257۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری بات نہ فرماتے، نہ لعنت کرتے اور نہ سخت سست کہتے(22)، جب ناراضگی ظاہر فرماتے تو کہتے اُسے کیا ہوااور اس کی پیشانی خاک آلود ہو۔(بخاری)۔

18/7258۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین کی ہلاکت کی دعا فرمائیے! آپ نے فرمایا: بے شک لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا اس کے سوانہیں کہ میں تو سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں(23)۔(مسلم)۔

---

(22) قولہ: لم یکن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاحشا (حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخت بات نہ فرماتے)یعنی قول وفعل میں کسی بھی لحاظ سے سختی نہیں فرماتے۔ قولہ ولا لعانا ولا سبابا (اور نہ لعنت کرتے نہ برا سخت سست کہتے)ان سے مقصود لعن اور سب وشتم کی نفی اور ہر اس چیز کی نفی ہے جو کلام میں فحش کی قبیل سے ہے۔ مبالغہ کے صیغوں کے ذریعہ نفی سے مبالغہ کی نفی مراد نہیں ہے گویا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ان دو الفاظ کو مبالغہ سے بیان کرنے کا معمول ہے۔اسی لئے صیغہائے مبالغہ سے نفی بیان کی جبکہ ان کی مطلق نفی مقصود ہے جیسا کہ آپ کا آخری کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ:''وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ''. (3۔سورۃ آل عمران،آیت نمبر:182)اور یقیناً اللہ تعالیٰ بندوں پر کچھ ظلم کرنے والانہیں'' کے معنی میں اور حدیث شریف کے معنی میں زیادہ واضح بات یہی ہے کہ صیغۂ مبالغہ''فعال'' نسبت کے لئے ہے جیسے لفظ تمار(کھجور بیچنے والا) لبان(دودھ فروش)یعنی اللہ تعالیٰ مطلق یعنی کچھ بھی ظلم کرنے والانہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں پر مطلق کچھ بھی لعنت اور سب وشتم کرنے والے نہیں جو اس کے مستحق نہیں جیسے کفار وفجار کیونکہ آپ رحمت والے نبی ہیں اسی لئے راوی نے اپنے اس قول سے نیا جملہ شروع کیا کہ آپ ناراضگی کے وقت فرماتے اس کو کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو معنی یہ ہے کہ ناراضگی اور مخاصمت کے وقت آپ جو فرماتے اس کی انتہاء یہ کلمات ہیں،اس شخص سے روگردانی اور بے التفاتی برتتے اور اس سے خطاب نہ فرماتے۔

وقولہ: مالہ ترب جبینہ (اس کو کیا ہوا اس کی پیشانی خاک آلود ہو)یہ کلمہ بھی دو پہلو والا ہے کیونکہ احتمال ہے کہ جس کے لئے کہا گیا ہے .قولہ:رغم انفک (تیری ناک خاک آلود ہو) کے معنی میں بددعا ہو یا اس کے لئے سجد للہ وجھک (تیرا چہرہ اللہ کو سجدہ کرے) کے معنی میں دعا ہے۔(مرقات)۔

(23) قولہ: انما بعثت رحمۃ (اس کے سوانہیں کہ میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں)علامہ ابن الملک نے فرمایا: مومنین کے لئے رحمت تو ظاہر ہے البتہ کافروں کے لئے رحمت اس طرح ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ

19/7259۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،ابوجہل نے کہا(24):اے نبی،ہم آپ کونہیں جھٹلاتے لیکن آپ نے جوکلام لایا ہے اس کوجھٹلاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:یقیناً یہ لوگ آپ کونہیں جھٹلاتے لیکن یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔(ترمذی)۔

20/7260۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کجاوہ میں موجود دوشیزہ سے زیادہ حیا کے پیکر ہیں،جب کسی چیز کو دیکھ کرنا پسند فرماتے تو ہم آپ کی ناراضی کو آپ کے چہرۂ مبارک میں پہچان لیتے(25)۔(بخاری،مسلم)۔

21/7261۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نے کبھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کھل کر ہنستا ہوا نہیں دیکھا(26) کہ آپ کی پڑ جیب نظر

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) میں دنیا میں ان سے عذاب اٹھالیا گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان کو عذاب دے جب کہ آپ ان میں موجود ہیں،میں کہتا ہوں بلکہ قیامت تک کے لئے آپ کے وجود باجود کی برکت کے سبب ان کی بیخ کنی کرنے والا عمومی عذاب اٹھالیا گیا۔(مرقات)۔

(24) **قوله: ان ابا جهل قال للنبی صلی الله علیه وسلم الخ** (ابوجہل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا) امام طیبی نے کہا روایت ہیکہ اخنس بن شریق نے ابوجہل سے کہا:اے ابوالحکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتا کیا آپ صادق ہیں یا کاذب،کیونکہ آپ ہمارے پاس غیر نہیں؟ابوجہل نے اس سے کہا:خدا کی قسم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں،آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا،لیکن جب بنوقصی جھنڈا،اور سیراب کرنے کی ذمہ داری، کعبۃ اللہ شریف کی کنجی رکھنے کی ذمہ داری اور نبوت سب لے جائیں تو تمام قریش کے لئے کیا رہے گا۔

فقوله ولكن نكذب بما جئت به (لیکن ہم اس کلام کو جھٹلاتے ہیں جو آپ لے آئے ہیں) یہ جملہ اس جملہ کی جگہ کہا گیا کہ ہم آپ سے حسد کرتے ہیں یہ سبب کی جگہ مسبب کو رکھنا ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

(25) **قوله: فاذا رأى شيئا يكرهه** (جب آدمی کسی چیز کو دیکھ کرنا پسند فرماتے)امام نووی نے فرمایا:اس کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو ناپسند فرماتے حیاء کی وجہ سے اس کے بارے میں نہیں فرماتے بلکہ چہرہ انور متغیر ہوتا تو ہم ناپسندیدگی کو سمجھ لیتے اور اس میں حیاء کی فضیلت ہے اور یہ کہ اس پر ابھارا گیا ہے جب تک کہ ضعف اور پستی کا سبب نہ بنے۔(ماخوذ از مرقات)۔

(26) **قوله:مستجمعا قط ضاحكا** (قہقہہ لگاتے ہوئے نہیں دیکھا)امام تورپشتی نے فرمایا راوی بتانا چاہتے ہیں کہ

آئے، آپ بس تبسم فرمایا کرتے تھے۔(بخاری)۔

22/7262۔حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو تبسم فرماتے نہیں دیکھا۔(ترمذی)۔

23/7263۔حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم زیادہ خاموش رہتے۔(احمد،شرح السنۃ)۔

24/7264۔حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ارشادات فرمانے تشریف رکھتے تو اکثر اپنی نگاہوں کو آسمان کی جانب بلند فرمایا کرتے(27)۔(ابوداؤد)۔

25/7265۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے،فرماتی ہیں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے جلدی کلام نہیں فرماتے تھے(28)، جیسے تم جلدی جلدی بات کرتے ہو، آپ ایسا کلام فرماتے کہ اگر کوئی شمار کرنے والا ہو تو شمار کرلیتا۔(بخاری ومسلم)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) پورا ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، کہا جاتا ہے **استجمع الفرس جربا** گھوڑا خوب تیز دوڑا، علامہ طیبی نے فرمایا یہاں **ضاحک** لفظ ضحک کی جگہ ہے اس بنیاد پر کہ وہ تمیز ہونے کی وجہ سے زبر کے ساتھ ہے، معنی یہ ہے کہ میں نے تمام دہن مبارک سے مکمل ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔(مرقات)۔

(27) **قوله: يرفع طرفه الى السماء** (آسمان کی جانب اپنی نگاہیں بلند فرمایا کرتے) ارشادات کے دوران جبرئیل علیہ السلام کو دیکھنے اور مولی تعالیٰ کی جانب سے وحی کے انتظار اور رفیق اعلیٰ سے وصال کے شوق میں آسمان کی جانب نظر فرماتے رہتے۔(مرقات)۔

(28) **قوله: لم يكن يسرد الحديث** (جلدی جلدی سے کلام نہ فرماتے) علامہ طیبی نے فرمایا: کہا جاتا ہے **فلان سرد الحديث** جبکہ وہ ایک بات کے پیچھے دوسری بات جلدی کرے اور **سرد الصوم** یعنی پے در پے روزے رکھنا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام مقدس اس طرح پے در پے نہیں ہوتا کہ ایک کے پیچھے ہی پیچھے دوسرا کلام آئے، جس سے سامع کو اشتباہ ہو جائے بلکہ آپ اپنے کلام میں فصل دیتے، اگر سامع گننے کا ارادہ رکھے تو ممکن ہو، نہایت درجہ واضح کھلا کلام فرماتے۔(مرقات)۔

26/7266۔ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری اس تیز گفتگو کی طرح کلام نہ فرماتے بلکہ آپ واضح روشن، علیحدہ علیحدہ کلام فرماتے، جو آپ کی خدمت میں رہتا اس کو یاد کرلیتا۔(ترمذی)۔

27/7267۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے(29) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک میں فصل اور کمال درجہ وضاحت رہتی(30)۔(ابوداؤد)۔

28/7268۔حضرت اسود سے روایت ہے، میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دولت کدہ پر کیا عمل رہتا(31)؟ تو انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنے اہل خانہ کی کام میں مدد فرماتے، پھر جب نماز کا وقت آتا تو نماز کی طرف تشریف لیجاتے۔(بخاری)۔

---

(29) **قولہ: عن جابر** (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے) یعنی ابن عبداللہ جب لفظ جابر، مطلق بیان کیا جائے تو اس سے ابن عبداللہ مراد ہوتے ہیں۔(مرقات)۔

(30) **قولہ: ترتیل و ترسیل** (اطمینان ووضاحت) علامہ ابن الملک نے فرمایا: یہ دونوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں یعنی کھولنا اور حروف کو واضح ادا کرنا۔ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ از سر نو قید بیان کرنا، تاکید پر محمول کرنے سے بہتر ہے، اگرچہ ان دونوں کا نتیجہ ایک ہے اور ان کے معنی کی اصل ایک ہی ہے کیونکہ ان دونوں سے مقصود یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حروف کی ادائیگی میں جلدی نہیں کرتے بلکہ ٹہر کر ادا فرماتے ہیں اور مخارج وصفات واضح کرتے ہوئے حرکات وسکنات کو کھلا کھلا ادا فرماتے، گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ جلدی اور تیزی نہ ہوتی، اطمینان وآہستگی ہوتی۔(مرقات)۔

(31) **قولہ: ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم** (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عمل رہتا) ''ما'' سوال کے لئے ہے، **قولہ قالت کان** یعنی آپ کی یہ عادت مسلسل تھی اہل خانہ کی مدد میں مصروف رہتے، **مھنۃ** میں میم کے فتحہ اور کسرہ اور ھا کے جزم سے یعنی اہل وعیال کی ضرورتیں۔ **مھـــنۃ** خدمت اور خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔اسی لئے راوی نے کہا حضرت عائشہ اسی اہل وعیال کا کام بنانا مراد لیتی ہیں اور آپ کا قول ''جب نماز کا وقت آتا تو نماز کے لئے نکلتے'' تو تمام دوسرے اعمال ترک فرماتے گویا آپ اپنے اہل کو پہچانتے ہی نہیں۔(مرقات)۔

29/7269۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے شریف درست فرما لیتے اور اپنا لباس مبارک سی لیتے اور گھر کا کام انجام دیتے جیسے تم میں سے کوئی گھر میں کام کرتا ہے اور فرماتی ہیں آپ پیکر بشریت میں سادگی پسند ہیں اور اپنے لباس مبارک میں دیکھتے(32)، کہ کسی کی کوئی جوں تو نہیں گری ہے، اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود ہی انجام دیتے۔(ترمذی)۔

30/7270۔ ان ہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلنے لگیں، ایک فرشتہ میرے پاس حاضر ہوا اس کے تہبند باندھنے کی جگہ کعبہ کے برابر بلند ہے، اس نے کہا: بے شک آپ کا رب سلام فرماتا ہے اور فرماتا ہے آپ چاہیں تو نبوت وعبدیت رہے اور آپ چاہیں تو نبوت وبادشاہت ملے تو میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا، انہوں نے اشارہ کیا کہ تواضع کا اظہار فرمائیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اور ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ چاہنے والے کی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوئے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تواضع کا اظہار فرمائیں، میں نے کہا نبوت اور عبدیت۔ ام المومنین نے فرمایا، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(32) **قولہ: یفلِی ثوبہ** (لباس میں دیکھتے کہ کسی کی جوں تو نہیں گری) یعنی کپڑے میں دیکھتے کہ اس میں کسی کی جوں تو نہیں گری اور یہ اس روایت کے منافی نہیں ہے جو مروی ہے کہ جوں آپ کو تکلیف نہیں دیتی۔(مرقات)۔

قولہ حجزتہ: حا کے ضمہ اور ج کے سکون کے ساتھ یعنی تہبند باندھنے کی جگہ **لتساوی الکعبۃ** یعنی اس کی لمبائی کعبہ کے برابر ہے، اس شان وعظمت کے ساتھ اس کا ظاہر ہونا شاید اس معاملہ کی تعظیم اور ہیبت بتانے کے لئے ہے۔ **قولہ: ان شئت نبیا عبدا** یعنی اگر آپ بندہ کی طرح نبی رہنا چاہتے ہیں یعنی وصف نبوت وعبودیت کے جامع تو اسی کو اختیار کیجئے اور وہی ہو جائیے یا آپ کے لئے وہی ہے **قولہ: شئت نبیا ملکا** اگر آپ چاہیں بادشاہ کی طرح نبی رہیں تو اسی طرح ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار بخشا جو آپ چاہیں اختیار فرمائیں۔ اس میں اشارہ ہے ملوکیت اور کمال عبدیت جمع نہیں ہوتے۔(ماخوذ از مرقات)۔

ٹیک لگا کر تناول نہ کرتے(33)،فرماتے میں ایسے کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے اور ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے۔(شرح السنۃ)۔

31/7271۔حضرت عمرو بن سعید، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے عیال پر مہربان میں نے کسی کو نہیں دیکھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم مدینہ شریف کے قریب کسی قریہ(34) میں دودھ پینے کے لئے لیجائے گئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے جاتے اور ہم آپ کے ہمراہ ہوتے، آپ گھر میں تشریف لے جاتے(35) جبکہ وہ گھر دھویں سے پر رہتا کیونکہ حضرت ابراہیم کی دایہ کے خاوند لوہار

---

(33) **قولہ: لایاکل متکئا** (ٹیکہ لگا کر تناول نہ فرماتے) اکثر علماء نے اتکاء کی تفسیر دو جانب میں سے کسی ایک طرف مائل ہونے سے کی ہے، اس لئے کہ یہ طریقہ کھانے والے کو ضرر پہنچاتا ہے اور کھانا کو معدہ میں پہنچنے سے روکتا ہے، امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں محققین سے نقل فرمایا ہے ان حضرات نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کھاتے وقت تمکن کر کے بیٹھنا جیسے چارزانوں بیٹھنے والا اپنے بیٹھنے کی جگہ سے سہارا لیتا ہے، یہ بیٹھک زیادہ کھانے کی داعی ہے۔راوی کا یقول ماقبل کے مضمون کا ازسرِ نو بیان ہے۔اور آپ کا فرمان **آکل کمایاکل العبد** (میں ویسے ہی کھاتا ہوں جیسے بندہ کھاتا ہے) یعنی معمولی کھانوں میں سے بھی جو میسر ہو اس کو تناول فرماتے ہیں۔ **قولہ: واجلس کما یجلس العبد** (میں ایسے بیٹھتا ہوں جیسے بندہ بیٹھتا ہے) اب رہا گھٹنوں پر ہیئت نماز کی طرح تشریف رکھنا یہ سب سے بہتر ہیئت ہے یا تناول فرمانے وغیرہ کی حالت میں دو گھٹنوں میں سے ایک کھڑا رکھتے یا احتباء کی طرح دونوں گھٹنے کھڑے رکھتے، نماز کے علاوہ دیگر نشستوں میں بیٹھنے کا یہ زیادہ تر طریقہ ہے۔امام احمد، مسلم، ابوداؤد نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تین انگشتہائے مبارک سے تناول فرماتے اور دست مبارک پونچھنے سے قبل انگلیاں مبارک چوس لیتے۔ابن سنی اور طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب آپ پانی نوش فرماتے تو برتن ہٹا کر تین بار سانس لیتے، ہر سانس پر بسم اللہ پڑھتے اور ان کے آخر میں شکر ادا فرماتے۔(مرقات)۔

(34) **قولہ: فی عوالی المدینۃ** (مدینہ شریف کے فرازی علاقہ میں قریہ ہے) یہ عالیہ کی جمع ہے مدینہ شریف میں مسجد قبا کے فرازی علاقہ میں بنی قریظہ وغیرہ کے قریہ مراد ہیں۔(لمعات)۔

(35) **قولہ: فیدخل البیت** (پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے جاتے) یعنی جس گھر میں حضرت ابراہیم

پیشہ تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادہ کو لیتے اور چومتے ، پھر واپس تشریف لاتے۔ حضرت عمرو نے فرمایا جب حضرت ابراہیم کا وصال ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم میرے بیٹے ہیں، زمانۂ رضاعت میں ان کا وصال ہوا اور ان کی دو دایہ ہیں جو جنت میں ان کی مدت رضاعت کو تکمیل کریں گی۔(مسلم)۔

32/7272۔حضرت خارجہ بن زید بن ثابت نے فرمایا ایک جماعت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئی اور ان سے عرض کی، آپ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ بیان کیجئے، فرمایا: میں آپ کا پڑوسی تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو مجھے بلا بھیجتے تو میں اس کو آپ کے لئے لکھتا، جب ہم دنیوی باتوں کا ذکر کرتے تو آپ ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے(36) اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے، اور جب ہم کھانے

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) رضی اللہ عنہ ہیں وقولہ: کان ظئرہ قَیْنًا (آپ کی دایہ لوہار تھی) لفظ ظئر مذکر اور مونث کے لئے بولا جاتا ہے اور قین فتح کے ساتھ اس کا معنی لوہار ہے، دو جملے حالیہ ہیں جو معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوئے ہیں، معطوف علیہ فیدخل لا جبیت ہے اور معطوف فیأخذہ ہے (آپ ان کو لیتے) اور راوی کا قول قال عمرو (عمرو نے کہا) حضرت انس سے نقل کرتے ہوئے اور ارشاد گرامی انہ مات فی الثدی لفظ **ثدی** (عورت کا سینہ) ایام رضاعت سے کنایہ ہے محل ذکر کر کے حال مراد لیا گیا۔ امام طیبی نے فرمایا: عورت کے سینہ سے دودھ پینے کی عمر میں یا سینہ کے دودھ سے غذا حاصل کرنے کی حالت میں۔(مرقات)۔

(36) قولہ: اذا ذکرنا الدنیا ذکرھا معنا (جب ہم دنیوی امور کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ آپ اس کا ذکر کرتے) یعنی عبرت کے طور پر اور اس بارے میں جو راہ آخرت کے توشہ پر مددگار ہو، حاصل کلام یہ ہے کہ آپ اُنس ولطف کا کلام فرماتے تاکہ صحابہ کرام کو دوری کا احساس نہ ہو اور جس کلام کا وہ آغاز کرتے انہیں اسی کلام میں وعظ ونصیحت اور تبلیغ احکام کی طرف لے جاتے اور یہ روایت اس قول کے منافی نہیں جو آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان مبارک بند رکھتے مگر اس میں جو لایعنی نہیں ہوتی اور اس لئے کہ آپ کی محفل علم کی محفل ہوتی اور اس لئے بھی دنیا وطعام کے ساتھ علمی، حکمت والے، ادبی فوائد بھی ملے ہوتے، ان امور سے محفل خالی رہنے کو مقدر ماننے کی صورت میں، اس روایت میں بڑی شخصیت کا اپنے اصحاب کے ساتھ مباحات کی گفتگو کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور اس قسم کا بیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

کا ذکر کرتے تو ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے ، یہ سب میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان (37) کرر ہا ہوں ۔(ترمذی)۔

33/7273۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے بارے میں اختیار نہیں دیا گیا مگر آپ نے ان دو میں سے آسان کو اختیار فرمایا جب کہ وہ گناہ نہ ہو، اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اس سے دور رہتے (38)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی چیز میں بدلا نہ لیا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے تقدس کو پامال کیا جائے تو آپ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا انتقام لیتے ۔(بخاری، مسلم)۔

34/7274۔ان ہی سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا (39) اور نہ کسی عورت کو اور نہ کسی خادم کو، سوائے یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد ہو

---

(37) **قوله:فكلّ هذا احدثكم الخ** (یہ سب میں تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتا ہوں) اس جملہ سے مقصود صحت حدیث کی تاکید اور اس کے اہتمام کا اظہار ہے ۔(ماخوذ از مرقات)۔

(38) **قوله: كان ابعد الناس منه** (آپ سب سے زیادہ اس سے دوری اختیار فرماتے) اس وقت آپ دونوں میں زیادہ بہتر امر اختیار فرماتے اگر چہ وہ دشوار اور سخت ہو۔(ماخوذ از مرقات)۔

(39) **قوله: ما ضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک سے کسی کو نہیں مارا) یعنی کسی آدمی کو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اپنی سواری پر ضرب لگاتے ، راوی کا قول **لا امرأة و لا خادما** (نہ عورت کو نہ خادم کو) ان دونوں کا خاص طور پر ذکر ان کے اہتمام شان کے لئے اور ان کو اکثر مارنے کی وجہ سے اور اس کی ضرورت کی وجہ خصوصاً ذکر کیا گیا، ان کو مارنا اگر چہ اس کی شرائط کے ساتھ جائز ہے، مگر اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے، برخلاف اولاد کے کہ ان کی تربیت اولی ہے اس کی توجیہ بتائی گئی کہ لڑکے کو کسی مصلحت کی بناء پر مارنے سے اس کو مصلحت کا فائدہ ہوگا، اسی لئے معاف کرنا مندوب نہیں، برخلاف عورت اور خادم کے کہ یہ عموماً حظ نفس کے لئے ہوتا ہے تو ان کو معاف کرنا مخالف نفس اور غصہ کو پی جانے کی خاطر مندوب ہے۔راوی کا قول **الا ان يجاهد فى سبيل الله** (مگر یہ کہ فی سبیل اللہ جہاد فرمائیں) اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں ابی بن خلف کو مارا، اسسے مراد صرف کفار سے غزوہ ہی مراد نہیں بلکہ اس میں سزائیں اور تعزیرات وغیرہ بھی داخل ہیں۔

وقوله: وما نيل یعنی جو بھی اذیت آپ کو دی جاتی ۔(ماخوذ از: مرقات)۔

اور آپ کو کبھی بھی تکلیف پہنچائی جاتی، تکلیف دینے والے سے آپ انتقام نہ لیتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے محارم میں سے کسی حرمت کو پامال کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے انتقام لیتے۔(مسلم)۔

35/7275۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کل کے لئے کوئی چیز جمع کر کے نہ رکھتے(40)۔(ترمذی)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ عظیمہ اور عاداتِ کریمہ کا بیان ختم ہوا۔

(40) **قولہ: کان لا یدخر شیئا لغد** (آنے والے کل کے لئے ذخیرہ کر کے نہ رکھتے) اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کے خزانوں پر اعتماد کرتے ہوئے یہ آپ کی پاکیزہ ذات کی نسبت سے ہے، اب رہا اپنے اہل وعیال کے لئے تو بعض دفعہ ان کے ضعف حال اور قوت برداشت نہ ہونے اور قلتِ کمال کی بناء پر ان کے لئے ایک سال کا غلہ عطا فرمادیتے تھے۔(مرقات)۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

20/253 بَابُ الْمَبْعَثِ وَبَدْءِ الْوَحْيِ

بعثت اور وحی کی ابتداء کا بیان(1)

1/7276۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی(2)،اور آپ مکہ میں (13) تیرہ سال رہے آپ پر

---

(1) قولہ: المبعث. "مبعث". مصدر میمی ہے،"مبعث" کے معنی بھیجنا ہے۔علامہ ابن ملک نے ذکر کیا ہے کہ جب کسی کو بھیجا جاتا تو بُـعِـثَ کہا جاتا ہے۔مؤلف نے یہاں لفظ مبعث ذکر کیا اور مصدری معنی کو اختیار کیا وہ اس لئے کہ اصل فعل کی کیفیت پر دلالت کے ساتھ وہ زمان ومکان پر بھی مشتمل ہوتا ہے۔اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

وقولہ: البدء. علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: علامہ عیاض نے فرمایا: بدء مہموز ہے اور دال کو جزم ہے اس کے معنی ابتداء اور آغاز کے ہیں اور اس میں ہمزہ کے بجائے واؤ ہو اور واؤ کو تشدید اور دال کو پیش ہو تو یہ ظہور کے معنی میں ہے۔میں کہتا ہوں کہ جو روایات ہم تک پہنچی ہیں یہ لفظ ان میں سے کسی بھی روایت میں اعراب کی وضاحت کے ساتھ نہیں ہے، البتہ بعض روایات میں "کیف کان ابتداء الوحی" آیا ہے۔اس روایت سے پہلے معنی، یعنی ابتداء کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور مشائخ کرام کی زبانی بھی ہم نے یہی بات سنی ہے۔

وقولہ: الوحی . لغت میں وحی کے معنی "الاعلام فی خفاء" پوشیدہ طور پر اطلاع دینا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے اصل میں اس کے معنی کسی چیز کو اچھی طرح سمجھنا اور اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ". آپ کے رب نے شہد کی مکھی پر وحی بھیجی (یعنی اسکو سمجھا دیا) (16۔سورۃ النحل، آیت نمبر:68) اور شریعت میں وحی کی تعریف "الاعلام بالشرع" شریعت سے باخبر کرنا ہے اور کبھی وحی کا لفظ کہہ کر اسم مفعول "مُوْحٰی" مراد لیا جاتا ہے، یعنی اللہ کا کلام جو کسی نبی پر نازل کیا گیا۔(مرقات)۔

(2) قولہ: بُعِثَ. صیغہ ماضی مجہول ہے یعنی آپ شان رسالت کے ساتھ مخلوق کی طرف بھیجے گئے۔"وقولہ: لاربعین سنة" (چالیس سال کی عمر میں) علامہ طیبی نے فرمایا: اس میں "لام" وقت کے معنی میں ہے یعنی چالیس سال کی مدت مکمل ہونے کے وقت۔وقولہ مات وھو ابن ثلاث وستین سنة (63) سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا) یہی بات صحیح ہے، اور ایک قول پینسٹھ (65) سال کا ہے جیسا کہ آگے آنے والی حضرت ابن عباس رضی

وحی کی جاتی تھی، پھر آپ کو ہجرت کا حکم ملا تو آپ ہجرت کر کے دس سال رہے اور ترسٹھ (63) سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ (متفق علیہ)۔

2/7277۔ان ہی سے روایت ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ مکہ میں پندرہ (15) سال رہے(3) آواز سنتے تھے اور سات سال تک روشنی دیکھتے تھے اور کوئی چیز نہیں دیکھتے اور آٹھ سال آپ پر وحی نازل کی جاتی رہی اور آپ مدینہ میں دس (10) سال رہے اور پینسٹھ (65) سال کی عمر

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں مذکور ہے اس میں ولادت مبارکہ اور وصال مبارک کے دونوں سالوں کو شمار کیا گیا ہے۔اور ایک قول میں (60) ساٹھ سال ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس میں کسر کو حذف کر دیا گیا ہے۔(مرقات)۔

(3) **قوله: أقام رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة خمس عشرة سنة.** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں پندرہ (15) سال رہے) یعنی سال ولادت مبارکہ اور سال ہجرت کو شمار کر کے (15) سال۔

وقوله: يسمع الصوت (آواز سنتے) یعنی جبریل علیہ السلام کی آواز سنتے تھے، **وقوله ويرى الضوء** (اور روشنی دیکھتے تھے) یعنی سات سال تک تاریک راتوں میں نور یعنی ایک عظیم روشنی دیکھتے تھے۔علامہ طیبی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی نشانیوں میں سے سات سال تک خالص روشنی دیکھتے تھے (اور آپ نے روشنی کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھا یعنی اس کے ساتھ کسی فرشتہ کو نہیں دیکھا)۔

علماء نے فرمایا: خالص روشنی کو دیکھنا جس کے ساتھ فرشتہ نہیں تھا اس میں حکمت یہ تھی کہ آپ ابتداء میں خالص روشنی سے مانوس ہوجائیں فکر ختم ہوجائے اور یہ مشاہدہ بغیر فرشتے کے اس لئے تھا کہ ابتداء فرشتہ کو دیکھنے میں دہشت کی وجہ سے اس میں ذہول کا اور عقل کے جانے کا اندیشہ ہوسکتا ہے کیونکہ فرشتہ کو دیکھنا بہت عظیم معاملہ ہے۔

اور علامہ ابن ملک نے بہت اچھی بات فرمائی: اس میں راز یہ تھا کہ فرشتہ کے ساتھ ملکوتی روشنی اور نور ربوبیت ہمیشہ رہتا ہے اور کبھی جدا نہیں ہوتا شروع میں اسکو دیکھنے کے وقت بعض دفعہ بشری قوت اس کی طاقت نہیں رکھتی اور ہوسکتا ہے اسکی وجہ سے غشی رونما ہو اس لئے شروع میں روشنی کے ذریعہ آپ کو مانوس کیا گیا پھر آپ کے پاس فرشتہ آنے لگا۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ضوء (روشنی) سے مراد نزول وحی سے پہلے انشراح صدر ہوا اور اس انشراح کو ضوء (روشنی) نام دیا گیا۔اور انشراح صدر کا کمال چالیس سال پورے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے تاکہ آپ اللہ اور اسکی مخلوق کے درمیان واسطہ بننے کے لئے تیار ہوجائیں، **وقوله وثمان سنين يوحى اليه** یعنی مکہ میں آٹھ سال آپ پر وحی کا نزول ہوتا رہا۔(مرقات)۔

میں آپ کا وصال ہوا۔(مسلم)(4)۔

3/7278۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضور(صلی اللہ علیہ وسلم) کو پورے ساٹھ(60) سال کی عمر میں وصال عطا فرمایا(5)(متفق علیہ)۔

4/7279۔ان ہی سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا جب آپ ترسٹھ (63) سال کے تھے اور حضرت ابوبکر(6) کا بھی جب کہ آپ ترسٹھ(63) سال کے تھے اور حضرت

(4) **قولہ: رواہ مسلم.** صاحب مشکوۃ نے رواہ مسلم کی جگہ متفق علیہ کہا ہے۔علامہ میرک نے کہا: یہ بات واقعہ کے مطابق نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے اس حدیث شریف کی تخریج نہیں کی بلکہ یہ حدیث شریف صرف صحیح مسلم میں یہ ہے جیسا کہ امام حمیدی نے الجمع بین الصحیحین میں صراحت کی ہے اور ہمارے شیخ علامہ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔صاحب مشکوۃ کو یہ وہم کتاب جامع الاصول میں علامہ ابن اثیر کے عمل سے ہوا ہے۔حاصل کلام یہ ہے کہ ان کے ظاہر کلام سے صاحب مشکوۃ کو مغالطہ ہوگیا اور انہوں نے اصل ماخذ کی طرف رجوع نہیں کیا اسی لئے ان سے یہ بات سرزد ہوئی۔(واللہ اعلم)۔(مرقات)۔

(5) **قولہ: علی رأس ستین سنة.** (پورے ساٹھ(60) سال کی عمر میں) علامہ طیبی نے فرمایا علی راس ستین سنۃ کے مجازی معنی ''آخرہ'' ہے یعنی ساٹھ سال کے ختم پر جیسا کہ عرب مجازی طور پر ''راس آیۃ'' کہتے ہیں یعنی آیت کا آخری حصہ، کسی چیز کے آخر کو ''راس'' کہتے ہیں کیونکہ وہ اس جیسی دوسری آیت یا دوسری دہائی کا آغاز ہوتا ہے۔(مرقات)۔

(6) **قولہ: وابوبکر وھو ابن ثلاث وستین سنة.** (اور حضرت ابوبکر کا بھی جب کہ آپ ترسٹھ(63) سال کے تھے) جب کہ آپ کی خلافت دوسال چار مہینے تھے۔ **وقولہ وعمر وھو ابن ثلاث وستین.** صاحب مشکوٰۃ نے فرمایا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولؤلؤہ نے بروز چہارشنبہ جب ذوالحجہ کے ختم کو چاردن باقی تھے 23 ہجری مدینہ منورہ میں آپ کو شہید کردیا اور اتوار کے دن دس (10) محرم چوبیس 24 ہجری کو تدفین عمل میں آئی، آپ کی عمر بھی ترسٹھ(63) سال تھی آپ کی عمر کے بارے میں یہی قول قابل ترجیح ہے اور آپ کی خلافت دس سال چھ مہینے رہی۔

اب رہے سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو آپ ہفتہ کی شب بقیع میں دفن کئے گئے اس وقت آپ کی عمر 82 بیاسی سال تھی اور ایک قول میں (88) اسی پر آٹھ سال ہے آپ کی عمر کے بارے میں اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں اور آپ کی خلافت بارہ(12) سال رہی۔اب رہے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن خلیفہ ہوئے اور یہ جمعہ کا دن تھا ذوالحجہ کی 18 رتاریخ پینتیس (35) ہجری تھی، آپ کو شہر کوفہ میں

عمر کا بھی جب کہ آپ ترسٹھ (63) سال کے تھے (7)۔ (مسلم)۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری نے فرمایا: ترسٹھ سال کی روایات زیادہ ہیں۔

5/7280۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سب سے پہلے جو ہوا وہ سچے خواب ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی نے 17 رمضان المبارک 40 چالیس ہجری جمعہ کی صبح شہید کر دیا اور تین راتیں گزرنے کے بعد اسی حملہ کی وجہ آپ وصال پا گئے اور بوقت سحر تدفین عمل میں آئی اور اس وقت آپ کی عمر شریف ترسٹھ (63) سال تھی، ایک قول میں پینسٹھ (65)، ایک قول میں ستر (70) اور ایک قول کے مطابق آپ کی عمر شریف اٹھاون (58) سال تھی اور آپ کی خلافت چار (4) سال نو (9) ماہ اور چند دن رہی اور ہوسکتا ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی بقید حیات تھے حالانکہ راجح قول یہی ہے کہ آپ کی عمر 63 سال تھی، یا اس لئے کہ آپ کے پاس یہ بات ثابت نہیں تھی۔ اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔

(7) امام ترمذی نے روایت کیا ہے حضرت جریرؓ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال 63 سال کی عمر میں ہوا، اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی یہی عمر تھی۔ اور اس وقت میں بھی 63 سال کا ہوں یعنی میں توقع رکھتا ہوں کہ میں بھی ان حضرات کی موافقت میں اسی عمر میں انتقال کر جاؤں گا۔ اور کتاب جامع الاصول میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر بھی اس حدیث شریف کو بیان کرتے وقت یہی تھی لیکن اس عمر میں آپ کا وصال نہیں ہوا بلکہ آپ کا وصال (78) اٹہتر سال کی عمر میں ہوا، اور ایک قول میں ہے آپ کی عمر (86) چھیاسی سال تھی، علامہ میرک نے کہا ہے کہ آپ نے تمنا کی مگر مطلوب حاصل نہیں ہوا بلکہ آپ نے تقریباً (80) اسّی سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ میں کہتا ہوں: لیکن ان کو ان کی پسند کی چیز حاصل ہوگئی کیونکہ ان کی عمر کی زیادتی میں ان کی تمنا کے توافق کا ثواب مل گیا تو مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

قولہ: قال محمد بن اسماعیل البخاری ثلاث . (محمد بن اسماعیل بخاری نے کہا ترسٹھ سال...) لفظ ''ثلاث'' زیر کے ساتھ ہے اور تقدیری عبارت اس طرح ہے: روایۃ ثلاث وستین اکثر یعنی ترسٹھ سال کی روایت دوسری روایتوں سے زیادہ ہے اور امام احمد نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔ راجح اور مشہور قول کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، علماء

خواب نہیں دیکھتے مگر وہ صبح کی روشنی کی طرح ظاہر ہوجاتا(8) پھر خلوت نشینی آپ کیلئے پسندیدہ بنادی گئی(9)، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں خلوت اختیار کرتے تحنث کے معنی عبادت کرنا ہے(10)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن پیدا ہوئے اوراس بات میں اختلاف ہے کہ کیا وہ مہینہ کی آٹھ تاریخ ہے یا نو یا دس۔ اور آپ کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن چاشت کے وقت ہوا، آپ پر اللہ تعالیٰ کے درود اور سلام ہوں۔(مرقات)۔

(8) قولہ: اِلَّا جاءَ تْ . (مگر وہ صبح کی روشنی کی طرح نمایاں ہوجاتا) یعنی خواب اس سے مراد اس کی تعبیر اور تاویل ہے، جیسے صبح پھٹنے سے مراد اس کا روشن ہونا ہے، یعنی اس کی تعبیر اور تاویل کسی شک اور اشتباہ کے بغیر نہایت ظاہر اور واضح ہوجاتی، ''فلق'' لام کی حرکت کے ساتھ ہے، جس کے معنی صبح اور اس سے پھوٹنے والی روشنی ہے، قاضی عیاض نے فرمایا: ''فلق'' صبح کو کہتے ہیں، لیکن چونکہ یہ لفظ اس معنیٰ میں اور دوسرے معنیٰ میں استعمال کیا جائے ، جیسے: ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ '' وغیرہ میں مذکور ہے تو اس کی طرف خاص کرنے کے لئے اور وضاحت کے لئے اضافت کی جاتی ہے، یہ عام کی اضافت خاص کی طرف ہوتی ہے جیسے عین شئی اور نفس شئی۔ امام نووی کی شرح مسلم میں مذکور ہے کہ علماء نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خواب سے آغاز کیا گیا تاکہ آپ کی خدمت میں فرشتہ اچانک نہ آئے اور یکایک نبوت کا اعلان نہ ہو کہ کہیں بشری قوتیں اُسے برداشت نہ کریں اسی وجہ سے مانوس کرنے کے لئے عظمت کی علامتوں کے ساتھ اور سچے خوابوں کے ذریعہ آغاز کیا گیا۔

میں کہتا ہوں: دینی امور اور دنیوی امور میں تدریجی طور پر ہونے والے کاموں کا تقاضہ یہی ہے۔(ماخوذ از لمعات ومرقات)

(9) قولہ: ثم حبب الیہ الخلاء . (پھر آپ کے نزدیک خلوت....) لفظ خلاء مد کے ساتھ ہے یعنی گوشہ نشینی، امام نووی نے فرمایا: گوشہ نشینی صالحین اور اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے بندوں کی نشانی ہے۔

علامہ خطابی نے فرمایا: آپ کے لئے خلوت نشینی پسندیدہ بنادی گئی کیونکہ خلوت نشینی میں دل فارغ رہتا ہے، جو غور وفکر کے لئے مددگار ہے، اسی کے ذریعہ بندہ انسانی خواہشات سے دور ہوتا ہے، دل میں خشوع اور فکر میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے اور خلوت اور جلوت، میل ملاپ اور گوشہ نشینی کے افضل ہونے کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے، اور راجح بات یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنی معتبر شرائط کے ساتھ اس کے مقام پر افضل ہے۔

قولہ: حراء . حاء کے زیر کے ساتھ، راء بلاتشدید اور مد کے ساتھ ہے اور وہ ایک پہاڑ ہے، اس کے اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے یہ مکہ مکرمہ سے منیٰ کی طرف چلنے والے کے لئے بائیں جانب واقع ہے۔(مرقات)۔

(10) قولہ: وھو . یعنی عبادت کرنا، لفظ تحنث کی وضاحت تعبد یعنی عبادت سے جو کی گئی، یہ وضاحت یا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے ہے یا امام زہری کا قول ہے جسے راوی نے حدیث کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(مرقات)۔

اور گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے(11) کئی راتیں عبادت کیا کرتے ، پھر اس کے لئے توشہ لے جاتے(12) ، پھر حضرت خدیجہ کے پاس لوٹ کر آتے تو وہ اسی طرح توشہ تیار کرتیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق آ گیا جب کے آپ غار حرا میں تھے تو آپ کی خدمت میں فرشتہ حاضر ہوا اور عرض کیا: پڑھئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پڑھنے والا نہیں(13)، اور فرمایا:

---

(11) **قوله: الليالي ذوات العدد** . (کئی ایک راتیں عبادت کیا کرتے) یہ لفظ **يتحنث** کا متعلق ہے، **تعبد** کا نہیں، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم متعدد راتیں عبادت کرتے تھے، راتوں کو مطلق بیان کیا گیا اور یہاں بطور غلبہ اس دن کے ساتھ مراد لی گئیں کیونکہ یہی خلوت نشینی کے لئے زیادہ مناسب ہے اور چند راتیں مراد لینے کے لئے "**ذوات العدد**" کے لفظ سے صفت لائی گئی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: "**دراهم معدودة**" چند دراہم۔

(12) **قوله: قبل أن ينزع الى أهله** (اپنے گھر والوں کے پاس جانے سے پہلے) کہا جاتا ہے **نزع الى اهله** یعنی مشتاق اور مائل ہونا، اسی وجہ سے کہا گیا "**ينزع**" یہ لفظ "**يرجع**" کی طرح ہے۔

قوله: ويتزود . پیش کے ساتھ ہے، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے پاس تشریف لاتے اور اپنا توشہ لیتے ،**لذلک** (اس کے لئے) یعنی چند راتیں عبادت کرنے کے لئے۔

قوله: فيتزود لمثلها . یعنی آپ اُتنی راتوں کے لئے توشہ حاصل کر لیتے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ توشہ لینا توکل اور بھروسے کے خلاف نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح آتے جاتے رہے۔

قوله: حتى جاء ه الحق . (یہاں تک کہ آپ کے پاس حق آ گیا) یعنی حق کا معاملہ آ پہنچا اس سے مراد وحی ہے۔(مرقات)۔

(13) **قوله: ما انا بقارئ** . (میں پڑھنے والا نہیں) شارحین کی وضاحت سے یہ ظاہر ہے کہ اس جملہ کے ہر مرتبہ ایک ہی معنی ہیں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ "**ما**" نفی کے لئے ہے، دوسری مرتبہ سوال کے لئے ہے اور "**باء**" زائدہ ہے یا مصر والوں کی لغت کے اعتبار سے "**اي شيئ**" کے معنی میں ہے یعنی میں کیا چیز پڑھوں؟۔

قوله: ما أنا بقارئ . کا مفہوم یہ ہے کہ جس کو میں پڑھنے والا ہوں وہ کیا ہے؟ یہ مفہوم اس وقت ہے جبکہ "**ما**" موصولہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، اس مفہوم کے درمیان اور اس سے پہلے بیان کئے گئے مفہوم کے درمیان معنوی فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں سوال بطور انکار ہے اور اس معنیٰ میں سوال اعلامی یعنی وضاحت چاہنے کے لئے ہے۔(مرقات)۔

تو اُس نے مجھے پکڑا اور دبایا(14) یہاں تک کہ میری وجہ سے اس کو مشقت پہونچی پھر فرشتہ نے مجھے چھوڑ دیا اور عرض کیا: پڑھئے، تو میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں، تو اُس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبایا یہاں تک کہ میری وجہ سے اسکو مشقت پہونچی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور عرض کیا: پڑھئے، تو میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں، تو اُس نے مجھے پکڑا اور تیسری مرتبہ دبایا یہاں تک کہ میری وجہ سے اس کو مشقت پہونچی، پھر مجھے چھوڑ دیا اور عرض کیا: اپنے رب کے نام سے پڑھئے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھئے اور آپ کا رب نہایت کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ سکھایا، سکھایا انسان کو وہ جو وہ نہیں جانتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کو لیکر واپس ہوئے(15) جبکہ آپ کا مبارک دل حرکت کر رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کے پاس

---

(14) قولہ: فغطنی . (تو اس نے مجھے دبایا)"غ" سے ہے، طاء کی تشدید کے ساتھ ہے یعنی اُس نے مجھے دبایا، چمٹایا اور نچوڑا۔

قولہ: حتی بلغ منی الجھد . (یہاں تک کہ وہ میری وجہ سے مشقت کو پالیا) امام نووی نے فرمایا: لفظ "جھد" جیم کے زیر اور پیش کے ساتھ ہے، اس کے معنیٰ انتہاء اور مشقت کے ہیں، دال کو زبر اور پیش پڑھنا درست ہے، زبر کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ جبریل علیہ السلام مشقت کو پہنچ چکے اور پیش کی صورت میں یہ معنیٰ ہے کہ مشقت اپنی انتہاء کو پہنچ گئی۔ ان دونوں صورتوں کو یعنی دال کے زبر اور پیش کی صورتوں کو صاحب تحریر نے ذکر کیا ہے۔ (ماخوذ از لمعات ومرقات)۔

(15) قولہ: فرجع بھا (ان آیتوں کے ساتھ واپس ہوئے) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آیتیں لے کر واپس ہوئے۔

قولہ: واخبرھا الخبر . (آپ نے ان کو واقعہ کی خبر دی) یعنی جو واقعہ ہوا اس کی خبر دی، یہ جملہ حالیہ ہے جو قول اور مقولہ "لقد خشیت" کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: لقد خشیت علی نفسی (اور میں اپنے اوپر اندیشہ کیا) امام نووی کی شرح مسلم میں ہے: قاضی عیاض نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو عطا فرمایا اس جملہ سے اُس میں شک مراد نہیں ہے لیکن کبھی یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس معاملہ کا سامنا کرنے کی طاقت نہ رہے گی اور وحی کا بار اٹھانے کی قوت نہ ہوگی کہ روح جسم سے نکل جائے۔ (مرقات)۔

تشریف لائے اور فرمایا: مجھے چادر اڑھا دو، تو انہوں نے آپکو چادر اڑھا دی، یہاں تک کہ آپ سے فکر دور ہوئی تو حضرت خدیجہ سے فرمایا: اور واقعہ بیان کیا، یقیناً میں اپنے اوپر اندیشہ کرتا ہوں، تو حضرت خدیجہ نے عرض کیا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بے مدد نہیں چھوڑے گا، یقیناً آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بات کہتے ہیں، کمزور لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں(16)، ضرورت مند کے لئے کسب فرماتے ہیں(17)، مہمان کی ضیافت کرتے ہیں اور راہ حق کی مصیبتوں میں مدد فرماتے ہیں(18) پھر حضرت خدیجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی ہیں، انہوں نے کہا: اے میرے چچازاد بھائی(19)! اپنے بھتیجہ سے سنو، تو ورقہ نے حضور

---

(16) **قولہ: وتحمل الکلَّ** (آپ کمزور کا بوجھ اٹھاتے) یہ وہ شخص ہے جو اپنے معاملہ میں مستقل نہیں ہے، کبھی اُسے بوجھل سے تعبیر کیا جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ کمزور کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، کمزور کا بوجھ اٹھانے میں ناتواں یتیم بیوہ خواتین پر اور اہل وعیال میں مرد و عورت پر خرچ کرنا داخل ہے۔ (مرقات)۔

(17) **قولہ: تکسب المعدوم** (ضرورت مند کے لئے کسب فرماتے ہیں) معنی یہ ہے کہ آپ بھلائی کے لئے مال حاصل کرتے ہیں یا ضرورتمند کو عطا فرماتے ہیں تو تنگدست فی نفسہ معدوم ہے یا مالدار کی نظر میں معدوم ہے۔ (مرقات)۔

(18) **قولہ: وتعین علی نوائب الحق** (اور آپ راہ حق کی مصیبتوں میں مدد فرماتے ہیں) یعنی اُن مصیبتوں کے وقت مدد فرماتے ہیں جو حق کی تقدیر کی وجہ سے مخلوق پر آتی ہیں یعنی باری باری آتی ہیں، کہا گیا کہ نائبۃ کی جمع نوائب ہے حادثہ کو کہا جاتا ہے، اس کی اضافت حق کی طرف کی گئی اس لئے کہ مصیبت کبھی خیر میں واقع ہوتی ہے اور کبھی شر میں واقع ہوتی ہے۔ (مرقات)۔

(19) **قولہ: إسمع من ابن اخیک** (اپنے بھتیجے سے سنو) یہ مجاز کے طور پر ہے، جیسے اُن کا کہنا ہے: اے عرب کے بھائی۔ ایک شارح نے کہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ تعظیم کے طور پر فرمایا حقیقت کے اعتبار سے نہیں۔

قولہ: یا لیتنی فیھا (اے کاش میں ان دِنوں میں) یعنی اعلان نبوت کے زمانہ میں۔

لفظ "جذع" جیم کے زبر اور ذال کے ساتھ ہے، یعنی مضبوط طاقتور نوجوان ہوتا ہے، یہاں تک کہ آپ کی بھرپور مدد کرتا، یہ جوان گھوڑے کے درجہ میں ہے وہ ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیسرے سال میں داخل ہو چکا ہو لفظ جذع دراصل چوپایوں کے لئے مستعمل ہے اور یہاں بطور استعارہ لایا گیا ہے، اور اُس کو زبر "کنت" پوشیدہ کی وجہ سے ہے، کاش میں زندہ ہوتا یعنی اگرچہ طاقتور نہ رہوں۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے میرے بھتیجہ ! آپ کیا دیکھتے ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلادیا جو آپ نے دیکھا تھا، تب ورقہ نے کہا: یہی وہ ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا، اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش! میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی، تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ مجھے نکالنے والے ہیں؟ ورقہ نے کہا: ہاں! کسی صاحب نے اس جیسی چیز نہیں لائی جو آپ لائے مگر اُن سے دشمنی کی گئی اور اگر آپ کا وہ دن مجھے مل جائے تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا، پھر ورقہ کچھ عرصہ نہیں ٹھیرے کہ انکا وقت آ گیا اور وفات پاگئے اور نزول وحی کا سلسلہ رک گیا۔

6/7281۔امام بخاری نے ان الفاظ کا اضافہ کیا: یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے(20)، اور ہم کو جو روایت پہنچی ہے اس میں یہ ہے کہ آپ اس کی وجہ سے بہت رنجیدہ متعدد مرتبہ صبح گئے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے اپنے آپ کو گرائیں، جب کبھی آپ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچتے تا کہ اپنے آپ کو اس سے گرادیں تو حضرت جبریل علیہ السلام سامنے آتے اور عرض کرتے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول برحق ہیں تو اس کی وجہ سے آپ کی بے چینی

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **قوله: او مخرجی هم** (کیا وہ مجھے نکالنے والے ہیں) یہ سوال ان کے اس اقدام پر بطور تعجب معلوم کرنا ہے تا کہ مقصود پختہ ہوجائے، **قوله: مؤزر**. زاء کوزبر اور تشدید کے ساتھ یعنی "ازر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں، میں کہتا ہوں: اس سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اُشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ". (20۔سورۃ طہ، آیت نمبر: 31) ان کے ذریعہ میری طاقت کو مضبوط کر۔(مرقات)۔

(20) **قوله: فيما بلغنا** (اس روایت میں جو ہم کو پہونچی ہے) یعنی آپ کے غم پر دلالت کرنے والی جو احادیث ہم تک پہنچی ہیں، اور وہ فعل اس کے مصدر کے درمیان حائل ہے، اور یہ فعل اس کے مصدر منصوب کے درمیان حائل ہے، مصدر کو زبر مفعول مطلق ہونے کی بنیاد پر ہے، "حزنا" میں پیش کے بعد جزم ہے اور دونوں کو زبر پڑھنا درست ہے۔یعنی بہت غم، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ صبح کے وقت آپ اس غم کی وجہ سے تشریف لے جاتے یا وحی کے موقوف ہونے کی وجہ سے۔

قوله: كي يتردى یعنی تا کہ گر جائیں۔ **أوفى** کے معنی ملنا اور لاحق ہونا ہے۔(مرقات)۔

سکون پاتی اور دل مطمئن ہوتا۔

صاحب درمختار نے کہا(21): کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے کسی اور نبی کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے؟ ہمارے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ: نہیں! بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام کی شریعت سے جو کشف صادق ظاہر ہوتا آپ اس کے مطابق عمل کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غار حرا میں عبادت کرنا، ثابت ہے۔(بحر)۔

صاحب مرقات نے کہا: اس حدیث شریف سے حنفی فقہاء استدلال کرتے ہیں کہ " بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ" سورتوں کے آغاز میں قرآن کی آیت نہیں کیونکہ یہاں اُس کا ذکر نہیں

(21) قولہ: المختار عندنا لا. صاحب ردالمحتار نے فرمایا: ان کا قول "ہمارے پاس مختار یہ نہیں ہے" صاحب تقریر اکملی نے اس کی نسبت ہمارے محققین فقہاء کی طرف کی ہے اور زیادہ مناسب یہی ہے، "تقریر اکملی" میں ہمارے محقق اصحاب کی نسبت مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسالت سے پہلے مقام نبوت میں کبھی کسی نبی کی امت میں شامل نہ رہے الخ۔ صاحب "نہر" نے اس قول کی نسبت جمہور کی طرف کی ہے اور محقق ابن ہمام نے "تحریر" میں اس بات کو ترجیح دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس طریقہ پر عبادت کرتے تھے جس کا شریعت ہونا آپ کے پاس ثابت ہوتا اور یہ خاص شریعت نہیں تھی اور نہ آپ اس شریعت والوں میں شامل رہے۔ حافظ عسقلانی نے فرمایا: آپ کی عبادت کے طریقہ سے متعلق وضاحت نہیں آئی ہے، لیکن ابن اسحٰق کے پاس عبید بن عمیر کی روایت میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو کھانا کھلاتے جو آپ کے پاس حاضر ہوتے، اور بعض مشائخ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تفکر کے ذریعہ عبادت کرتے اس بات کو امام سیوطی نے صحیح مسلم کے حاشیہ میں ذکر کیا، امام ابن ہمام کی "تحریر" میں مذکور ہے: راجح بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے جو عبادت کرتے ایک قول میں حضرت نوح علیہ السلام کی شریعت کے مطابق، ایک دوسرے قول میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے مطابق، ایک قول میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ایک قول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت فرماتے۔ مالکیہ نے اور علامہ آمدی نے اس کی نفی کی ہے اور امام غزالی نے آپ سے پہلے انبیاء میں سے کسی کی شریعت کے مطابق آپ کی عبادت کے بارے میں توقف کیا ہے، شرح تحریر میں ہے: امام الحرمین علامہ مازری اور دیگر حضرات نے فرمایا: اصول فروع میں اس مسئلہ کا کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ بعثت سے پہلے آپ کی عبادت منقول تو اریخ کے مطابق رہی ہے اور اس پر شریعت میں حکم مرتب نہ ہوگا۔

کیا گیا۔

7/7282۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روات ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چند دن وحی کے رک جانے سے متعلق(22) فرماتے ہوئے سنا آپ نے فرمایا: میں چل رہا تھا آسمان سے ایک آواز سنا تو اپنی نظر اٹھایا تو اچانک وہ فرشتہ جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے تو اس سے رعب کی بناء پر بےقراری میں ڈالدیا گیا یہاں تک کہ میں زمین کی طرف اترا اور اپنے گھر والوں کے پاس آیا اور کہا: مجھے کمبل اوڑھادو، مجھے کمبل اوڑھادو، تو وہ مجھے اوڑھادیئے پس اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں: ''یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ . قُمْ فَاَنْذِرْ . وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ . وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ . وَ الرُّجْزَ فَاھْجُرْ ''. (74۔سورۃ المدثر، آیت نمبر:1/5)''اے چادر اوڑھنے والے اٹھو اور آگاہ کرو اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو اور گندگی کو چھوڑے رہو''۔ پھر وحی کا سلسلہ گرم ہوگیا اور وہ مسلسل آنے لگی۔(متفق علیہ)۔

8/7283۔یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے قرآن کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: ''یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ'' ہے، تو میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ '' پہلی آیت ہے، تو ابوسلمہ نے کہا : میں نے اس کے بارے میں حضرت جابر سے پوچھا اور ان سے اسی طرح کہا جو تم نے مجھ سے کہا ہے تو حضرت جابر نے مجھ سے کہا میں تم سے وہی بات کہہ رہا ہوں جو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(22) قولہ: عن فترۃ الوحی (یعنی وحی کے چند دن رک جانے کے اور پھر اس کے مسلسل آنے کے بارے میں)۔
قولہ: فجئثت (میں فکر میں ڈالدیا گیا) جیم کو پیش ہمزہ کو زیر اور ثاء کو جزم ہے (ماضی مجہول واحد متکلم) یعنی میں فکرمند اور خوفزدہ ہوگیا۔ قولہ حتی ھویت اس میں ''واؤ'' کو زبر (فتحہ) ہے یعنی میں زمین پر آگیا اور اتر گیا۔
قولہ:''فَاَنْذِرْ'' یعنی لوگوں کو عذاب کا خوف کا خوف دلا کر آگاہ کرو اور مومنین کو مختلف قسم کے ثواب کی خوشخبری دو۔ یہاں صرف کافروں اور بدکار لوگوں کے غلبہ کی وجہ سے ڈرانے پر اکتفا کیا گیا یا اختصار سے کام لیا گیا۔(مرقات)۔

بیان فرمائی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں حراء میں ایک مہینہ اعتکاف رکھا(23) اور جب میں اپنا اعتکاف پورا کیا تو نیچے اتر آیا، تو مجھے آواز دی گئی تو سیدھی جانب نظر کیا کوئی چیز نہیں دیکھا اور بائیں جانب نظر کیا کوئی چیز نہیں دیکھا اور پیچھے دیکھا تو کوئی چیز نہیں دیکھا تو میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا(24) تو ایک چیز دیکھا تو میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا اور کہا مجھے کپڑا اوڑھا دو تو وہ مجھے کپڑا اوڑھا دیئے اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالے پھر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئیں یا: "یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ . قُمْ فَاَنْذِرْ . وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ . وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ . وَ الرُّجْزَ فَاھْجُرْ ". (74۔سورۃ المدثر، آیت نمبر:1/5) انہوں نے کہا یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔(متفق علیہ)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اقرأ کی آیت حقیقت میں پہلی آیت ہے(25) اور "یٰٓاَیُّھَا

(23) قوله: شهرا. اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ وحی کے موقوف رہنے کا عرصہ ایک مہینہ کا تھا۔
قوله: جواری. جیم کو زیر کے ساتھ یعنی میری مجاورت اور میرا اعتکاف۔(مرقات)۔

(24) فرفعت رأسي فرأيت شيئا (میں اپنا سر اوپر اٹھایا تو ایک چیز دیکھا) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول یہ بات گزر چکی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی موقوف رہنے کی مدت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چل رہا تھا کہ آسمان سے ایک آواز سنا اور اپنی نگاہ اٹھایا اس فرشتہ کو دیکھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا۔(الحدیث) اس حدیث شریف سے اس بات کی صراحت ہوجاتی ہے کہ یہاں اولیت اضافی ہے یعنی پہلی آیت سے وحی موقوف ہونے کی مدت کے بعد پہلی آیت مراد ہے۔(مرقات)۔

(25) قوله: ان اقرأ اوله الحقيقي. (اقرأ کی آیت حقیقی پہلی آیت ہے) اسی لئے بعض محققین نے کہا ہے جنہوں نے "یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" کو پہلی آیت کہا ہے ان کا قول ضعیف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ اول علی الاطلاق یعنی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ" ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، اب رہا آیت "یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" کا نزول تو وہ فترت وحی کے بعد ہے، اور جیسا کہ امام زہری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وھو يحدث من فترة الوحي سے "یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ" تک کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں، اور امام نووی نے فرمایا مفسرین کرام میں سے جنہوں نے یہ کہا کہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی ہے یہ قول صحیح نہیں ہے، لیکن اس میں بحث ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ سب سے پہلی مکمل نازل ہونے والی سورت سورہ فاتحہ ہے یا

الْمُدَّثِّرُ ‘‘ کی آیت دوسری آیتوں کی بہ نسبت پہلی ہے۔

9/7284۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی وقت میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے(26)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس قول کے مطابق کہ سورہ فاتحہ مدنی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ مدینہ میں نازل ہونے والی سب سے پہلی سورت ہو۔یا سورہ اقرأ اور سورہ المدثر کے بعد نازل ہونے والی پہلی سورت ہو۔تو اس کی اولیت بھی اولیت اضافی ہوگی۔اور حدیث شریف کے ان الفاظ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مدثر کی یہ آیتیں نماز کے فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہیں،یعنی وہ نماز جس کی صحت یا اس کا کمال سورہ فاتحہ کی تلاوت پر موقوف ہے۔اور اللہ بہتر جاننے والا ہے۔(مرقات)۔

(26) **قوله: أحيانا يأتيني مثل صلصلة الجرس الخ.** (بعض اوقات وہ میرے پاس گھنٹی کی جھنکار کی طرح آتی ہے)علامہ تورپشتی نے فرمایا: گمراہ لوگ اس حدیث شریف سے غلط مفہوم لیتے ہیں اور عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور انہیں شک میں مبتلا کرنے کے لئے اس حدیث کو ذریعہ بنالیتے ہیں حالانکہ یہ ایک روشن حق ہے اور ایک ایسا نور ہے جو مبارک درخت سے روشن ہے جس کا تیل قریب ہے کہ روشن ہوجائے اگرچہ آگ اُسے مس نہ کرے،اس میں وہی شخص غلطی کرتا ہے جس کے دل کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ اندھا کردے۔

ہم اس بات میں خلاصہ کلام کے طور پر کہیں گے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ پر معین اور اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنے والے اور امور غیبیہ بتلانے والے اور قلبی مناجات کے لئے مخصوص تھے اور امت کو اسکی حسب استعداد اس کا حصہ سرفراز کرتے تھے اور ان امور میں سے کوئی بات بتلانا چاہتے جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں تو اس کے لئے عالم شہادت کی مثالیں بیان فرماتے کہ وہ اپنے مشاہدہ کے امور کے ذریعہ ان امور کو سمجھ سکیں جن کا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا۔صحابی رضی اللہ عنہ نے جب وحی کی کیفیت سے متعلق دریافت کیا اور یہ اُن گہرے مسائل اور نادر علوم سے ہے جس کے چہرے سے ہر طالب علم اور علم چاہنے والے کے لئے ہر عالم اور سیکھنے والے کیلئے نقاب ہٹایا نہیں جاسکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے عالم شہادت میں ایسی مسلسل آواز سے تشبیہ دی جس کو سنا جاسکتا ہے مگر اس سے کچھ سمجھا نہیں جاسکتا،اس بات پر متنبہ کرنے کے لئے اس کی خبر جلال و کبریائی کے لباس قلب پر اترتی ہیں اور جس وقت وہ قلب پر اترتی ہیں تو خطاب کی ہیبت دل کے سارے مقامات کو گرفت میں لے لیتی ہے اور اس قول کے ثقل وزن سے ایک کیفیت لاحق ہوجاتی ہے کہ اس قول کے موجود ہونے کے باوصف اُسے

اور وہ مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے تو وہ ختم ہوتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا میں اس سے یاد کرلیا ہوتا ہوں، اور کسی وقت فرشتہ میرے پاس مرد کی شکل میں آتا ہے اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کرتے جاتا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) گفتگو کا جامہ نہیں پہنایا جاسکتا اور جب وہ کیفیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوجاتی ہے تو وہ نازل شدہ قول دل میں موجود اور قابل سماعت کلام کے درجہ میں پایا جاتا ہے اور آپ کا ارشاد **فیفصم وقد وعیت** کا یہی مفہوم ہے، **یفصم** کے معنی وحی کی شدت کا ختم ہونا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو تشبیہ دی ہے بخارزدہ شخص کی حالت سے جب اس کا بخار ختم ہوجاتا ہے۔ اور **افصم المطر** بھی کہا جاتا ہے جب بارش ختم ہوجاتی ہے اور وحی کی یہ قسم فرشتوں پر آنے والی وحی کے مشابہ ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آسمان میں جب کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اس کے فرمان کی اطاعت کرنے کے لئے اپنے پروں کو پھڑ پھڑاتے ہیں گویا چٹان پر زنجیر کھینچی گئی اور جب ان کے قلوب سے وہ کیفیت دور ہوجاتی ہے تو کہتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا: تو کہتے ہیں حق ہے اور وہی بلند وبالا ہے اس بات کو دیاد رکھو۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو طریقہ سے وحی آتی تھی، اور پہلا طریقہ دوسرے سے سخت ہوتا تھا وہ اس لئے کہ اس طریقہ میں بشری طبعیت سے ملکوتی کیفیت کی طرف لوٹنا ہوتا تھا اور اس حالت میں فرشتوں پر وحی نازل ہونے کی طرح نزول وحی ہوا کرتا تھا، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰعنہ کی روایت میں ہے اور یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور دوسرے طریقہ میں فرشتہ بشری شکل میں آتا تھا اور یہ طریقہ آسان ہوتا تھا، علامہ طیبی نے فرمایا یہ بات بعید نہیں کہ وہ حقیقت میں ایسی آواز ہو جو معانی کو شامل ہو اور نفس کو اس سے مناسبت نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے دہشت ناک ہو، لیکن دل کو اس سے مناسبت کی وجہ اس میں اسکا معنی پلادیا اور جمادیا جائے اور جب وہ آواز ختم ہوجائے تو نفس ہوش میں آجائے پھر نفس دل سے وہ معنی جو دل میں ڈالے گئے ہیں حاصل کرلے اور اس کو یاد کرے اور سمجھ لے باوجودیکہ اس کیفیت کا علم ان اسرار میں سے ہے جس کو عقل ادراک نہیں کرسکتی۔ اور شرح مسلم میں ہے قاضی عیاض نے فرمایا اس جیسے جو امور آئے ہیں اُنہیں اپنے ظاہر پر رکھا جاتا ہے اور اسکی کیفیت اور اس کی صورت ان امور میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا اور پھر وہ فرشتے یا رسول جان سکتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان امور سے کسی چیز پر واقف کیا ہو۔ اور کمزور نظر وفکر اور کمزور ایمان والا ہی اس کی تاویل کرتا ہے اور اسے اس کے ظاہر سے ہٹاتا ہے کیونکہ اس کو شریعت نے بیان کیا اور عقلی دلائل اُسے اپنے معنیٰ سے نہیں ہٹا سکتے۔ (مرقات)۔

ہوں کچھ وہ کہتا جاتا ہے، حضرت عائشہ نے فرمایا(27) میں آپ کو سخت سردی کے دن دیکھی آپ پر وحی نازل ہوتی اور وہ آپ سے ختم ہوتی حال یہ ہوتا کہ آپ کی مبارک پیشانی پسینہ سے بہہ رہی ہوتی۔(متفق علیہ)۔

10/7285۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ اسکی وجہ سے فکرمند ہوجاتے(28) اور آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہوجاتا۔

11/7286۔اور ایک روایت میں ہے آپ اپنا سر مبارک جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے اور جب وحی پوری ہوجاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھا لیتے۔(مسلم)۔

12/7287۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا جب آیت" وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ " (26۔سورۃ الشعراء،آیت نمبر:214)(اورآپ اپنے قرابت داروں کو آگاہ کردیجئے) نازل ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صفا پہاڑ پر چڑھے اور آواز دینے لگے: اے بنی فھر! اے بنی عدی! ایک ایک قبائل قریش کو آواز دیتے گئے یہاں تک کہ وہ جمع ہوگئے، اور کوئی شخص نہیں آسکا تو وہ اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ دیکھے وہ کیا ہے اور ابولہب اور قریش سب

---

(27) **قولہ: قالت عائشۃ.** (حضرت عائشہ نے فرمایا) علامہ کرمانی نے فرمایا ہے: ہوسکتا ہے کہ یہ روایت سابق سند میں داخل ہو خصوصاً اس وقت جب کہ عطف میں حرف عطف کو حذف کرنا جائز ہو۔ اور اگر وہ اس سابق سند میں داخل نہ ہو تو اس کے لئے دوسری نئی سند ہوگی امام بخاری نے اس کو شدت کے معاملہ کی تائید و تاکید کے لئے بطور تعلیق ذکر کیا ہوگا اور علامہ عسقلانی نے فرمایا: یہ حدیث اس سے پہلے والی سند کے ساتھ ہے اگرچیکہ حرف عطف کے بغیر ہے۔(مرقات)۔

(28) **قولہ: کرب لذلک.** (اس کی خاطر فکرمند ہوجاتے) کرب اور **کربۃ** وہ غم اور فکر ہے جو نفس کو گرفت کرلیتا ہے **کربۃ الغم** کہا جاتا ہے، **وقولہ فلما اتلی** نسخوں میں یہی روایت مشہور ہے اور اسکے معنی ہے جب آپ سے وحی مکمل ہوجاتی اور مسلم کے بعض نسخوں میں لفظ اجلی جیم کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں **انجلی** ہے سب کے معنی یہی ہیں کہ جب وہ ختم ہوتی اور وہ کیفیت زائل ہوجاتی اور شرح السنہ کی ایک روایت میں **فلما اقلع** ہے علامہ سید نے فرمایا: راجح قول **فلما اتلی عنہ** ہے۔(علامہ سید)۔

آ گئے تو آپ نے فرمایا: تم مجھے بتاؤ اگر میں تم کو یہ خبر دوں کے گھوڑ سوار فوج اس پہاڑ کے کنارے سے نکل کر آ ئیگی (29)۔

13/7288۔ اور ایک روایت میں اس وادی میں گھوڑ سوار فوج نکل کر آ ئیگی اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں ہم نے آپ پر تجربہ نہیں کیا مگر سچائی کا، آپ نے فرمایا: میں تم کو ایک سخت عذاب سے آ گاہ کر رہا ہوں۔ ابولہب نے کہا: آپ کا برا ہو، کیا آپ نے ہم کو اسی کے لئے جمع کیا تھا تب آیت "تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ"۔(111۔سورۃ اللھب، آیت نمبر: 1) (ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوگیا) نازل ہوئی۔(متفق علیہ)۔

14/7289۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے اور قریش کی جماعت اپنی نشست گاہوں میں بیٹھی ہوئی تھی ایک کہنے والے نے کہا: تم میں کون فلاں خاندان کے اونٹ کے پاس اٹھ کر جائیگا اور اس کا گوبر (30) اس کا خون اسکی بچہ دانی لائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

(29) قولہ: تخرج. یعنی فوج نکل کر آ رہی ہے۔
وقولہ: من صفح هذا الجبل. یعنی اس پہاڑ کے کنارے سے وقولہ بین یدی عذاب شدید یہ عذاب یا تو دنیا میں آ ئیگا یا آخرت میں آ ئیگا۔(مرقات)۔

(30) قولہ: فرثها. گوبر، صحاح میں ہے: جب تک وہ اوجڑی میں رہتا ہے فرث کہلاتا ہے اور ھا ضمیر کا مرجع جزور ہے۔ جزور اگر چہ نر اور مادہ اونٹ دونوں کے لئے ہے مگر لفظاً مؤنث ہے، کیونکہ نر اونٹ کے لئے بھی هذه الجزور کہا جاتا ہے، جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ قولہ: وسلاها سین کو زبر ہے اور لام کو تشدید نہیں ہے اور اس پتلی جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت لپٹا ہوا ہوتا ہے۔
قولہ: الی فاطمة (سیدہ فاطمہ) جیسا کہ مواہب میں ہے اس وقت وہ کم عمر تھیں، ان کی ولادت مبارک کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف اکتالیس سال تھی، قولہ تسبهم یعنی سخت بولنے لگیں اور ان پر لعنت کرنے لگیں اور وہ کفار ان کی صغر سنی کی وجہ سے خاموش تھے۔ اور یہی سبب ہوگا کہ سیدہ کے سوا کوئی دوسرے

سجدے میں جانے کا انتظار کرے پھر اس کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دے۔ان میں کا بد بخت ترین شخص اٹھا اور آپ جب سجدہ میں گئے تو اس کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں قائم رہے اور وہ کفار اس قدر ہنسے کہ ایک دوسرے پر ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے۔کوئی جانے والے صاحب سیدہ فاطمہ کے پاس گئے تو وہ دوڑتی ہوئی آئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ریز تھے یہاں تک کہ وہ آپ پر سے اس کو ہٹا دیں اور ان کی طرف رخ کر کے ان کو سخت بولنے لگیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے (31) تو تین مرتبہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس کام کا اقدام نہیں کئے کیونکہ ہوسکتا تھا کے اس سے اس قدر فتنہ بھڑک اٹھے کہ قبائل کے درمیان جنگ کی نوبت آجائے۔(مرقات)۔

(31) **قولہ: فلما قضی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ.** (تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پوری کئے) امام نووی کی شرح مسلم میں ہے اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ کی پشت مبارک پر نجاست ہوتے ہوئے آپ کیسے نماز میں رہے؟ قاضی عیاض نے اس کا جواب دیا ہے: یہ ناپاک نہیں ہے کیونکہ لید گوبر اور بدن کی رطوبت دونوں پاک ہیں، صرف خون ناپاک ہے اور امام مالک اور ان سے موافقت کرنے والوں کا مذہب ہے کہ ان جانوروں کی لید گوبر جن کا گوشت کھایا جاتا ہے ناپاک نہیں ہے، مگر ہمارے مذہب شافعی میں اور امام ابوحنیفہ کے مذہب میں یہ ناپاک ہے۔امام قاضی عیاض نے جو کہا ہے یہ بات ضعیف ہے اس لئے کہ بچہ دانی نجاست کو لی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ وہ عموماً خون سے خالی نہیں ہوتی اور اس لئے بھی کہ وہ بت پرستوں کا ذبیحہ تھا۔میں یہ کہتا ہوں کہ یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ ذبح کیا گیا ہو ورنہ مردار تو سب کے پاس ناپاک ہے اور امام نووی سے غفلت ہوگئی اس لئے کہ حدیث شریف میں خون کا بھی ذکر ہے کیونکہ بچہ دانی عموماً خون سے پاک نہیں رہتی، پھر آپ نے کہا اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی پشت پر بچہ دانی رکھنے کی خبر نہیں ہوئی تو آپ اپنے سجدہ میں طہارت کی سابق حالت میں قائم رہے۔تو میں کہتا ہوں کہ یہ جواب قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو جبریل امین آپ کو اسکی اطلاع دیتے کیونکہ نماز نجاست کے ساتھ درست نہیں اور اس جیسی صورت میں اس کا بیان کرنا ضروری ہے تو اس کا صحیح جواب وہ ہے جو شرح السنہ میں بیان کیا گیا کہ ان کا یہ عمل گوبر، خون اور مشرکین کے ذبیحہ کی حرمت کے حکم سے پہلے کا ہے، اس لئے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی تھی جیسے شراب اس کی حرمت سے پہلے کپڑوں کو لگ جایا کرتی تھی، علامہ طیبی نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حالت میں اسی

فرمائے: اے اللہ تو قریش کی گرفت کرلے (32) اور آپ جب دعا کرتے تو تین مرتبہ دعا کرتے تھے اور جب اللہ سے سوال کرتے تو تین مرتبہ سوال کرتے تھے اور فرمایا: اے اللہ تو عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ بن ولید کی گرفت کرلے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً میں نے انہیں بدر کے دن پچھاڑے ہوئے دیکھا (33)۔ پھر وہ بدر کے گڑھے میں کھینچ کر ڈالدیئے گئے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) طرح سجدہ میں رہنا مزید شکایت کے طور پر تھا اور اللہ کے دشمنوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو حرکت کی ہے اس کے اظہار کے لئے تھا تا کہ وہ ان کی سخت گرفت کرے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی تین مرتبہ تکرار فرمائی۔ (مرقات)۔

اور صاحب لمعات نے فرمایا: حدیث شریف میں یہ اشکال ہے کہ آپ کی پشت مبارک پر نجاست ہوتے ہوئے کس طرح آپ نے نماز کو جاری رکھا تو اس کے جواب میں پہلی بات یہ کہی گئی ہے کہ امام مالک اور ان کے موافقین کے پاس لید پاک ہے اور صرف خون ناپاک ہے، پھر اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ لید بغیر خون کے نہیں تھی اور دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے لید اور خون بچہ دانی کی جھلی کے اندر تھے اور بچہ دانی کا چمڑا پاک ہے اور اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ مشرکین کا ذبیحہ تھا، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ واقعہ مشرکین کے ذبیحے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا بہتر جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکی پشت مبارک پر یہ جو رکھا گیا تھا اس کی خبر نہیں ہوئی اس لئے آپ سابق پاک حالت میں سجدہ کی حالت میں قائم رہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ واقف ہوجانے کے بعد اس کو قضا کرنا چاہئے تھا۔ تو علماء شافعیہ نے یہ جواب دیا ہے کہ فرائض میں اعادہ واجب ہے اگر یہ ثابت ہو کہ یہ نماز فرض تھی تو وقت میں گنجائش موجود ہے، ہوسکتا ہے آپ نے اعادہ کیا ہو، اور علماء حنفیہ کا بھی یہی جواب ہے۔

(32) **قوله: علیک بقریش** (اے اللہ تو قریش کی گرفت کرلے) باء زائد ہے اور علیک اسم فعل ہے اور اس کے معنی ہیں: ان کی سخت گرفت کرلے۔

و **قوله: الی القلیب** قلیب ایسا کنواں جسکی دری بنائی نہ گئی ہو، **قوله قلیب بدر** قلیب کی باء کو زیر (کسرہ) ہے ترکیب میں بدل ہے اور اس میں پیش اور زبر بھی جائز ہے اور بدر مشہور مقام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ بدر نامی شخص کی جگہ تھی (مرقات)

(33) **قوله: لقد رأیتھم صرعی الخ** (میں نے ان کو پچھاڑا ہوا دیکھا ہے) علامہ عسقلانی نے فرمایا: عمارہ کو مقتولین

بدر کے گڑھے والوں کے ساتھ لعنت لگا دی گئی ہے(34)۔(متفق علیہ)۔

صاحب مرقات نے کہا اگر یہ سوال کیا جائے کہ آپ نے پشت پر نجاست ہوتے ہوئے کس طرح نماز جاری رکھی، تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ ان کافروں کی یہ حرکت گوبر، خون اور مشرکین کا ذبیحہ حرام ہونے سے پہلے کی ہے اس سے نماز باطل نہیں ہوتی تھی جیسے شراب تھی حرام ہونے سے پہلے ، وہ کپڑے کو لگ جاتی تھی تو نماز نہیں ٹوٹتی تھی۔(مرقات)۔

15/7290۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ پر ایسا کوئی دن آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟ تو آپ نے فرمایا: میں تمہاری قوم سے مصیبتیں جھیلا ہوں(35) اور سب سے سخت مصیبت جو مجھے ان سے پہنچی وہ عقبہ کا دن ہے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) بدر میں جو شمار کرتے ہیں اس میں اشکال ہے کیونکہ وہ بدر میں مارا نہیں گیا بلکہ اصحاب مغازی لکھتے ہیں کہ سرزمین حبشہ میں مر گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا اغلبیت کی بناء پر ہے اور عقبہ بن ابی معیط سے بھی اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ وہ جنگ بدر سے واپس آنے کے بعد قتل کیا گیا۔اور امیہ بن خلف کو گڑھے میں نہیں ڈالا گیا بلکہ وہ ویسے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جا رہا تھا جو گڑھے میں دبا دیا گیا۔(مرقات)۔

(34) **واتبع اصحاب القلیب لعنة** (قلیب بدر میں ڈالے گئے لوگوں کے پیچھے لعنت لگا دی گئی) علامہ عسقلانی نے کہا جملہ ''ان پر لعنت ڈال دی گئی'' یہ پہلے آپ نے جو بددعا کی تھی اسی کا تتمہ ہے تو اس میں نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے ان کو گڑھے میں ڈال دینے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ان پر لعنت ڈال دی گئی۔(مرقات)۔

(35) **قولہ: لقد لقیت من قومک** (میں تمہاری قوم سے مصیبتیں جھیلا ہوں) یعنی مجھے جنگ احد کے دن سے زیادہ سخت مصیبت پہنچی ہے یا مجھے وہ مصیبت پہنچی جو پہنچی مفعول حذف کر دیا گیا تاکہ خیال ہر قسم کی مصیبت کی طرف جائے۔

وقولہ: وکان اشد ما لقیت منھم یوم العقبة. ایک شارح نے کہا ''اشد'' زبر کے ساتھ کان کی خبر ہے، اور ''**ما لقیت منھم**'' حالت رفعی میں ہے یہ کان کا اسم ہے اور **یوم العقبہ** مفعول فیہ ہے اور اس کی تقدیری عبارت یوں ہے: **وکان ما لقیتہ منہ یوم العقبة اشد مما لقیتہ منھم فی سائر الایام**. میں جو مصیبت تمام دنوں میں ان سے جھیلا ہوں اس سے بڑھ کر شدید مصیبت ان سے عقبہ کے دن پہنچی ہے۔عقبہ سے مراد وہ مقام ہے جس کی طرف جمرہ کی نسبت کر کے جمرہ العقبہ کہا جاتا ہے۔

جب کہ میں بن عبد یالیل بن کلال پر اپنے آپ کو پیش کیا تو میں نے جو چاہا اس کو وہ قبول نہیں کیا تو میں فکر مند ہوکر اپنے رخ پر چلتا رہا اور میں نشاط میں نہیں آیا مگر مقام قرن الثعالب میں اور میں نے اپنا سر بلند کیا تو اچانک ابر دیکھا جو مجھ پر سایہ کیا ہوا تھا، اوراس میں جبریل تھے اور انہوں نے مجھے آواز دی اور کہا اللہ نے آپ کی قوم کی بات اور آپ کو اس نے جو جواب دیا اس کو سنا اور آپ کی خدمت میں پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے تا کہ آپ ان لوگوں کے بارے میں جو چاہیں حکم فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے پہاڑوں کے فرشتوں نے آواز دی اور مجھے سلام کیا: پھر عرض کیا: اے محمد! اللہ نے آپ کی قوم کی باتوں کو سن لیا اور میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، آپ کے رب نے مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ آپ مجھے اپنا حکم سنائیں، اگر آپ چاہیں تو میں ان پر دو سخت پہاڑوں کو ملا دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو اللہ وحدہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ (متفق علیہ)۔

16/7291۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک جنگ احد میں شہید کر دیا گیا اور آپ کے سر مبارک کو زخمی کر دیا گیا تو آپ اس سے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **قولہ : ابن عبد یالیل** یہ طائف کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ **وقولہ: فانطلقت وانا مهموم** . میں چلا حالانکہ میں فکر مند تھا۔ یہ جملہ حالیہ ہے اور فعل اوراس کے متعلق **علی وجهی** کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ میں اپنے رخ پر فکر مند حالت میں چلا۔ علامہ طیبی نے فرمایا: یعنی میں حیران و پریشان چلتا رہا، شدت غم اور مصیبت کی سختی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ **قولہ: قرن الثعالب**. مکہ اور طائف کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ **وقولہ: قد اظلتنی** (مجھ پر برابر سایہ فگن تھا) یعنی معمول سے زائد مجھ پر سایہ فگن تھا۔

وقولہ : بل (نہیں بلکہ) یعنی میں ان کے لئے یہ عذاب نہیں چاہتا اگرچیکہ وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس کے مستحق ہو گئے ہوں۔ بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ ان کی پشتوں سے اللہ وحدہ کی عبادت کرنے والے لوگ پیدا کریگا۔ (مرقات)۔

خون پونچھتے جاتے اور فرماتے وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے سر کو زخمی کردیا اور ان کے (36) دانت کو شہید کردیا۔ (مسلم)۔

17/7292۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا غضب شدید ہوگیا اس قوم پر جس نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کام کیا، آپ اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ فرمارہے تھے (37)۔ اللہ کا غضب شدید ہوگیا اس شخص پر جس کو

---

(36) **قولہ : رباعیتہ** راء کو زبر کے ساتھ اور باء بغیر تشدید کے، یہ ثمانیہ کے وزن پر ہے، رباعیہ وہ دانت ہیں جو ثنیہ اور کوچلی کے درمیان ہوتے ہیں اور جو شہید کیا گیا وہ نیچے کے سیدھے جانب کا دانت ہے۔ "**قولہ: یسلت**" لام کو پیش ہے، دور کرتے تھے، امام زہری سے روایت ہے کہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر تلوار کے ستر وار کئے گئے اللہ تعالیٰ ان سب کے شر سے آپ کی حفاظت فرمایا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کے حاشیہ میں اس کی وجہ تحریر فرمائی: ہوسکتا ہے اس کی وجہ جنگ احد کے ستر شہداء کے ساتھ آپ کے لئے شرکت ہو مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو بچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ"۔ (5۔ سورۃ المائدۃ، آیت نمبر: 67) اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرماتا ہے۔ اور یہ جو سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندان مبارک شہید کئے جانے کا کچھ اثر ہوا وہ اجر و ثواب کے لئے ہوا ہے۔ (مرقات)۔

(37) **قولہ : یشیر الی رباعیتہ** (آپ اپنی چوکڑی کی طرف اشارہ فرمارہے تھے) ترکیب میں یہ "**رسول اللّٰہ**" سے حال واقع ہے اور اس کا عامل قال ہے اور یہ جملہ **فعلوا** کے مفعول کی تفسیر ہے اس کو یاد رکھو۔

وقولہ : اشد غضب اللّٰہ علی رجل الخ (اللہ کا غضب سخت ہوگیا ایسے شخص پر جس کو اللہ کے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کردیں) دو جملوں کے درمیان حرف عطف کو حذف کردیا گیا یہ بتانے کے لئے کہ یہ دو مستقل حدیثیں ہیں، راوی نے دو کو ایک جگہ جمع کردیا ہے۔ لفظ **اشتد غضب اللّٰہ** کی تکرار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ یا یہ بتلانے کے لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مذکورہ عذاب کا مستحق ہے اور اس میں اس شبہ کو دور کرنا مقصود ہے کہ یہ عذاب دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اور یہاں لفظ او بھی نہیں لایا گیا تاکہ شک کا گمان نہ ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو قتل فرمایا وہ ابی بن خلف ہے۔ اور امام نووی نے فرمایا: فی سبیل اللہ کی قید سے وہ لوگ نکل جاتے ہیں جنہیں حد جاری کرنے کے لئے یا قصاص کے طور پر قتل کیا ہو۔ کیونکہ جس کو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کردیں۔(متفق علیہ)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ باب بعثت اوروحی کی ابتداء کا بیان ختم ہوا۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کرتے ہیں وہ ایسا شخص ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔(مرقات)۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

21/254 بَابُ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ

نبوت کی علامتوں کا بیان

1/7293۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبریل (علیہ السلام) آئے اور آپ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے وہ آپ کو پکڑے اور لٹا دیئے اور آپ کے دل کو چاک کیا اس میں سے ایک خون کا ٹکڑا نکال دیا(1) اور فرمایا یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا، پھر دل کو زمزم کے پانی سے سونے کے ایک طشت میں غسل دیا(2)، پھر اس کو ٹھیک کیا(3) اور اس کی جگہ پر اس کو لوٹا دیا گیا۔آپ کی ماں کی دائی کے پاس بچے دوڑے ہوئے آئے اور

---

(1) قولہ:علقة . (خون کا ٹکڑا) ع اور ل کو زبر (فتحہ) ہے، جما ہوا خون اور یہ دل میں خرابیوں اور گناہوں کی جڑ ہوتا ہے،اور شق صدر کے عمل سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس عمل کی وجہ سے آپ مقدس اور منور قلب والے ہوگئے اب وہ وحی الٰہی کو قبول کرنے کے لئے مستعد ہوگیا نفس کے خیالات اس کی طرف آنہیں سکتے اور اس کو غفلت میں ڈالنے کی شیطان کی طمع اور کوشش کو ختم کردیا گیا اور جبریل علیہ السلام کے ارشاد ''ھذا حظ الشیطان منک یہ شیطان کا حصہ تھا'' اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

(2) قولہ: بماء زمزم (زمزم کے پانی سے غسل دیا گیا) اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ زمزم کا پانی دنیا کے پانیوں میں سب سے افضل ہے حتی کہ کوثر کے پانی سے بھی افضل ہے لیکن وہ مبارک پانی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتہائے مبارک سے پھوٹ نکلا ہے کوئی شک نہیں کہ وہ علی الاطلاق تمام پانیوں سے افضل ہے، کیونکہ وہ آپ کے دست کرم کی برکت سے ہے اور زمزم کا پانی سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم مبارک کا اثر ہے۔اور دونوں کے درمیان کھلا فرق ہے اور اس لئے آپ کے دست مبارک سے ظاہر ہونے والا اعجاز بہت بڑا ہے، اور ہاں! آپ کے دہان مبارک کا پانی اگرچیکہ اس میں کسی دوسرے کا پانی بھی مل جائے تب بھی وہ ہر چیز سے زیادہ کمال والا ہے۔(مرقات)۔

(3) قولہ : لأمه. (اسے ٹھیک کیا) لأم میں لام اور ہمزہ ہے یعنی چاک کردہ مقام کو ٹھیک کردیا اور اعادہ میں ضمیر منصوب کا مرجع قلب ہے جو دل نکالا گیا تھا اسے اسکی جگہ لوٹا دیا اور یہ بات صحیح بخاری کی سابق روایت سے

کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کردیئے گئے، تو لوگ تیزی سے آپ کے پاس آئے آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔حضرت انس نے کہا میں آپ کے سینہ مبارک میں سوئی کا نشان دیکھتا تھا(4)۔(مسلم)۔

ملاعلی قاری نے فرمایا:**قوله فی طست من ذهب** (سونے کے طشت میں غسل دیا گیا یہ عمل شریعت مطہرہ میں سونے کا استعمال حرام ہونے کے منافی نہیں ہے یا تو اس لئے کہ فرشتے ہمارے اعمال کے مکلّف نہیں ہیں یا اس لئے کہ یہ عمل احکام شریعت کے قرار پانے سے پہلے کا ہے۔

2/7294۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: رسول اللہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) معلوم ہوتی ہے اور **واعادہ** میں "و" مطلق جمع کے لئے ہے اب اس میں کوئی اشکال نہیں رہا، یعنی دل کو اسکی جگہ لوٹا دینے کے بعد اسکو سی دیا گیا۔

وقولـــه : قد قتل. (قتل کردیئے گئے) کیونکہ پیٹ کے چیرنے اور اس کا کام کرنے کے بعد باحیات رہنا معجزات اور علامات نبوت میں سے ہے۔

(یہ حدیث شریف اور اس جیسی مثالوں کو تسلیم کرلینا ضروری ہے اور اسکے مجازی معنی لینے کی تاویل کے درپے نہیں ہونا چاہئے اور اسکی تاویل کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کیونکہ یہ صادق مصدوق رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کی دی ہوئی اطلاع ہے جو قادر مطلق کی قدرت سے متعلق ہے۔

وقوله : منتقع اللون (رنگ بدلا ہوا تھا) علامہ تورپشتی نے فرمایا **انتقع لونه** اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی غم یا فکر سے رنگ بدل جاتا ہے۔(مرقات)۔

(4) **قـولـه : فـكـنـت أرى اثر المخيط فی صدره** (میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں سینے کا نشان دیکھتا تھا) اس سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کا چاک کیا جانا محسوس طریقہ پر ہوا ہے یہ کوئی امر معنوی نہیں ہے۔

اوراب اس میں اختلاف ہے کہ سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس کو غسل دینا کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مختص تھا یا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی واقعی ہوا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر متعدد مرتبہ رونما ہوا ہے(1) حضرت دائی حلیمہ کے پاس (2) پھر غار حرا میں حضرت جبریل علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناجات کے موقع پر(3) پھر معراج میں یعنی جس رات آپ کو معراج میں لے جایا گیا۔

وقوله : المخيط (سوئی کا نشان) میم کو زیر کے ساتھ مخیط سوئی کو کہتے ہیں۔(مرقات)۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں چاند دوٹکڑوں میں شق ہوگیا(5) ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور ایک ٹکڑا

(5) قولہ : انشق القمر . (چاند شق ہوگیا) امام زجاج نے فرمایا کہ اہل علم کے مسلک سے اور راہ اعتدال سے منحرف ایک جماعت نے گمان کیا ہے کہ چاند کا شق ہونا قیامت کے دن ہوگا حالانکہ یہ ایک واضح عمل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ". (54۔سورۃ القمر، آیت نمبر:2) اگر وہ نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک چلے آنے والا جادو ہے۔ تو یہ قیامت کے دن ہوگا کہنا کیسے درست ہے۔ اور اس کو مستمر جادو کہنا یہ بھی اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اس جیسی دوسری نشانیاں اور سابق میں معجزات دیکھے ہیں۔

اور امام فخر الدین رازی نے فرمایا اس کے منکرین اس لئے انکار کرتے ہیں کہ چاند کا شق ہونا ایک عظیم معاملہ ہے اگر یہ واقع ہوتا تو یقیناً تمام دنیا میں پھیل جاتا اور حدتواتر تک پہنچ جاتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے موافقین اس کو اس قدر نقل کئے ہیں کہ حدتواتر کو پہنچ گیا اور مخالفین نے اسکو نظر انداز کیا یا اسکو چاند گہن کی طرح سمجھا، اور قرآن مجید سب سے بڑی دلیل اور قوی گواہ ہے اور چاند کا شق ہونا عقلاً ممکن ہے، اور رسول صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے تو اس کے وقوع پذیر ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ اور اب رہا شق ہونے اور اس کے پھر مل جانے کا انکار کرنا تو یہ کم ظرفوں کی بات ہے۔

(امام نووی کی شرح) صحیح مسلم میں ہے علماء نے کہا چاند کا یہ شق ہونا رات میں ہوا اور اکثر لوگ سو رہے تھے اور غفلت میں تھے اور دروازے بند تھے اور کپڑا اوڑھے ہوئے سو رہے تھے اور کم لوگ تھے جو آسمان میں غور کرتے اور آسمان کو دیکھ رہے تھے، اور کتاب شرح السنہ میں ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق ایک خاص جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کی تھی تو آپ نے رات میں ان کو یہ معجزہ دکھایا جبکہ اکثر انسان سو رہے تھے اور جنگل وصحراء میں رہنے والے بھی اپنے مکانات میں تھے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اس وقت مصروف رہے ہوں اور کبھی چاند گہن ہوتا اور بہت دیر تک بھی رہتا ہے مگر بہت سے انسانوں کو اس کا علم تک نہیں ہوتا، اور یہ چاند کا شق ہونا آنکھ کی نظر کے محض ایک لحظہ کے لئے تھا، اور اگر یہ طویل وقت کے لئے ہوتا یہاں تک کہ خاص وعام سب اسکو دیکھ لیتے پھر ایمان نہ لاتے تو وہ سب ہلاکت کے مستحق ہوجاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے سابقہ اُمتوں میں ان کے نبی جب ان کو ایک ایسا عام معجزہ دکھاتے جس کو وہ سب دیکھتے اور ایمان نہ لاتے تو ہلاک کردیئے جاتے تھے، جیسا کہ سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ، فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ". (5۔سورۃ المائدۃ، آیت نمبر:115)" اس (مائدہ کے معجزہ) کو تم پر اتاروں گا اس کے بعد تم میں سے جو کوئی کفر کریگا تو اس کو ایسا عذاب

اس کے نیچے ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ رہو!۔(متفق علیہ)۔

3/7295۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ایک نشانی دکھائیں(6) تو آپ نے ان کو دکھایا کہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا یہاں تک کہ جبل حراء ان دونوں کے درمیان ہو گیا۔(متفق علیہ)۔

4/7296۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں مکہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا(7) یقیناً میں اس کو اب بھی پہچانتا ہوں۔(مسلم)۔

5/7297۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ابو جہل نے کہا کیا تمہارے درمیان محمد اپنا چہرہ مٹی پر رکھتے (نماز پڑھتے، سجدہ کرتے) ہیں(8)، تو کہا گیا ہاں! تو اس نے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) دوں گا کہ سارے جہانوں میں ویسا عذاب کسی کو نہیں دونگا''۔اسی حکمت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کے لئے یہ معجزہ ظاہر نہیں کیا۔(اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے)۔

قلت. میں کہتا ہوں اس واقعہ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے ہو گیا تو ظاہر ہے کہ پہاڑ کے پیچھے رہنے والے بعض لوگوں سے وہ تو چھپ جائیگا۔ پھر تو سارے اہل حجاز اور دوسرے تمام انسانوں کو جب کہ ان کے مطالعہ میں بھی اختلاف ہے کیسے نظر آئیگا، نیز اس معجزہ کا دکھانا ان لوگوں کے لئے تھا جنہوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔ جیسا کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا معجزہ تھا دوسروں کے لئے اس کا دکھائی دینا لازم نہیں ہوتا۔

قولہ ء : اشهدوا (یعنی گواہ رہو) میری نبوت پر۔(مرقات)۔

(6) **قولہ : آیة.** یعنی آپ کی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں۔

(7) **قولہ : كان يسلِّم عليَّ.** (مجھ کو سلام کیا کرتا تھا) یعنی جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے: وہ **السلام علیک یا نبی اللہ** کہتا تھا، اور اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کی طرف بھیجے گئے ہیں۔(مرقات)۔

(8) **قولہ : هل يعفر محمد وجهه. يعفر** 'ف' کو تشدید اور زیر ہے باب تفعیل سے ہے، مٹی میں لوٹ پوٹ کرنے کو کہتے ہیں یعنی کیا آپ نماز پڑھتے اور مٹی پر سجدہ کرتے ہیں اور علامہ طیبی نے فرمایا اس کی مراد اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا ہے۔ لفظ سجدہ کے بجائے اس نے **تعفیر** کا لفظ اپنی سرکشی دشمنی کی وجہ سے آپ صلی

کہ لات وعزی کی قسم اگر میں آپ کو یہ کرتا دیکھوں گا تو آپ کی گردن کو روندوں گا، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا آپ نماز پڑھ رہے تھے آپ کی گردن روندنے کا ارادہ کیا تو اس کو اچانک یہ بات گھبراہٹ میں ڈال دی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنی دونوں ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹنے لگا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے بچاؤ کر رہا تھا، تو اس سے کہا گیا تجھے کیا ہو گیا تھا، تو اس نے کہا میرے اور انکے درمیان آگ کی خندق تھی اور ایک ہولناک چیز اور پَر تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کا ایک ایک عضوا چک لیتے۔ (مسلم)۔

6/7298۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: اس اثناء میں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا اچانک ایک شخص آیا اور آپ کی خدمت میں فاقہ کی شکایت کی پھر ایک دوسرا شخص آیا اور آپ کی خدمت میں راستے لوٹنے کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا اے عدی کیا تو نے حیرہ کو دیکھا ہے(9) اگر تجھ کو طویل حیات مل جائے حیرہ سے سفر کرتی ہوئی

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان اور تحقیر کی غرض سے۔ **وقوله: بين اظهركم** (تمہارے درمیان) لفظ اظھر زائد ہے یہ اس کام کے کھلے طور پر ہونے کا اشارہ ہے۔**وقوله: فاتى رسول الله صلى الله عليه وسلم** (یعنی ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا)۔

وقوله : وهو يصلى. (اور آپ نماز پڑھ رہے تھے) یہ جملہ مفعول سے حال ہے۔اور **زعم** فاعل سے حال ہے **زعم** کے معنی **قصد** ہے یعنی ابوجہل ارادہ کیا۔ **قوله فما فجئهم** یعنی ابوجہل اپنی قوم کو اچانک گھبراہٹ میں ڈال دیا۔

وقوله : منه. یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ہ ضمیر کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں)۔

قوله : اجنحة. (پر) جناح کی جمع اور اڑنے والے کے ہیں، یعنی فرشتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر رہے تھے۔

قوله : لا ختطفته الملائكة عضوا عضوا. اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فرشتہ اس کے اعضاء میں سے ایک ایک عضو کو اچک لیتا۔ (مرقات)۔

(9) **قوله : الحِيرة.** ح کو زیر کے ساتھ، کوفہ کے بالائی جانب قدیم شہر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ عدی نے جواب میں یہ کہا تھا کہ میں اسکو نہیں دیکھا لیکن اس کے بارے میں مجھے بتایا گیا ہے۔تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں:

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ممکن ہے یہاں لفظ رأیت، عَلِمْتُ (میں جانتا ہوں) کے معنی میں ہے،اور حضور کا ارشادان کے جواب پر موقوف نہ ہو، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اوراگر تمہاری حیات طویل ہو۔

وقولہ : الظعینة. (بوڑھیا) ایک شارح نے کہا: عورت جب تک کجاوہ میں ہوتی ہے اسکو ظعینہ کہتے ہیں اور جب وہ ہودج یعنی کجاوہ میں نہیں ہوتی تو اس کو ظعینہ نہیں کہتے ،لیکن یہاں ظعنیہ سے مراد مطلق عورت ہے خواہ ہودج میں ہو یا نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہاں مراد اس کے ہودج میں ہونے کے معنی ہی زیادہ مناسب مطلب ہیں اور یہ بات لفظ **ترتحل** سے مفہوم ہوتی ہے۔

وقولہ : من ذهب او فضة یعنی سونا چاندی میں سے کبھی اِس کو لے کر اور کبھی اُس کو لے کر سفر کرے گی۔ ہوسکتا ہے لفظ ''او'' ''واو'' کے معنی میں ہو یا راوی کا شک۔

وقولہ : فلا یجد من یقبله منه. کوئی بھی ایسا نہیں ملے گا جو اس سے اسکو قبول کرے۔ یہ اس لئے کہ اس زمانہ میں تنگدست نہیں رہیں گے، یا اس لئے کہ ان کے دلوں میں بے نیازی رہے گی اور ان کے پاس جو کچھ ہے اس پر اکتفاء کریں گے اوران کے پاس جو کچھ ہے اس پر قناعت کریں گے۔اور کہا گیا ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے (آسمان سے) اتر کر آنے کے بعد ہوگا،اور ممکن ہے اس میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان زمانہ میں اس حدیث شریف کے مطابق ایسا واقعہ ہوا ہے اور امام بیہقی نے اسی بات کو تقویت دی ہے۔

اور میں کہتا ہوں اس معنی کے قابل ترجیح ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ حدیث شریف میں حضور کا ارشاد ہے **ولئن طالت بک حياة** اوراگر تمہاری حیات طویل ہو (تو تم دیکھوگے) البتہ قضیہ شرطیہ کا رونما ضروری نہیں ہے۔

وقولہ : افضل لام کو جزم ہے اور افضال باب افعال سے ہے، یعنی کیا میں تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا اور کیا میں تجھ کو نعمتوں سے سرفراز نہیں کیا۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی میں تجھ کو مال عطا کیا تھا اور تجھ کو نعمتوں سے سرفراز کیا تھا۔

وقولہ: فمن لم يجد فبكلمة طيبة. یعنی کلمہ طیبہ سے مراد (مختلف قسم کے اذکار اور دعائیں ہیں یا سائل کیلئے کوئی ایک اچھی بات مراد ہے۔اوراس کے ماقبل کی عبارت اس کیلئے قرینہ ہے اس لئے اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو پورا کرنے کی نیت سے کیا جاتا ہے یا نیک امید رکھ کر دعا کرنا مراد ہے۔اسی کا نام اللہ تعالیٰ نے قول معروف اور قول میسور رکھا ہے۔

علامہ طیبی نے فرمایا اگر تم یہ پوچھو کہ اس حدیث شریف کو بیان کرنے میں کیا مناسبت ہے تو میں کہوں گا جب وہ شخص فاقہ اور خوف کی شکایت کیا اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ''۔(94۔سورۃ الم نشرح، آیت نمبر:6) میں اسی تنگدستی اور مشکل کا ذکر ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم مما لک فتح ہونے سے پہلے ایسی ہی تنگدستی کی حالت میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی اور دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یُسر وخوشحالی

کرے گی اور اگر تمہاری حیات طویل ہو تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرلوگے اور اگر تمہاری حیات طویل ہو تو ضرور دیکھوگے ایک شخص ہتھیلی بھر سونا چاندی لے کر اس کو قبول کرنے والے کو تلاش کرتے ہوئے نکلے گا تو وہ کسی ایسے شخص کو جو اس سے اس کو قبول نہ کرے پائیگا۔تم میں سے کوئی بھی جس دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو وہ ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ خدائے تعالیٰ اور اس کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا جو اس کے لئے ترجمانی کرتا ہو۔تو وہ فرمائیگا: کیا میں نے تیری طرف ایک رسول مبعوث نہیں کیا کہ وہ تجھ کو پیغام حق پہنچائے تو وہ کہے گا ہاں کیوں نہیں اور فرمائیگا کیا میں تجھ کو مال نہیں عطا کیا تھا اور تیرے ساتھ احسان نہیں کیا تھا وہ کہے گا ہاں کیوں نہیں اور وہ اپنی سیدھی جانب دیکھے گا تو دوزخ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا اور اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو دوزخ کے سوا کچھ نہیں دیکھے گا،تم دوزخ سے بچو! اگرچیکہ آدھے کھجور سے ہو،اور جو شخص یہ نہ پائے تو ایک اچھی بات کے ذریعہ دوزخ سے بچے۔

عدی نے کہا میں بوڑھی کو حیرہ سے سفر کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ اس نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا، وہ اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں کھاتی تھی اور میں ان حضرات میں سے ہوں جنہوں نے کسری بن ہرمز کے خزانے کھولے اور اگر تمہاری زندگی طویل ہو جائے تو تم اس چیز کو ضرور دیکھو گے جو ابوالقاسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’ہتھیلی بھر (سونا چاندی) لیکر نکلے گا‘‘۔(بخاری)۔

7/7299۔حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا: ہم

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اور امن وسلامتی کی خوشخبری دینے کے ضمن میں سائل کا بھی جواب دے دیا اور پھر بیان فرمایا کہ یہ دنیا کی خوشحالی اور مالداری آخرت میں مشکل اور شرمندگی ہوسکتی ہے سوائے اس آدمی کے جس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا ہو۔

وقوله: فرأيت الظعينة (تو میں بڑھیا کو دیکھا) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔

وقولـه يـخـرج ملأ كفه ’’ہتھیلی بھر (سونا یا چاندی) لیکر نکلے گا‘‘ یہ (نحوی ترکیب میں) بدل یا بیان ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت پیش کی اور آپ کعبۃ اللہ کے سایہ میں چادر (10) کو تکیہ بنائے ہوئے تھے اور ہم کو مشرکین سے سختیاں پہونچی تھیں، اور ہم عرض کئے: کیا آپ اللہ سے دعا نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ بیٹھ گئے اور آپ کا چہرۂ انور سرخ ہوگیا، آپ نے فرمایا: تم سے پہلے والوں میں سے کسی بھی شخص کے لئے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو اس میں اتارا جاتا اور آرالایا جاتا اور اس کے سر پر رکھا جاتا اور اسکو دو حصوں میں چیر دیا جاتا اور اسکو یہ چیز اس کے دین سے نہیں ہٹاتی تھی اور اس کے گوشت کے اندر (11) ہڈی اور پٹھوں تک لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تو بھی یہ چیز اسکو اس کے دین سے نہیں ہٹاتی تھیں اور اللہ کی قسم یہ معاملہ پورا ہوکر رہیگا یہاں تک کہ شہر صنعاء

---

(10) **قوله : متوسد بردة** (آپ چادر کو بلند بنائے ہوئے تھے) دھاری دار کمبل مطلب یہ ہے کہ آپ کمبل کو اپنا تکیہ بنالئے تھے، **وسادة کا لفظ توسد الشیء** سے ماخوذ ہے (اس نے اپنے سر کے نیچے اسکو تکیہ بنالیا) (مرقات)۔

(11) **قوله : ما دون لحمه** (اس کے گوشت کے اندر) یعنی اس شخص کے گوشت کے نیچے جو ہڈی اور رگ پٹھے ہیں اور لفظ من بیانیہ ہے یہ لفظ ''ما'' کا بیان ہے اور اس میں مبالغہ ہے کہ وہ لوہے کی کنگھیاں اسقدر مضبوط اور تیز ہوتی تھیں کہ گوشت کے نیچے ہڈی اور اس سے متصل رگ پٹھوں تک اتر جاتی تھیں۔

وقوله: الی حضر موت (حضرموت) ''حضرموت'' میں میم کو زبر ہے اور یمن کے آخری حصہ میں ایک مقام ہے او یہ ترکیب اور علمیت دو سبب ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، ایک شارح نے ذکر کیا ہے کہ اس مقام میں حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے تھے اور وہیں انتقال فرمائے، یا حضرت جرجیس آئے اور ان کا وہیں انتقال ہوگیا اور علامہ ابن ملک نے بھی یہی بات بیان کی ہے، اور قاموس میں ہے **حضر موت** میم کو پیش ہے اور وہ ایک شہر اور ایک قبیلہ ہے۔

وقوله : لا یخاف الا الله أو الذئب الخ. (اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور نہ بھیڑیئے کا......) ایک دوسرے نسخہ میں واو کے ساتھ (و لـلـذئـب) ہے اور اسمیں ''واؤ'' لفظ ''او'' کے معنی میں ہونے کا احتمال ہے، یا ''او' لفظ ''و'' کے معنی میں جمع کیلئے ہو یا شک کا ہو بہر حال اس میں امن قائم ہونے اور خوف کے جاتے رہنے میں مبالغہ مقصود ہے (یعنی یہ ہوکر رہے گا) اس سے یہ اعتراض ختم ہوجاتا ہے کہ یہ حدیث شریف زمانہ جاہلیت کی طرح ایک انسان کا دوسرے انسان پر ظلم سے حصول امن کے بیان کے لئے ہے، بھیڑیئے کے ظلم وزیادتی کے بیان کے لئے نہیں ہے کیونکہ یہ آخری زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگا۔ (ماخوذ از مرقات)۔

سے حضر موت تک ایک سوار جائیگا اس کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا اور اپنی بکریوں پر بھیڑ یئے کا بھی خوف نہیں ہوگا اور لیکن تم جلدی چاہتے ہو۔(بخاری)۔

8/7300۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ علیہ وسلم ام حرام بنت ملحان(12) کے پاس تشریف لے جاتے اور یہ حضرت عبادہ بن صامت کی اہلیہ تھیں چنانچہ آپ ایک دن ان کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کے لئے کھانے کا اہتمام کیں پھر وہ آپ کے سر مبارک میں تیل لگاتی ہوئی بیٹھ گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائے پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے وہ کہتی ہیں میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا چیز آپ کے مسکرانے کا سبب بنی ہے آپ نے

---

(12) **قولہ : ام حرام بنت ملحان.** میم کو زیر (کسرہ) ملحان ابن خالد ہیں اور یہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبی خالہ ہیں یہ اور ام سلیم جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ہیں دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی اور نسبی خالائیں ہیں اور امام نووی فرماتے ہیں: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ام حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محرم تھیں البتہ اسکی کیفیت میں اختلاف ہے۔علامہ ابن عبدالبر اور دیگر علماء فرماتے ہیں ان میں سے ایک خالہ رضاعی تھیں اور آپ کی والدہ قبیلہ بنی نجار کی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس تشریف لانے کی وجہ ان کی بہن ام سلیم کی حدیث شریف میں مزید تحقیق کے ساتھ گزر چکا ہے اسکو یاد رکھو!۔(مرقات)۔

قولہ : یرکبون ثبج ھذا البحر. (درمیان سمندر میں سواری کررہے تھے) **ثاء اور باء** کو زبر ہے اور آخر میں **جیم** ہے، اس کے معنی درمیان اور عظیم اور اکثر حصہ ہے۔

وقولہ : ملوکا علی الاسرۃ او مثل الملوک علی الاسرۃ (شاہی تختوں پر بیٹھے ہوئے شاہی تختوں پر بادشاہوں کی طرح ظاہر ہے اس میں لفظ ''او'' راوی کے شک کے لئے ہے۔اور ترکیب میں حال ہے یا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی وہ بادشاہوں کی طرح تختوں پر بیٹھے ہوئے یا تختوں پر بادشاہوں کے سوار ہونے کی طرح سوار ہوکر۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں سمندر کے درمیانی حصہ کو زمین سے تشبیہ دی گئی اور کشتی کو تخت سے تشبیہ دی گئی اور اس پر بیٹھنے کو بادشاہوں کے شاہی تختوں پر بیٹھنے سے تشبیہ دی گئی اس میں اس امر کا اعلان ہے کہ وہ حضرات ہر قسم کی مشقت برداشت کریں گے۔اور پورے جوش وخروش کے ساتھ بادشاہوں کی طرح جو اپنے شاہی تختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں اس امر عظیم کی سواری کریں گے۔(مرقات)۔

فرمایا: میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہوئے پیش کئے گئے جو درمیان سمندر میں شاہی تختوں پر بیٹھے ہوئے یا شاہی تختوں پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے سواری کررہے تھے، تو میں عرض کی یارسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھ کو ان میں سے کردے تو آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی پھر اپنا سر مبارک رکھا اور آرام فرمائے پھر آپ بیدار ہوئے اور آپ مسکرارہے تھے تو میں عرض کی یارسول اللہ کیا چیز آپ کے مسکرانے کا سبب بنی تو آپ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے مجھ پر پیش کئے گئے جیسا کہ آپ نے پہلی صورت میں فرمایا تھا تو میں عرض کی یارسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے ان میں سے کردے تو آپ نے فرمایا تم پہلے لوگوں میں سے ہو، پس ام حرام حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ (13) میں سمندر کا سفر کیں اور جب سمندر سے نکلیں تو اپنے گھوڑے سے گرگئیں اور انتقال کرگئیں۔ (متفق علیہ)۔

9/7301۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ضماد نامی شخص جواز دشنوء قبیلہ (14) کا تھا مکہ کو آیا اور وہ جنات کے اثر کی جھاڑ پھونک کرتا تھا، وہ اہل مکہ سے جو کم عقل تھے کہتے

---

(13) قولہ : فی زمن معاویة الخ (حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں) جنگ قبرس حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور گورنری 28 ہجری جنگ قبرس میں یہ واقعہ ہوا اور اکثر علماء اور اہل سیر کا قول یہی ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، سابق میں ذکر کردہ قول ''یہ واقعہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں واقع ہوا ہے'' ان دونوں اقوال میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (ماخوذ از مرقات ولمعات)۔

(14) قولہ : ازد شَنُوْأة. ''ش'' کو زبر ''ن'' کو پیش ''و'' کو جزم اور آخر میں ھمزہ پھر ھاء ہے، یہ یمن کا ایک بڑا قبیلہ ہے اور ازد قبیلہ اسی کی ایک شاخ ہے۔

وقولہ : من ھذا الریح (اس جنات کے اثر کی) علامہ ابوموسی نے فرمایا یہاں ریح کے معنی ''جن'' کے ہیں ''جن'' کو ''ریح'' اس لئے نام رکھتے ہیں کہ ہوا کی طرح جن بھی نظر نہیں آتے۔

وقولہ : لو انی رأیت ھذا الرجل (اگر میں ان صاحب کو دیکھ لوں) یعنی ان کو مذکورہ صفت کے ساتھ دیکھ لوں تو ان کا علاج کرونگا، یہ ''لو'' کا جواب ہے جو مقدر ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہاں ''لو تمنّی'' کے لئے

ہوئے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون ہیں تو اس نے کہا اگر میں ان صاحب کو دیکھ لوں تو ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی میرے ہاتھ پر ان کو شفا دے، راوی کہتے ہیں وہ آپ سے ملاقات کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس جنات کے اثر کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں کیا آپ کو اس میں رغبت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ ،مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ...... الخ.** کہ بیشک تمام تعریف اللہ کے لئے ہے، ہم اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں، جس کو اللہ ہدایت دے اسکو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے کوئی اس کو ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اما بعد! تو اس نے کہا آپ اپنے ان کلمات کو مجھ پر دہرایئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کلمات کو اس پر تین مرتبہ دہرایا تو اس نے کہا: خدا کی قسم میں کاہنوں کی باتیں اور جادوگر کی باتیں اور

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ہے، کاش میں اس ہستی کو دیکھ لوں اور لعل اللہ الخ عبارت سے بھی یہ بات ظاہر ہے۔

وقولہ: أما بعد. آپ نے اس موقعہ پر ارادہ فرمایا کہ اس کے لئے ایک ایسا عظیم خطبہ اور عمدہ نصیحت فرمائیں جس سے بلغاء عاجز آجائیں اور فصحاء حیرت میں پڑجائیں تاکہ عقلمند حضرات جان لیں کہ وہ آپ کے سامنے مجانین اور کم عقل ہیں۔

وقولہ: لقد سمعت قول الكهنة الخ (میں کاہنوں کی باتیں سنا ہوں.....) وہ آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ (کفار) کبھی آپ کو کاہن کہتے ہیں کبھی جادوگروں کی طرف نسبت کرتے ہیں اور کبھی شاعروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور میں ان جادوگروں کی باتیں سنا ہوں مگر ان سے آپ کے ان کلمات کی طرح کوئی کلام نہیں سنا یعنی بفرض محال آپ ان میں سے ہوتے تو آپ کے کلام کی ان کے کلام سے مشابہت ہوتی۔ اور جن کا کلام ان کے کلام کے مقابلہ میں اسقدر بلیغ ہے تو اسکو مجنون کہنے والے صرف بے وقوف لوگ ہی ہوسکتے ہیں۔

وقولہ: لقد بلغن قاموس البحر (یہ کلمات تو بلاغت میں سمندر کی انتہاء کو پہنچ گئے) قاموس سے سمندر کا بڑا حصہ اور اسکی بیچ گہرائی مراد ہے۔

قولہ: بلغن یعنی یہ جامع کلمات۔ وقولہ: قاموس البحر (یعنی کلام کے سمندر کا بڑا حصہ اور اس کی بیچ گہرائی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کا کلام فصاحت وبلاغت کی انتہاء کو پہنچ گیا ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

شاعروں کی باتیں بھی سنا ہوں لیکن آپ کے ایسے کلمات کی طرح کبھی نہیں سنا اور خدا کی قسم یہ کلمات تو سمندر کی انتہاء کو پہنچ گئے آپ اپنا ہاتھ لائیے میں آپ کے دست کرم پر اسلام کی بیعت کرتا ہوں۔ راوی نے کہا پھر انہوں نے آپ سے بیعت کرلیا، امام مسلم نے اسکی روایت کی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں **بلغنا ناعوس البحر** ہے اور صحیح نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی تحقیق مرقات میں موجود ہے اس کی طرف مراجعت کرو، اس میں اسکی نفیس بحث ہے۔

10/7302۔ان ہی سے روایت ہے فرمایا: مجھے ابوسفیان بن حرب نے رودررو بیان کیا(15) اور کہا میں اس صلح کے زمانہ میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوئی تھی

---

(15) **قولہ : من فيه الى فيّ** (رودررو) اس میں من ابتدائیہ ہے یعنی جو حدیث میں بیان کررہا ہوں وہ ان کے منہ سے راست میرے منہ تک پہنچی ہے ہمارے درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے علامہ طیبی نے یہ بات بیان کی ہے۔ اوراس کے راجح معنی یہ ہیں کہ ان کے ساتھ میرے سوا کوئی بھی دوسرے موجود نہیں تھے۔اور یہ بات لفظ **حدثني** سے اور لفظ **في** سے معلوم ہورہی ہے کیونکہ اگر ان کے علاوہ دوسرے موجود ہوتے تو وہ بھی اس کو روایت کرتے تھے پھر یہ بیان ان کے منہ سے میرے منہ تک محدود نہ ہوتا۔

وقوله : فی المدة یعنی صلح کے زمانہ میں جو میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہوئی تھی، اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہ صلح 6ہجری میں ہوئی اور اس صلح کی مدت دس سال تھی لیکن قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں میں سے بنی قضاعہ کے بعض لوگوں کو قتل کرکے صلح کو توڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 8ہجری میں ان سے جنگ کی اور مکہ فتح کرلیا۔

وقوله: عظیم بصری (بصریٰ کا گورنر) با کو پیش کے ساتھ مد کے بغیر، یہ مدینہ طیبہ اور شام کے شہر دمشق کے درمیان ایک بستی ہے

وقوله: فی نفر (چندلوگوں کے ساتھ) قریش کے چند اشخاص کے ساتھ، وہ تیس(30) مرد تھے۔

قوله : أن يوثر (نقل کیا جائے گا) یہ مضارع مجہول ہے یعنی جھوٹ کی روایت کی جائیگی۔

وقوله : لو لا مخافة ان يوثر علی الكذب (اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے بارے میں جھوٹ نقل کیا جائے گا) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹ اسلام میں جس طرح قبیح اور بری چیز ہے جاہلیت میں بھی اسکو برا سمجھا جاتا تھا۔

سفر پر نکلا اور میں ملک شام میں تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہرقل کے پاس لایا گیا انہوں نے کہا دحیہ کلبی اس کو لے کر آئے اور بصریٰ کے گورنر کو دیا اور بصریٰ کا گورنر اسکو ہرقل کے پاس روانہ کیا تو ہرقل نے کہا وہ صاحب جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں کیا یہاں ان کی قوم کا کوئی شخص ہے، تو لوگوں نے بتایا کہ ہاں ہے تو قریش کے چند لوگوں کے ساتھ مجھے بلایا گیا اور ہم ہرقل کے پاس داخل ہوئے اور ہم کو اس کے سامنے بٹھایا گیا تو ہرقل نے کہا: یہ صاحب جو نبی ہونے کا دعوی کرتے ہیں تم میں سے کون ان سے نسب میں زیادہ قریب ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں نے جواب دیا کہ میں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) میں کہتا ہوں اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ لوگ جو میرے ساتھ ہیں جب میں اپنی بعض گفتگو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی جھوٹ بات کہوں گا تو وہ مجھے جھٹلا دیں گے تو ضرور میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جھوٹ کہتا۔

وقولہ : کیف حسبہ فیکم. (ان کا حسب تم میں کیسا ہے؟) حسب سے مراد وہ چیز ہے جس کو انسان اپنے باپ دادا کے فخر یہ اعمال میں سے شمار کرتا ہے۔ علامہ جوہری نے اس کا ذکر کیا ہے اور حسب لفظ نسب سے عام ہے اسی لئے نسب کے بجائے حسب کا لفظ اختیار کیا ہے۔

وقولہ: وھو فینا ذو حسب (وہ ہم میں اچھے حسب والے ہیں) یعنی عظیم حسب ونسب والے ہیں کیونکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب یہ ہے سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہشام بن عبدمناف۔ اور ابوسفیان کا نسب یہ ہے ابوسفیان ابن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف اور ان اشخاص میں عبدمناف خاندان سے میرے سوا اس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا۔

وقولہ : بل ضعفاء ھم (بلکہ ان کے کمزور لوگ ہیں) یہاں اشراف سے مراد تکبر وغرور والے مراد ہیں اس سے ہر معزز شخص مراد نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہرقل کے سوال سے پہلے اسلام لانے والوں میں موجود ہیں، بعض علماء نے یہی بات ذکر کی ہے۔ اور علامہ عینی نے اس کا تعقب کیا ہے کہ دونوں عمر اور حضرت حمزہ بھی پہلے تکبر اور گھمنڈ کرنے والوں میں سے تھے لہٰذا ابوسفیان کا یہ کہنا غالب افراد کی بناء پر ہے۔

وقولہ : سخطۃ لہ (اس سے ناراض ہوکر) یعنی دین کو ناپسند کر کے اور اس کو عیب لگا کر اور سخطۃ ترکیب میں مفعول لہ ہے یعنی جو شخص مجبور کیا جا کر یا نفسانی خواہش کی وجہ مرتد ہو جائے تو وہ اس جملہ سے نکل جاتا ہے۔ (ماخوذ ازمرقات)۔

ہوں تو انہوں نے مجھے اس کے سامنے بٹھایا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بیٹھایا، پھر وہ اپنے ترجمان کو بلا کر کہا: تم ان سے کہو کہ میں ان سے ان صاحب کے بارے میں پوچھوں گا جو اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کررہے ہیں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ بتلا دو۔ ابوسفیان نے کہا: خدا کی قسم! اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ میرے بارے میں جھوٹ نقل کیا جائیگا تو میں اسکو جھوٹ کہہ دیتا پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: ان سے پوچھو تم میں ان کا حسب کیسا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: میں نے کہا: کہ وہ ہم میں اچھے نسب والے ہیں، پھر اس نے کہا: کیا ان کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ بھی تھے؟ تو میں نے کہا نہیں، پھر اس نے کہا: جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے پہلے کیا تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے؟ تو میں نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا ان کی اتباع کون کئے ہیں معذور لوگ ہیں یا کمزور لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ میں نے کہا وہ معزز نہیں بلکہ کمزور لوگ ہیں اس نے کہا کیا وہ زیادہ ہورہے ہیں یا کم ہورہے ہیں تو اس نے کہا میں نے کہا بلکہ وہ زیادہ ہورہے ہیں اس نے سوال کیا کہ کیا ان میں سے کوئی بھی دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے ناراض ہوکر دین سے مرتد ہورہا ہے انہوں نے کہا میں نے کہا نہیں، اس نے سوال کیا تو کیا تم ان سے جنگ کئے ہو میں نے کہاں ہاں تو اس نے تمہاری جنگ ان کے ساتھ کیسی رہی تو انہوں نے کہا میں نے کہا جنگ ہمارے اور ان کے درمیان (پانی کے) ڈولوں کی طرح ہے(16) وہ ہم سے لے لیتے ہیں اور ہم ان سے لے لیتے

---

(16) **قوله : تکون الحرب بیننا و بینه سجالا** (جنگ تمہارے اور ان کے درمیان ڈولوں کی طرح ہے) یعنی یہ جنگ ایک مرتبہ ہمارے حق میں ہوتی ہے اور ایک مرتبہ ہمارے خلاف ہوجاتی ہے، اس کی اصل یہ ہے کہ ڈول سے پانی سینچنے والوں میں سے ہر ایک کے لئے ڈول ہوتا ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ لفظ **سجل مساجلة** سے ہے اس کے معنی ایک دوسرے کے جیسا کام کرنا ہے، کیونکہ پانی کے لئے ہر آنے والے کا ایک ڈول ہوتا ہے اور ہر ایک کے لئے پانی لینے کا ایک دن مقرر ہوتا ہے۔

اور شرح کرمانی شرح بخاری میں سجالا یعنی ڈول ''س'' کو زیر اور جیم بغیر تشدید سجل کی جمع ہے اس میں سین کو زیر ''ج'' کو جزم ہے مطلب یہ ہے کہ آپس میں لڑنے والے پانی سینچنے والوں کی طرح ہیں یہ شخص ایک ڈول کھینچتا ہے تو یہ شخص ایک ڈول کھینچتا ہے اور مساجلة کہتے ہیں دو فریقوں میں سے ہر ایک وہ کام کرے جو دوسرا فریق کررہا ہے۔ (مجمع

ہیں(17)۔اس نے سوال کیا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں میں نے کہا نہیں اور ہم ان کی طرف سے صلح کی

البحار)

(17) قولہ : یصیب منا و نصیب منه (وہ ہم سے لے لیتے ہیں اور ہم اُن سے لے لیتے ہیں) یعنی وہ کبھی غالب آ کر ہم سے لے لیتے ہے اور کبھی ہم غالب آ کر ان سے لے لیتے ہیں۔اس واقعہ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اوران کفار کے درمیان تین مقامات پر جنگ ہوئی جنگ بدر، جنگ احد، اور جنگ خندق جنگ بدر میں مسلمان کفار سے میدان لے چکے تھے تو جنگ احد میں اس کا الٹا ہوا اور جنگ خندق میں دونوں جانب کے تھوڑے لوگ مارے گئے تھے اور ابوسفیان نے سجال جو کہا تو سچ کہا، باوجود یہ کہ سجال سے دونوں میں برابری لازم نہیں آتی۔

وقولــه : فهل یغدر (اور کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں) یـغدر میں دال کو زیر(کسرہ) ہے اور یہ غدر سے ہے اوراس کے معنی عہد کو توڑنا اور وعدہ خلافی کرنا ہے۔

وقوله : ونحن منه (اور ہم ان کی جانب سے صلح...) یعنی ہم اس مدت میں پر خطر ہیں یعنی اس صلح کے زمانہ میں جو حدیبیہ کے دن قرار پائی تھی۔ وقولـه تبعث فی احساب قومها (رسول اپنی قوم کے اچھے حسب میں بھیجے جاتے ہیں) پیغمبروں کی بعثت ان کی قوموں کے اچھے حسب والوں میں سے ہوتی ہے، تبعـث ایقـاع کے معنی تضمین کے لئے لفظ فی سے متعدی کیا گیا ہے اور لفظ فی یہاں من کے معنی میں ہوسکتا ہے جیسا کہ صاحب قاموس نے اسکو جائز قرار دیا ہے۔ وقوله فقلت (تو میں نے کہا) یعنی اپنے دل میں اپنی رائے کے مطابق کہا۔ وقوله وهـم اتباع الرسل (رسولوں کی پیروی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں) یعنی شروع میں اتباع کرنے والے جیسا کہ علماء اور اولیاء کے متبعین میں دیکھا جاتا ہے۔وقولـه بشـاشته یعنی اس کی انس وفرحت۔ وقوله: أن یک مـا تقول حقا فإنه نبی (جو تم کہہ رہے ہوا گر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں) شرح مسلم میں ہے علماء نے کہا کہ ہرقل کا یہ قول کہ ''جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں''۔اس نے اس بات کو سابقہ کتابوں سے معلوم کیا ہے، چنانچہ تورات میں یہ بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس جیسی مزید علامتیں موجود ہیں۔ پس اس نے علامتوں کے ذریعہ آپ کو پہنچانا۔اب رہا آپ کی نبوت پر قطعی دلیل تو وہ آپ کا خارق عادت واضح کھلا معجزہ ہے اس طرح کی بات علامہ مازری نے فرمائی ہے۔اور علامہ شیخ اکمل الدین نے فرمایا: ان تمام باتوں کے باوجود ایمان نہیں لایا۔اوراس کو یہ جو معرفت حاصل ہوئی اس سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ یہی وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے خلاف فوج لے کر حملہ آور ہوا اور صحابہ کے خلاف جنگ کیا اوراس نے ان کے خلاف روم اور روم کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی فوج لیکر بار بار حملہ کرنے میں کوتاہی نہیں کیا، اللہ تعالیٰ اس کی فوج کو شکست

دیتا گیا اوران کو ہلاک کرتا گیا اوراس کی فوج میں سے سوائے تھوڑے لوگوں کے کوئی اس کی طرف واپس نہیں پلٹا۔
(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) مگر پھر بھی وہ مسلسل ایسی ہی حرکت کرتا رہا اور جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ وہ مرگیا اوراس وقت ملک شام کے اکثر شہر مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہو چکے تھے۔ پھراس کے بعداس کا بیٹا والی ہوا اوراس کے مرنے کے ساتھ رومی حکومت ختم ہوگئی۔

میں کہتا ہوں: جاہلیت والی رومی حکومت ختم ہوگئی پھران کے لئے وہ حکومت غلبہ اورایمانی قوت کے ساتھ اسلامی حکومت میں تبدیل ہوگئی۔ وقولہ اخلص (پہنچ سکوں) لام کو پیش ہے اس کے معنی ہیں اگر میں ان تک پہنچ سکوں۔
وقولہ: لغسلت یعنی میں ان کے قدم مبارک کے دھوون سے اپنا منہ دھوتا۔ امام نووی نے فرمایا اس کے لئے اس کے بارے میں کوئی عذر باقی نہیں رہا کیونکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو جان گیا تھا۔ وہ حکومت کی لالچ میں قبول کرنے سے پیچھے رہ گیا اوراقتدار کی خواہش میں وہ اسلام پر کفر کو ترجیح دیا اورصحیح بخاری میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر آیا ہے۔ اگراللہ تعالیٰ اسکی ہدایت کا ارادہ فرماتا تو ضروراسکو اس کی توفیق عطا فرماتا جیسا کہ نجاشی کو توفیق عطاء فرمایا اوراس کی ریاست بھی ہمیشہ رہی۔ اور ہمارے شیخ المشائخ علامہ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس کے ایمان میں اختلاف کیا ہے اورراجح بات یہ ہے کہ وہ کفر پر قائم رہا۔ اورمسند امام احمد میں ہے اس نے تبوک سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھ کر بھیجا ''میں مسلمان ہوں'' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے جھوٹ کہا بلکہ وہ نصرانیت پر قائم ہے میں کہتا ہوں اس میں اس کے کفر پر مرنے کی صراحت نہیں ہے۔ اس کے اصل کی بناء پر کفر پر مرنے کے قول کو ترجیح دی گئی۔
وقولہ: فقرأہ (اوراس کو پڑھا) اسکی تعظیم کیا اوراسکی حفاظت کرنے میں مبالغہ کیا اوریہ چیز اسکی اولاد میں بادشاہت کے باقی رہنے کا سبب بن گئی، اسکے برخلاف کسریٰ کہ اُس نے مبارک خط کو پھاڑ دیا اور پارہ پارہ کردیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی سلطنت کو پارہ پارہ کردے اوراسکی اولاد کو الگ الگ کردیا اوران سے ان کی سلطنت نکال دی اورعلامہ سیف الدین نے فرمایا: مجھے عرب کے بادشاہ نے فرنگیوں کے بادشاہ کے پاس کسی کام کی سفارش کے لئے بھیجا تو اس کو قبول کیا اور مجھ سے ٹہرنے کی پیشکش کی تو میں اس کو قبول کرلیا پھراس نے کہا: میں آپ کو ایک قیمتی تحفہ دوں گا پھر اپنے صندوق سے سونے کا قلمدان نکالا پھراس میں سے ایک فرمان نکالا اس کے اکثر حروف جاچکے تھے، اور کہا یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط میرے دادا قیصر کے نام ہے، ہم آج تک اس کو ایک دوسرے سے وراثت میں حاصل کرتے رہے ہیں اور دادا نے ہم کو وصیت کی ہے جب تک یہ خط ہمارے پاس رہیگا اس وقت تک بادشاہت ہم سے نہیں جائیگی ہم اس کی حفاظت کرتے آرہے ہیں تاکہ ہمارے لئے حکومت

اس مدت میں ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ وہ اس مدت میں کیا کرنے والے ہیں۔انہوں نے کہا خدا قسم اس ایک بات کے سوا کوئی اور بات اس میں داخل کرنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا، اس نے سوال کیا ان سے پہلے بھی کسی نے ایسی بات کہی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: تم ان سے کہو میں نے تم سے ان کے تم میں حسب کے بارے میں پوچھا تھا تو تم نے کہا کہ وہ تم میں اچھے حسب والے ہیں اور رسول ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ اپنی قوم کے اچھے حسب میں بھیجے جاتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تو تم نے کہا: نہیں تو میں نے کہا کہ اگر ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو میں کہتا یہ صاحب اپنے باپ دادا کی بادشاہت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اور میں نے تم سے سوال کیا تھا ان کے متبعین کے بارے میں کیا وہ قوم کے کمزور لوگ ہیں یا معزز لوگ ہیں تم نے کہا بلکہ وہ ان میں کے کمزور لوگ ہیں تو رسولوں کے پیروی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔اور میں نے تم سے سوال کیا تھا کیا تم ان پر جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس سے پہلے جھوٹ کی تہمت لگائے تھے تو تم نے کہا: نہیں، تو میں جان لیا کہ وہ ایسے نہیں ہو سکتے کہ لوگوں پر جھوٹ کہنا چھوڑ دیں پھر وہ اللہ پر جھوٹ کہنے لگیں۔اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا ان میں سے کوئی دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے ناراض ہو کر دین سے پھر جا رہا ہے؟ تو تم نے کہا نہیں۔ اور ایمان جب اس کی خوشی دلوں سے پیوست ہو جاتی ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔اور میں تم سے پوچھا تھا کیا وہ زیادہ ہو رہے ہیں یا وہ کم ہو رہے ہیں؟ تو تم نے کہا وہ زیادہ ہو رہے ہیں اور تو ایمان ایسا ہی ہوتا ہے(18) یہاں تک کہ وہ پورا ہو جاتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا تھا کیا تم ان سے جنگ کیئے؟ تو تم نے کہا تم ان سے جنگ کیئے اور جنگ تمہارے اور ان کے درمیان ڈول ہو جاتی ہے، وہ تم سے لیتے ہیں اور تم ان سے لیتے ہو تو اسی طرح رسول آزمائے جاتے ہیں، پھر نتیجہ رسولوں کے حق میں ہی ہوتا ہے۔ اور میں نے تم سے پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو تم نے کہا وہ عہد شکنی نہیں کرتے

ہمیشہ رہے۔علامہ اکمل الدین نے اس کا ذکر فرمایا ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

(18)**قولہ : وکذالک الایمان** (اور اسی طرح ایمان ہے) یعنی ایمان کی بشاشت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ

تو رسول ایسے ہی ہوتے ہیں عہد شکنی نہیں کرتے اور میں تم سے پوچھا تھا یہ بات آپ سے پہلے کسی نے کہی تھی؟ تو تم نے کہا نہیں تو میں نے کہا کہ اگر آپ سے پہلے کسی نے یہ بات کہی ہوتی تو میں کہتا کہ یہ صاحب ان سے پہلے جو بات کہی گئی ہے اس کی اقتداء کئے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا پھر اس نے پوچھا وہ تم کو کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو ہم نے کہا وہ ہم کو نماز، زکوۃ، صلہ رحمی اور پاک دامنی کا حکم دیتے ہیں، اس نے کہا: تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر وہ سچ ہے تو یقیناً وہ نبی ہیں۔ اور میں جانتا تھا کہ وہ تشریف لانے والے ہیں لیکن میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اور اگر میں جانتا کہ ان تک پہنچ سکوں گا تو ضرور ان سے ملاقات کرنے کو پسند کرتا اور اگر میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے قدموں کے دھوون سے دھوتا۔ اور ان کی حکومت یقیناً میرے دونوں قدم کے نیچے کی زمین تک پہنچ جائیگی پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منگوایا اور اسکو پڑھا۔ (متفق علیہ) اور یہ مکمل حدیث باب الکتاب الی الکفار (کفار کو دعوت اسلام کے خط کے باب) میں گزر چکی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ باب نبوت کی علامتوں کا بیان ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

22/255 بَابٌ فِی الْمِعْرَاجِ

معراج کا بیان

1/7303 ﴿حضرت قتادہ حضرت انس بن مالک سے اور وہ مالک سے اور وہ مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس رات کے بارے میں بیان فرمایا(1) جس میں آپ کو معراج میں بلایا گیا تھا، کہ میں حطیم میں اور بعض دفعہ فرمایا میں حجر میں لیٹا ہوا تھا(2) ایک آنے والا میرے پاس آیا اور یہاں تک یعنی سینہ کی گنڈی سے آپ کے

(1) قولہ: حدثھم عن لیلۃ اسری بہ. (آپ نے ان کو اس رات کے بارے میں بیان کیا جس میں معراج کرائی گئی) امام زہری نے فرمایا واقعہ معراج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچ سال بعد واقع ہوا اور یہی قول راجح ہے۔(مرقات)۔

(2) قولہ: مضطجعا (لیٹے ہوئے تھے) یہ دونوں روایتوں کے لئے قید ہے اور خواب اور بیداری دونوں کا احتمال ہے۔اور کتاب شرح السنہ میں قاضی عیاض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج سے متعلق لوگوں کے مختلف اقوال ہیں ایک قول میں ہے کہ یہ سارا واقعہ منامی ہے مگر حق بات جس پر اکثر لوگ اور بکثرت بزرگان دین اور متاخرین فقہاء محدثین اور متکلمین ہیں کہ آپ کی معراج جسد مبارک کے ساتھ (بیداری میں) ہوئی ہے۔
اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چیز بھی دکھائی گئی وہ بیداری میں ہے اور آپ نے اس کو اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ قریش نے اس کا انکار کیا اور ایک جماعت جو اسلام لائی تھی واقعہ معراج کو سننے کے بعد مرتد ہوگئی اور یہ انکار اسی وقت متصور ہوگا جب کہ یہ معراج بیداری میں ہو کیونکہ خواب میں اس سے بھی زیادہ بعید بات کا انکار نہیں کیا جاتا۔
اور یہ معراج دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ خواب میں اور دوسری مرتبہ بیداری میں ہوئی ہے۔
اور علامہ ملا علی قاری نے فرمایا: بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ معراج خواب میں بھی اور بیداری میں بھی متعدد مرتبہ ہوئی ہے اور اس قول سے معراج کے مختلف دلائل کے درمیان جمع کیا جاسکتا ہے۔اور علامہ خیالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا بہتر جواب یہ ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوئی ایک مرتبہ آپ کے جسد مبارک کے ساتھ دوسری مرتبہ آپ کی

بالوں(3) (ناف کے نیچے) کے درمیان تک چاک کیا اور میرے دل کو نکالا(4) پھر ایک سونے کا طشت ایمان سے بھرا ہوا میرے پاس لایا گیا(5) اور میرے قلب کو غسل دیا گیا پھر اسکو بھر دیا گیا پھر

روح مبارک کے ساتھ ہوئی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول میں دوسری روحانی معراج کا بیان ہے۔
اور علامہ محی السنہ نے فرمایا رویا سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نزول وحی سے پہلے خواب میں معراج کرایا تھا اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ذکر ہے کہ آپ جب بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے۔ اور اس خواب کو پورا کرنے کے لئے نزول وحی کے بعد بیداری کی حالت میں بھی آپ کو معراج کرائی گئی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری میں فتح مکہ کا خواب دیکھا پھر اس کو(8) آٹھ ہجری میں پورا کیا گیا۔ اور عقائد نسفیہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں جسم کے ساتھ آسمانوں کی طرف معراج ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں سے آپ کو جس قدر بلندی پر چاہا معراج میں بلایا یہ معراج حق اور ثابت ہے۔

(3) **قوله الی شِعرته.** ش کو زیر (کسرہ) ہے پیڑو کو کہتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ شعرۃ سے ناف کے نیچے بال اگنے کا مقام مراد ہے، نہایہ میں ایسا ہی ہے۔ (مرقات)۔

(4) **فاستخرج قلبی.** (اور اس نے میرے دل کو نکالا) ایک شارح نے بیان کیا قلب مبارک کو شق کرنے کا یہ واقعہ بچپن کے واقعہ کے علاوہ ہے وہ شق کرنا خواہش نفس کے مادہ کو نکال دینے کے لئے ہوا تھا اور یہ شق کرنا کمال علم و معرفت کو داخل کرنے کے لئے ہوا۔ اور میں کہتا ہوں اس میں تخلیہ اور تحلیہ دونوں کی طرف اشارہ ہے۔
پھر اس بات کو یاد رکھو کہ یہ معجزہ ہے کیونکہ کسی کے بطن کو چاک کرنا پھر اس میں سے دل نکالنا عام طور پر اس کے بعد زندہ رہنا محال ہے۔ بعض حضرات نے اس کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے۔ علامہ تورپشتی نے فرمایا حدیث شریف میں ذکر آیا ہے آپ کے سینہ مبارک کو چاک کرنا اور دل کو نکالنا اور اس طرح کے دیگر اموران کو تسلیم کرنا اور ان کو ماننا ہی واحد راستہ ہے۔ ان کو حقیقی معنی سے ہٹانا اور مجازی معنی کے ذریعہ منقول اور معقول میں توفیق کا دعویٰ کرنا اسکو محال سمجھ کر حقیقی معنی سے فرار اختیار کرنے کے لئے حقیقی معنی سے ہٹانا نہیں چاہئے۔ اور ہم الحمدللہ صادق ومصدوق کے ارشاد میں حقیقی معنی سے عدول کرنا اور مجازی معنی کو اختیار کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ محال نہیں ہے۔ (مرقات)۔

(5) **قوله: بطست من ذهب.** (سونے کا طشت لایا گیا) ہوسکتا ہے یہ واقعہ سونے کے برتن کے استعمال کی حرمت سے پہلے کا ہو۔ یا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہو۔
قوله: مملوء ایمانا. (ایمان سے بھرا ہوا) شرح مسلم میں ہے ایمان کو طشت میں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس

اس کو اس کی جگہ لوٹا دیا گیا۔

﴿2/7304﴾ اور ایک روایت میں ہے پھر بطن مبارک کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا پھر میرے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور دراز گوش سے بڑا اور سفید روشن تھا۔ اس کو براق کہا جاتا ہے(6) وہ اپنا قدم حد نظر پر رکھتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کرادیا گیا اور جبریل مجھے لیکر چلے حتی کہ آسمان دنیا تک پہنچے(7) اور دروازہ کھولنے کو کہا تو پوچھا گیا کون ہے تو کہا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) میں ایسی کوئی شئی رکھی گئی جس سے ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں اور ایک شارح نے کہا اس کے حقیقی معنی مراد لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں خلاصہ کلام یہ ہے کہ معانی کبھی جسم اختیار کرتے ہیں اور اعمال کے وزن کئے جانے کے باب میں اسکی تحقیق گزر چکی ہے نیز موت کو دنبہ کی شکل میں ذبح کرنے کی حدیث میں اور اس جیسے دوسرے واقعات میں بھی اس بات کی تحقیق گزر چکی ہے۔ (مرقات)۔

(6) **قولہ: یقالُ له البراق.** (اسکو براق کہا جاتا ہے) اس کا نام براق اس کی برق کی طرح تیز رفتاری کی وجہ سے رکھا گیا یہ اور ایک قول یہ ہے کہ براق بریق چمک اور روشنی سے ماخوذ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دو رنگ والا ہونے سے براق کہا گیا جیسا کہ اس بکری کو جس کے سفید بالوں میں کالے دھبے ہوتے ہیں شاۃ برقاء کہتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ مشتق نہ ہو، صاحب لمعات نے کہا ہے کہ یہ تفصیل مواہب میں ہے۔ اور صاحب مرقات نے کہا قول راجح یہ ہے کہ براق کو انبیاء علیہم السلام کی سواری کے لئے رکھا گیا ہے۔ نیز کہا گیا ہے ہر نبی کے لئے الگ الگ براق ہے اور یہ بات انبیاء علیہم السلام کے مراتب کے اعتبار سے مناسب ہے۔ اور شرح مسلم میں ہے براق اس سواری کا نام ہےجس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں سواری کی تھی۔

(7) **قولہ: حتی اتی السماء الدنیا** (یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان تک سوار ہوکر گئے اور اس روایت سے بعض حضرات نے کہا کہ بیت المقدس تک آپ کا سفر ایک الگ رات میں ہوا اور آسمان کا سفر ایک دوسری رات میں ہوا یہ دونوں سفر دوالگ الگ رات میں ہوئے ہیں۔ مگر جو دوسری روایات ہیں اس میں صراحت ہے کہ آسمانوں تک کا سفر معراج براق پر نہیں ہوا بلکہ سُلّم یعنی سیڑھی کے ذریعہ ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بہ ظاہر اس میں راوی کی طرف سے اقتصار اور گزشتہ تفصیلات کا اجمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے۔ ہاں ممکن ہے آپ کا سفر بیت المقدس تک براق پر ہوا ہو اور آسمانوں کا سفر سیڑھی کے ذریعہ ہو (واللہ اعلم) پس اس میں راوی نے مضمون کو لپیٹ دیا جس

جبریل ہے کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو جبریل نے کہا(8) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کی وجہ سے مفہوم کو سمجھنے میں خلل واقع ہوگیا۔ پھر یہ کہ آسمانوں کے سفر سے پہلے بیت المقدس تک کے سفر میں حکمت یہ تھی کہ یہ سفر مخالفین کے سامنے اظہار حق کے راستہ کا تھا۔ اگر مکہ مکرمہ سے سیدھے آسمانوں کا سفر ہوتا تو مخالفین کو حق سمجھانے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ احادیث شریفہ میں بیت المقدس سے متعلق تفصیلات اور راستہ میں قافلہ کی ملاقات سے متعلق معاندین نے سوالات کئے اور آپ نے ان سب کے جوابات دیئے اور اس کے علاوہ اس میں اس مقام کی طرف سفر کی فضیلت بھی ہے یہ مقام اکثر انبیاء علیہم السلام کی ہجرت گاہ ہے۔ نیز مروی ہے بیت المقدس کے بالکل اوپر ملائکہ کی چڑھنے اترنے کی سیڑھی اور جھولا ہے اور اوپر جانے کا بیت المقدس سے راستہ سیدھا ہے اس میں کوئی موڑ نہیں ہے امام سیوطی نے اسکو ذکر کیا ہے۔ (لمعات)۔

(8) **قوله: قال جبرئيل** (انہوں نے کہا جبریل ہوں) قاضی عیاض نے کہا ہے کہ اس میں ضمیر هو یا أنا مقدر ہے۔ اور اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ آسمان میں دروازے ہیں اور اس کی حفاظت کرنے والے بھی مقرر ہیں اور اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ داخلہ کے لئے اجازت لینا چاہئے اور جواب میں أنا کے ساتھ اپنا نام مثلا انا زيد بولنا چاہئے صرف انا (میں) پر اکتفا نہیں کرنا جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اور اس کی یعنی صرف انا میں، میں بولنے کی ممانعت آئی۔

اور علماء نے کہا ہے کہ ارواح کی چار قسمیں ہیں (1) وہ ارواح جو صفات بشریہ سے متصف ہوکر مکدر ہوگئی ہیں اور یہ عوام کی ارواح ہیں جن پر حیوانی طاقتیں غالب ہیں اس لئے ایسی ارواح عروج نہیں کرسکتیں ان میں عروج کی صلاحیت نہیں ہے۔ (2) وہ ارواح جن میں علوم کے اکتساب کے لئے قوت نظریہ کمال درجہ کی ہوتی ہے اور یہ علماء کی ارواح ہیں۔ (3) وہ ارواح جن کو اخلاق حمیدہ کے ذریعہ بدن کی تدبیر کرنے کی کمال درجہ کی قوت ہوتی ہے یہ خدا کے مرتاضین بندوں کی ارواح ہیں اور جب یہ بڑی عمر کے ہوجاتے ہیں تو ان کے جسم ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے اور طاقتور ہوجاتے ہیں۔ (4) وہ ارواح جن کو دونوں قوتوں کا کمال حاصل ہوتا ہے یہ انتہائی اعلیٰ درجہ کی بشری ارواح ہیں اور یہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین ہوتے ہیں اور جب ان میں یہ قوت زیادہ ہوجاتی ہے تو ان کے بدن زمین سے اوپر اٹھ جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام میں چونکہ یہ ارواح زیادہ طاقتور ہوتی ہیں اس لئے وہ آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں اور تمام پیغمبروں میں ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سب سے زیادہ کمال درجہ کی ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج قاب قوسین او ادنی تک ہوئی۔ (مرقات)۔

تو کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا(9) تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا ان کیلئے خوش آمدید(10)۔ وہ تشریف لائے کیا خوب تشریف آوری ہے، پس دروازہ کھولا گیا اور جب میں دیکھا اس میں آدم علیہ السلام تھے تو اس نے کہا یہ آپ کے والد ہیں آپ ان کو سلامتی کی دعا دیں(11) تو میں ان کو سلام کیا انہوں نے

---

(9) **قولہ: قد قیل وقد ارسل الیہ** (کیا معراج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا) اس میں واو عطف کے لئے ہے اور یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی کیا آپ کو بلایا گیا اور معراج کے لئے آپ کے پاس کسی کو بھیجا گیا۔ اس میں صحیح بات یہ ہے کہ آپ کی بعثت و رسالت سے متعلق سوال نہیں ہے کیونکہ اس عرصہ تک فرشتوں پر آپ کی رسالت پوشیدہ نہیں رہ سکتی، اور ایک بات یہ بھی کہی گئی ہیکہ ان کا یہ سوال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر انتہائی تعجب اور آپ کی معراج کی خوشی میں ہے کیونکہ ان کے پاس یہ واضح تھا کہ انسانوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اور ان کو اوپر لیکر آنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیئے بغیر اوپر نہیں آسکتے تھے اور جن کی طرف جبریل علیہ السلام کو بھیجا نہیں گیا ان کے ساتھ جبریل نہیں چڑھے اور ان کے لئے آسمان کے دروازے بھی کھولے نہیں گئے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(10) **قولہ: فنعم المجیئی.** یہ مجیئہ ہے ان کی تشریف آوری لفظ جاء فعل ماضی ہے اور نیا جملہ ہے بیان زمان ہے یا بیان حال ہے اور **المجیئی** نعم کا فاعل ہے اور مخصوص بالمدح مجیئہ محذوف ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی تقدیر **نعم المجیئی الذی جاء** آپ کی تشریف جو آپ تشریف لائے ہیں کتنی اچھی ہے اس میں الذی اسم موصول کو حذف کر کے صلہ کو باقی رکھا گیا۔ **قولہ خلصت** کے معنی و صلت ہے یعنی جب میں پہنچا۔ (مرقات)۔

(11) **قولہ: فسلّم علیہ.** علامہ تورپشتی نے فرمایا: سلام کرنے کا حکم آپ کو اس لئے دیا گیا کہ آپ ان حضرات کے پاس سے گزر رہے تھے اس لئے آپ قائم یعنی کھڑے ہوئے شخص کے حکم میں تھے اور وہ حضرات بیٹھے ہوئے شخص کے حکم میں تھے۔ اور کھڑا ہوا شخص بیٹھے ہوئے شخص کو سلام کرتا ہے اگر چیکہ کھڑا ہوا ہے ان سے افضل ہو اور آپ کا ان سب سے افضل ہونا تو ظاہر و باہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اعلیٰ مرتبہ پر اور سب سے قوی حالت پر اور سب سے زیادہ بلندی پر عروج کرنے والے ہیں۔

قولہ: فرَدّ السلام. انہوں نے بہت اچھے طریقہ پر سلام کا جواب دیا اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام حقیقت میں زندہ ہیں۔

قولہ: مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح (ابن صالح اور اخ صالح کے لئے خوش آمدید) کہا گیا ہے کہ صفت صالح انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ صالحیت ایک ایسی صفت ہے جو خیر اور کرم کے جملہ خصائل اور

سلام کا جواب دیا پھر فرمایا (ابن صالح اور نبی صالح) کے لئے خوش آمدید۔ پھر وہ مجھے لے کر اوپر چڑھے یہاں تک کہ دوسرے آسمان پر پہونچے اور دروازہ کھلوایا تو کہا گیا: کون ہیں؟(12) تو کہا جبریل ہے تو کہا آپ کے ساتھ کون ہیں تو جبریل نے کہا حضرت محمد ہیں تو کہا گیا کیا ان کے پاس بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ تو اس نے کا کہا ہاں تو کہا گیا ان کے لئے خوش آمدید، وہ تشریف لائے کیا خوب تشریف آوری ہے اور دروازہ کھولا گیا پس جب میں اندر پہونچا تو دیکھا کہ حضرت یحییٰ(13) اور

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) جملہ امور خیر کو شامل ہے اور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صالح وہ شخص ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جملہ لوازم و متعلقات کو پورا پورا کرتا ہے اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی زبانوں پر یہ دعا جاری رہتی ہے: "تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ". (12۔سورۃ یوسف، آیت نمبر:101) اے رب مجھے مسلمان وفات دے اور صالحین میں سے مجھے ملا دے۔

وقولہ: حتی اتی السماء الثانیة. اور روایت میں آیا ہے کہ ایک آسمان سے دوسری آسمان کے درمیان کا فاصلہ پانچ سو(500) سال کا ہے۔(مرقات)۔

(12) **قولہ: قیل من هذا الخ.** تمام دروازوں پر اس سوال و جواب کی تکرار اس لئے ہوئی کہ اس سفر میں آپ کے لئے زمان و مکان کو لپیٹ دیا گیا تھا اور رحمٰن کا خاص کرم تھا کہ ہر زبان پر آپ کی تعریف تھی اور آپ کی شان عالی کا ہر طرف چرچا ہو چکا تھا۔(مرقات)۔

(13) **قولہ: اذا یحییٰ وعیسیٰ.** (میں یحییٰ علیہ السلام وعیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا) علامہ ابن الملک نے کتاب شرح المشارق میں فرمایا ہے کہ انبیاء کی ارواح اپنی ان شکلوں کو اختیار کئے جس میں وہ تھیں ظاہر ہوئیں تھیں سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ بعینہ اپنے اسی جسم کے ساتھ تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا انبیاء علیہم السلام کو آسمانوں میں اور بیت المقدس میں دیکھنے کو محمول کیا جاسکتا ہے کہ ان کی روحانیت اپنی ان شکلوں کو اختیار کر کے ظاہر ہوئیں تھیں جس میں وہ تھے سوائے عیسیٰ علیہ السلام کے ان کو دیکھنا اس میں دونوں باتوں کا احتمال ہے یا ان میں سے کسی ایک کا بھی احتمال ہوسکتا ہے۔ تو میں کہتا ہوں ہم یہ بات بتا چکے ہیں انبیاء علیہم السلام دوسرے انسانوں کی طرح مرتے نہیں بلکہ وہ دار فناء سے دار بقاء کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور احادیث میں آیا ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے لئے فرشتوں کی طرح مقامات مقرر ہیں۔(ماخوذ از مرقات)۔

حضرت عیسیٰ ہیں اور وہ دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، اس نے کہا یہ یحیٰی علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ہیں آپ ان دونوں کے لئے سلامتی کی دعا دیجئے تو میں نے سلام کیا اور ان دونوں نے جواب دیا پھر ان دونوں نے کہا **مرحبا بالاخ الصالح و النبی الصالح** (صاحب صلاحیت بھائی اور صاحب صلاحیت نبی کے لئے خوش آمدید) پھر وہ مجھے اوپر تیسرے آسمان کی طرف لے کر چلے اور دروازہ کھلوایا تو کہا گیا یہ کون ہیں تو اس نے کہا جبریل ہوں تو کہا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں تو اس نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو کہا گیا کیا ان کو بلانے کے لئے بھیجا گیا؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے ان کا تشریف لانا کس قدر خوب ہے پس دروازہ کھولا گیا اور جب میں اس میں پہنچا تو دیکھا یوسف ہیں تو اس نے کہا یہ حضرت یوسف ہیں آپ ان کے لئے سلامتی کی دعاء دیجئے میں ان کو سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر فرمائے خوش آمدید اخ صالح نبی صالح کے لئے پھر وہ مجھے اوپر چوتھے آسمان کی طرف چڑھائے اور دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو کہا گیا کون ہیں تو کہا میں جبریل ہوں تو کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو اس نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کہا گیا کیا ان کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے، ان کی تشریف آوری کس قدر خوب ہے پس دروازہ کھولا گیا جب میں اس میں پہنچا تو ادریس علیہ السلام کو دیکھا تو اس نے کہا یہ حضرت ادریس ہیں آپ ان کو سلام کیجئے تو میں ان کو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا پھر انہوں نے کہا خوش آمدید (14) اخ صالح اور نبی صالح کے لئے۔ پھر وہ مجھے اوپر لے چلے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے پھر اس نے دروازہ کھولنے کے

---

(14) **قوله: مرحبا بالاخ الصالح.** (اخی صالح کے لئے خوش آمدید) قاضی عیاض نے فرمایا یہ بات مؤرخین کے قول کے خلاف ہے ان کا قول ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد میں سے ہیں تو ممکن ہے آپ کا اخ صالح فرمانا شفقت اور بطور ادب کے ہو۔ علاوہ ازیں وہ ایک طرح سے والد ہیں ایک طرح سے بھائی بھی ہیں اس معنی میں کہ انبیاء علیہم السلام آپس میں نبوت کے لحاظ سے بھائی بھائی ہیں۔ (شرح مسلم ومرقات)۔

لئے کہا تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہوں کہا گیا اور تمہارے ساتھ کون ہیں تو کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کہا گیا کیا ان کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو اس نے کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید وہ تشریف لائے کیا خوب ان کی تشریف آوری ہے دروازہ کھولا گیا(15) پس جب میں اس میں پہنچا تو ہارونؑ کو دیکھا تو انہوں نے کہا یہ ہارونؑ ہیں آپ ان کو سلام کریں میں ان کو سلام کیا تو وہ جواب دیئے پھر فرمائے اخ صالح اور نبی صالح کے لئے خوش آمدید پھر مجھے اوپر لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر آئے اور دروازہ کھولنے کیلئے کہا تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہوں تو کہا گیا اور آپ کے ساتھ کون ہیں تو کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کہا گیا ان کی طرف بھیجا گیا؟ تو کہا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید کیا خوب تشریف آوری ہے اور دروازہ کھولا گیا اور جب اس میں پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو اس نے کہا یہ موسیٰ ہیں اور ان کے لئے سلامتی کی دعا فرمائیں تو میں ان کو سلام کیا تو وہ جواب دیئے پھر فرمایا اخ صالح نبی صالح (صاحب صلاحیت بھائی اور صاحب صلاحیت نبی) کیلئے خوش آمدید اور جب میں آگے بڑھا تو وہ روئے(16) ان سے کہا گیا آپ کو کیا چیز رلا رہی ہے تو فرمایا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ یہ نوجوان(17) میرے بعد مبعوث ہوئے ان کی امت کے لوگ میری

(15) قولہ: ففتح. (دروازہ کھولا گیا) اس میں اس بات کا اعلان ہے کہ یہ آسمان کا دروازہ صرف ان ہی کے لئے کھولا جاتا ہے جو علوم مرتبت اور وصف محبت سے متصف ہو۔ اور دشمنوں کے لئے آسمانوں کے دروازے بالکل نہیں کھولے جاتے سوئی کے ناکے سے جمل گزر بھی جائے تو بھی نہیں کھولے جاتے۔(مرقات)۔

(16) قولہ: بکی. موسیٰ علیہ السلام روئے علماء نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کا رونا معاذ اللہ حسد کی بناء پر نہیں تھا کیونکہ اس عالم میں حسد ایک ایک مسلمان کے دل سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر ان حضرات سے کیسے ہوسکتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ منتخب کرلیا ہے بلکہ یہ رونا اپنی امت پر افسوس کی بناء پر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی اتنی کثرت نہیں ہوئی جس قدر کثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی ہے۔

اور علامہ ابن ابی حمزہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں دوسروں سے زیادہ رحمت رکھا ہے اسی لئے ان کا رونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر مہربانی وشفقت کی بناء بطور خوشی ہے۔(ماخوذ از توشیح)۔

(17) قولہ: غلاما. (طاقتور نوجوان) علامہ کرمانی نے فرمایا غلام کا ذکر حقارت یا چھوٹے پن کے لئے نہیں بلکہ اس میں

امت کے مقابلہ میں زیادہ جنت میں جائیں گے پھر مجھے ساتویں آسمان پر چڑھایا گیا اور جبریلؑ نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ تو کہا گیا کون ہے تو کہا جبریل ہے تو کہا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں تو کہا گیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کیا ان کی طرف بلانے کے لئے بھیجا گیا تھا؟ تو کہا گیا ہاں تو کہا گیا خوش آمدید(18) وہ تشریف لائے کتنی اچھی تشریف آوری ہے جب میں وہاں پہنچا تو ابراہیمؑ کو دیکھا تو جبریل نے کہا یہ آپ کے والد ابراہیم ہیں آپ ان کو سلام کیجئے(19) تو میں ان کو سلام کیا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تعظیم اور اس کے خاص کرم کا ذکر ہے کہ عمر کم ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کا آپ پر ایسا کرم ہے جو بڑی عمر والوں پر نہیں ہوا ہے اور کبھی غلام کا ذکر کر کے طاقتور و پھرتیلا نوجوان مراد لیتے ہیں۔ اسی لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ ہجرت فرما کر رونق افروز ہوئے تو اہل مدینہ نے آپ کو شاب (نوجوان) سے یاد کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کم عمر ہونے کے باوجود شیخ سے ذکر کیا۔ **(ماخوذ از مرقات ولمعات)۔**

(18) **قولہ: فنعم المجیئی جاء** (بہت خوب آنا ہے آپ جو تشریف لائے) یہ جملہ تمام انبیاء علیہم السلام کی زبانوں پر جاری تھا اس میں یہ بتانا ہے ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا جانو''۔ یہاں ففتح کا لفظ نہیں ہے ہوسکتا ہے یہ لفظ راوی سے چھوٹ گیا ہو یا ماسبق پر اکتفاء کیا گیا ہو اور **فلما خلصتُ فاذا ابراھیم** سے بھی اس بات پر دلالت موجود ہے۔

(19) **قولہ: فسلم علیہ.** (آپ ان کو سلامتی کی دعا دیجئے) ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے مشاہدہ کمال درجہ مستغرق تھے جیسا کہ ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی''۔(53۔سورۃ النجم، آیت نمبر:17) سے ظاہر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے جبریل علیہ السلام کے لئے ہر مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جانب متوجہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ علامہ حافظ سیوطی نے فرمایا یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد اپنی قبور میں قرار پائے ہوئے ہیں، تو پھر وہ آسمانوں پر کس طرح آئے تو اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کی روحیں ان کے اس جسم کی شکل اختیار کر کے آئیں یا اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتشریف کے لئے ان کے اپنے جسموں کو وہاں آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے بھیج دیا۔ اور اب رہا یہ کہ مختلف آسمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام سے ملاقات میں کیا حکمت ہے اس میں مختلف اقوال ہیں مشہور بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان کے اپنے مراتب کے مطابق ہیں، اب ایک بات یہ باقی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں آیا اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ تمام انبیاء سب کے سب اپنے اپنے مقام کے مناسب آسمانوں میں موجود رہے ہوں اور ان میں سے صرف ایک ایک کے ذکر پر جو مشہور ہیں اکتفاء کیا گیا ہو۔ **(مرقات)۔**

تو وہ سلام کا جواب دیئے پھر فرمایا:ابن صالح ونبی صالح (صاحب صلاحیت صاحبزادے اور صلاحیت والے نبی) کے لئے خوش آمدید۔

پھر مجھے اوپر سدرۃ المنتہی تک پہنچایا گیا(20) تو میں بیر دیکھا جو مقام ہجر کے مٹکوں کے مثل تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے مثل ہیں اس نے کہا یہ سدرۃ المنتہی ہے اور چار نہروں کو دیکھا دو باطنی نہریں اندر جارہی ہیں تو اس نے کہا باطنی(21) دو نہریں جنت کی نہریں ہیں اور ظاہری دو

---

(20) قولہ: ثم رفعت الی سدرة المنتھی (پھر میرے سامنے سدرۃ المنتہی آ گیا) اس سے مراد آپ سدرۃ المنتہی تک چڑھ گئے اور وہ آپ کے سامنے ظاہر ہوگیا رفع الی الشئی کسی چیز سے قریب ہونے کے لئے کہا جاتا ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا اس کا نام سدرۃ المنتہی اس لئے ہے کہ فرشتوں کا علم وہیں تک ختم ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی بھی اس سے آگے نہیں گئے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اس کا نام سدرۃ المنتہی اس لئے ہے کہ اوپر سے اللہ تعالیٰ کے جو اوامر آتے ہیں اور نیچے سے جو اوامر اوپر چڑھتے ہیں وہ یہاں آکر رہتے ہیں، اور امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا سدرۃ کی منتہی کی طرف اضافت اس لئے ہے کہ وہ ایسا مقام ہے کہ بندوں کے اعمال اور مخلوق کے علوم سب کے سب اس جگہ رک جاتے ہیں اور انبیاء اور فرشتوں میں سے کوئی بھی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس سے آگے نہیں گئے اور یہ سدرہ ساتویں آسمان میں ہے اور اس کی جڑ چھٹے آسمان میں ہے۔

وقولہ: مثل قلال ھجر (ہجر کے مٹکوں کی طرح) قلال میں ق کو زیر (کسرہ) ہے اور قلة کی جمع ہے اور قلہ کے قاف کو پیش ہے۔لفظ ھجر "ہ" اور جیم دونوں کو زبر (فتحہ) ہے یہ مقام کا نام ہے یہاں مٹکے بکثرت تیار کئے جاتے تھے اور لفظ فیلة (ہاتھیاں) ف کو زیر (کسرہ) اوری کو زبر (فتحہ) ہے اور یہ فیل کی جمع ہے اور یہ لوگوں کے فہم کے مطابق مثال ہے اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔(ماخوذ از مرقات)۔

(21) قولہ: أما الباطنان فنھران فی الجنة (دو باطنی نہریں تو وہ دو نہریں جنت میں ہیں) علامہ ابن الملک نے فرمایا جیسا کہ حدیث شریف ہے ان میں سے ہر ایک نہر کو کوثر کہا جاتا ہے اور دوسرے کو نہر رحمت کہا جاتا ہے ان کو باطنی نہر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں نہریں عقل سے ماوراء ہیں کہ اس کی حقیقت تک انسانی عقل نہیں پہونچ سکتی یا دیکھنے والوں کی نگاہوں سے وہ پوشیدہ ہیں جنت میں بہنے تک دکھائی نہیں دیتے۔

وقولہ: وأما الظاھران (اب رہے ظاہری دو نہریں) یہ دریائے فرات اور دریائے نیل ہیں۔علامہ قاضی نے فرمایا حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہی کی جڑ زمین میں ہے کیونکہ دریائے نیل وفرات اسکی جڑ سے

نہریں تو نیل اور فرات ہیں، پھر میرے لئے بیت المعمور دکھایا گیا(22) پھر میرے سامنے ایک برتن شراب کا ایک برتن دودھ کا اور ایک برتن شہد کا لایا گیا تو میں دودھ کو لے لیا(23) تو اس نے کہا یہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے پھر(24) مجھ پر ہر دن کیلئے پچاس نمازیں فرض کی گئیں پس میں واپس ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انہوں نے کہا(25) آپ کو کس چیز کا حکم ملا ہے تو میں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) نکلتی ہیں۔علامہ ابن الملک نے فرمایا ہوسکتا ہے ان سے مراد وہ نہریں ہیں جو مشہور ہیں اور ان کا پانی سدرہ کی جڑ سے نکلتا ہو۔اگرچیکہ اس کی کیفیت معلوم نہ ہو۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے اس میں استعارہ ہو اور اس میں نیل وفرات کو جنت کی دونہروں سے اس کے خوشگواری اور مٹھاس میں تشبیہ دی گئی ہو۔یا یہ بھی ہوسکتا ہے یہ صرف ناموں میں اتفاق ہو یعنی جنت کی دونہریں دنیا کی ان دونہروں کا نام ایک ہو۔(مرقات)۔

اور شرح مسلم میں ہے علامہ مقاتل نے فرمایا باطنی دونہریں سلسبیل اور کوثر اور ظاہری دونہریں نیل وفرات ہو اور یہ دونہریں سدرۃ کی جڑ سے نکلتی ہوں پھر اللہ تعالیٰ جہاں ارادہ فرمایا چلتی ہیں پھر زمین سے نکلتی ہیں اور زمین میں بہتی ہیں اور اس میں شرعاً اور عقلاً اس میں کوئی مانع رکاوٹ نہیں ہے۔اور حدیث شریف سے یہ بات ظاہر ہے اور اس لئے اس کو اختیار کیا جانا ضروری ہے۔(مرقات)۔

(22) **قولہ: ثم رفع لی** (یعنی میرے واسطے بیت معمور کو قریب کردیا گیا اور ظاہر کردیا گیا اور یہ ساتویں آسمان میں کعبۃ اللہ کے بالکل مقابل میں ہے آسمان میں اس کا احترام ایسا ہی ہے جیسے زمین میں کعبۃ اللہ کا احترام ہے۔

(23) **قولہ: فاخذت اللبن.** علامہ ابن الملک نے فرمایا تم اس بات کو جانو! لڑکے کی تربیت سب سے پہلے جب دودھ سے ہوتی ہے تو عالم مقدس میں ہدایت وفطرت کو دودھ کی صورت میں پیش کیا گیا۔جس سے قوت روحانیہ کی تکمیل ہوتی ہے۔اور یہی ابدی سعادت کی استعداد وتیاری ہے اس کی ابتداء شریعت کی اتباع ہے اور اس کی انتہاء وصول الی اللہ ہے۔ **قولہ: ھی الفطرۃ** (یہی فطرت ہے) ہی کا مرجع لبن ہے خبر کی رعایت کرتے ہوئے اس کو مؤنث لایا گیا۔(مرقات)۔

(24) **قولہ: ثم** (پھر) یعنی **مقام دنا فتدلٰی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** کے بعد مجھ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں اور آنے والی حدیث جس میں ہے کہ میری امت پر فرض کیا ان دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔(مرقات)۔

(25) **قولہ : فقال الخ** (اس مقام پر موسیٰ علیہ السلام کے گفتگو کرنے کی خصوصیت اس لئے ہوسکتی ہے دنیا میں تمام پیغمبروں میں صرف موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ سے گفتگو کرنے کی خصوصیت حاصل رہی ہے اور انہوں نے ہماری

نے کہا مجھے ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت روزانہ پچاس نمازوں کی طاقت نہیں رکھے گی اور میں خدا کی قسم آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہوں اور بنی اسرائیل کے ساتھ تو شدت سے تجربہ کیا ہوں آپ اپنے رب کے پاس واپس جائیں(26) اور اس سے اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کریں تو میں واپس گیا تو رب نے مجھ سے دس کم کیا(27) میں موسیٰ ے پاس واپس آیا تو موسیٰ نے پہلے کے جیسا ہی فرمایا تو میں واپس ہوا تو رب نے مجھ سے دس کم کیا اور میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو موسیٰ نے پھر ویسی ہی بات فرمائی تو میں پھر واپس گیا تو اس نے مجھ سے پھر دس کم کردیا اور

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) امت پر اس معاملہ میں خیر خواہی اور شفقت کرنے میں اسقدر مبالغہ کیا کہ یہ کسی دوسرے پیغمبر سے اسقدر ظاہر نہیں ہوا۔(لمعات)۔

(26) **قولہ: فارجع الی ربک** (اپنے رب کی طرف پلٹ کر جایئے) نماز کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بار بار یہ مراجعت اس لئے ہوئی کہ آپ دونوں کو یہ معلوم تھا کہ پہلا حکم واجب اور ضروری نہیں تھا آپ کا مراجعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم اول واجب نہیں تھا کیونکہ جو چیز واجب ہوجاتی ہے تو وہ تخفیف کو قبول نہیں کرتی اور یہ بات علامہ طیبی نے فرمائی اور علامہ ابن الملک نے بھی اس کی اتباع کی ہے۔
لیکن میں کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز واجب نہیں ہوتی تو اس میں تخفیف کے سوال کی ضرورت نہیں ہوتی، اس لئے صحیح بات تو وہ ہے جو کہی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شروع میں پچاس نمازوں کو فرض کیا پھر بندوں پر مہربانی سے منسوخ کرکے پانچ نمازیں قائم رکھ دیا جیسا کہ بعض علماء کے پاس رضاعت کی آیت ہے اور ایک قول کے مطابق بیوہ عورت کی عدت بھی اسی قبیل کی ہے۔ اور اس میں دلیل ہے اس بات کی کہ کسی چیز میں قبل وقوع نسخ جائز ہے۔ اکثر علماء نے یہ بات فرمائی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اور معتزلہ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ قبل وقوع نسخ جائز نہیں۔ امام نووی نے اس کا ذکر کیا ہے۔(مرقات)۔

(27) **قولہ: فوضع عنی عشرا** (اس نے مجھ سے دس کم کردیئے) اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ دس دس کم کئے گئے پھر پانچ کم کئے گئے اور آگے ایک روایت آرہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پانچ کم کئے گئے اور اس روایت میں ایک تیسرے برتن کا اضافہ ہے جو شہد کا برتن ہے ہوسکتا ہے اس روایت میں دو دو کو ایک دفعہ سے ذکر کیا گیا ہو اور عدم ذکر عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا اور اختصار کی غرض سے اسکو پانچ پانچ کے بجائے دس دس کے عدد سے بیان کردیا گیا ہو۔(ماخوذ از مرقات)۔

میں موسیٰ کے پاس سے گزرا تو انہوں نے پھر وہی بات فرمایا پھر میں واپس گیا تو رب تعالیٰ نے مجھ سے دس کم کیا اور مجھے ہر روز کے لئے دس نمازوں کا حکم دیا گیا تو میں موسیٰؑ کی طرف واپس آیا تو پھر انہوں نے ویسی ہی بات کہی تو میں پھر رب کے پاس واپس ہوا تو مجھے ہر روز کے لئے پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا تو موسیٰ نے کہا آپ کو کیا حکم ملا ہے تو میں بتایا کہ مجھے ہر روز کے لئے پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی طاقت نہیں رکھے گی اور میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہوں(28) اور بنی اسرائیل سے تو خوب آزمایا ہوں اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لئے تخفیف کے لئے سوال کریں۔تو میں نے کہا میں اپنے رب سے سوال کرتا رہا یہاں تک کہ مجھے شرم آگئی ہے اور لیکن میں راضی ہوں(29) اور (میرا اور میری امت کا) معاملہ (اللہ تعالی کے) حوالے کردیتا ہوں،اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب میں آگے بڑھا تو ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا میں اپنے فریضہ کو نافذ کردیا ہوں(30) اور میرے بندوں سے تخفیف

---

(28) قولہ: عالجت (میں بہت تجربہ کیا ہوں) میں ان کے ساتھ تجربہ کیا ہوں اور میں نے ان کو جن امور میں فرمانبرداری کرنے کے لئے کہا تو ان سے مجھے سختی ملی طیبی اور قاموس میں ہے عالجه علاجا و معالجة کے معنی زاولهٗ وداواه ہے،زمین کے ساتھ تجربہ کیا۔

(29) قوله: ولكني ارضى. یعنی میرے رب نے میرے لئے جو فیصلہ کیا اور تقسیم کیا اس سے میں راضی ہوں اور میں اپنا اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کرتا ہوں اور اللہ نے جو حکم فرمایا اس کی تابعداری کرتا ہوں۔
علامہ طیبی نے فرمایا لفظ لکن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دو ایسے کلاموں کے درمیان واقع ہو جس میں تغایر معنوی ہوتا ہے اور وہ یہاں نہیں ہے اس کی وجہ کیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہاں جملہ میں محذوفات ہیں حتى استحييت فلا ارجع فاني اذا رجعت كنت غير راضٍ ولا مسلم ولكني ارضى واسلم. یہاں تک کہ مجھے شرم آگئی اب میں واپس نہیں جاؤنگا اگر میں واپس جاؤں گا تو میں راضی نہ رہنے والا اور اللہ کے سپرد نہ کرنے والا ہوجاؤنگا اور لیکن میں راضی ہوں اور اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔(مرقات)۔

(30) قوله: امضيت فريضتي (میں اپنے فرض کو نافذ کردیا) اس حدیث سے پانچ نمازوں کی فرضیت اور اس میں عدم نسخ پر استدلال کیا گیا ہے اور جو حضرات نماز وتر کو واجب قرار نہیں دیتے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فرضیت سے عمل اور اعتقاد دونوں حیثیت سے فرض قطعی ہونا مراد ہے تو وتر کا وجوب

کردیا ہوں۔ (متفق علیہ)۔

حضرت شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) نے لمعات میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد میں حطیم میں تھا اور بعض دفعہ آپ نے فرمایا میں حجر میں تھا تو اس میں حنفیہ کے قول کی تائید ہوتی ہے حطیم اور حجر ایک ہی چیز ہے کیونکہ یہ ایک ہی واقعہ ہے اور حضرت ملا علی قاری نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مجھ سے کم کردیئے گئے، اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس میں نسخ جائز ہے اور اکثر فقہاء نے یہی فرمایا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔

اور حضرت شیخ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی فرضیت کو نافذ کردینے اور اس میں تبدیلی نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان نمازوں کی فرضیت میں کلی یا جزوی کسی طور پر بھی نسخ نہیں ہوگا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں ہوگی البتہ اس میں یہ جائز ہے کہ ان پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد کسی دوسری نماز کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

3/7305۔ حضرت ثابت بنانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا میرے پاس براق لایا گیا وہ ایک سفید چوپایہ ہے، دراز گوش سے لمبا اور خچر سے چھوٹا ہے جو حد نظر پر اپنا قدم ڈالتا تھا میں اس پر سوار ہوگیا یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچا اور اس کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس حلقہ سے انبیاء باندھتے تھے (31)۔ آپ نے فرمایا پھر میں مسجد

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ایسا نہیں ہے کیونکہ وتر کا وجوب حدیث سے ثابت ہے جو ظنی الثبوت ہے۔ اسی لئے ہمارے امام اعظم نے وتر کو جس معنی میں واجب قرار دیا ہے وہ فرض قطعی کے معنی میں نہیں ہے۔ اور پانچ نمازوں کی فرضیت کا امضاء اور اس میں عدم تبدیلی سے مراد کلی یا جزئی کسی طور پر بھی اس میں عدم نسخ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں اضافہ بھی نہیں ہوسکتا۔ اس میں یہ ممکن ہے کہ پانچ نمازوں کے بعد ایک اور نماز کے لئے وحی آئے۔ (لمعات)۔

(31) قولہ: تربط بها الانبياء. تربط اکثر نسخوں میں تا کے ساتھ مؤنث کا صیغہ ہے جماعت الانبیاء کی تاویل میں ہے اور بعض نسخوں میں یاء کے ساتھ مذکر کا صیغہ ہے اور بھا میں ضمیر مؤنث کا مرجع حلقہ ہے اور حواشی میں یربط بہ ضمیر مذکر کے ساتھ ہے اس میں معنی کا اعتبار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اپنی سواری کو اس حلقہ سے باندھا

میں داخل ہوا، اوراس میں دورکعت نماز پڑھا(32) پھر میں نکلا تو جبریل میرے پاس ایک برتن شراب کا اور ایک برتن دودھ کا لائے(33) تو میں دودھ کو اختیار کیا تو جبریل نے کہا آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔ پھر ہم کو آسمان کی طرف اوپر چڑھایا گیا اور سابق کے ہم معنی حدیث بیان کیا، آپ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ میں حضرت آدم کے پاس تھا اور میرے لئے انہوں نے خوش آمدید فرمایا اور دعائے خیر دی۔اور فرمایا: تیسرے آسمان میں میں نے حضرت یوسف کو دیکھا کہ ان کو حسن کا نصف حصہ (34)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے۔اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء علیہم السلام اس سواری پر سواری کئے ہوں۔(لمعات)۔

(32) **قولہ: رکعتین** (یعنی دورکعت نماز تحیۃ المسجد پڑھے اور ظاہر بات ہے کہ یہ وہی نماز ہے جس میں انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء کی اور آپ تمام برگزیدہ پیغمبروں کے امام بنے۔(مرقات)۔

(33) **قولہ: اناء من لبن** (دودھ کا برتن) راوی نے اس کو مختصر روایت کیا اور اس میں شہد کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔ (مرقات)۔

(34) **قولہ: قد اعطی شطر الحسن** (ان کو نصف حسن سرفراز کیا گیا) علامہ مظہر نے فرمایا اس سے مراد نصف حسن ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد مطلق جنس حسن کا نصف ہو یا ان کے سارے اہل زمانہ کا حسن مراد ہو اور یہی مفہوم قابل ترجیح ہے۔اور متاخرین میں سے بعض حفاظ حدیث نے فرمایا اور وہ ہمارے معتبر مشائخ کرام میں سے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت زیادہ حسین تھے کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ کے چہرہ کی روشنی سے دیواریں نظر آتی تھیں جیسے آئینہ میں اس کے مقابل چیز نظر آتی ہے۔اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے بارے میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ سے اکثر اس روشن حالت کو پردے میں رکھا کیونکہ ان کے لئے اس کو ظاہر کردیا جاتا تو وہ آپ کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے۔اور اب رہا یوسف علیہ السلام کا جمال اس میں سے کچھ بھی پردے میں نہیں رکھا گیا اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حسن صوری وحسن معنوی کی زیادتی میں سے حسن صوری کی زیادتی سے سرفراز کیا گیا یہ، اس بناء پر ہے کہا جاتا ہے کہ ان کو میرے حسن کا آدھا دیا گیا ہے۔ (مرقات)۔

عطا ہوا ہے تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعائے خیر دی اور موسیٰ علیہ السلام کے رونے کا ذکر نہیں فرمایا اور فرمایا ساتویں آسمان میں دیکھا حضرت ابراہیم ہیں جو اپنی پشت کو بیت معمور سے لگائے ہوئے ہیں، اور اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں پھر دوبارہ اس کی طرف لوٹ کر نہیں آتے پھر مجھے سدرۃ المنتہی کے پاس لے کر چلے تو اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح اسکے پھل مٹکوں کی طرح تھے پس جب اللہ کے حکم سے اس پر جو چیز چھا گئی چھا گئی تو وہ حسن میں اور تغیر ہو گیا(35) اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور میری طرف جو وحی کی گئی(36) اور مجھ پر ہر دن ورات میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں تو میں موسیٰ کے پاس اتر کر آیا تو انہوں نے کہا آپ کی امت پر آپ کے پروردگار نے کیا فرض کیا ہے تو میں نے کہا دن ورات میں پچاس نمازیں تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیں اور تخفیف کے لئے درخواست کریں۔ کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی کیونکہ میں بنی اسرائیل کو آزمایا ہوں اور ان کا تجربہ کیا ہوں آپ نے فرمایا میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور عرض کیا اے میرے رب میری امت پر تخفیف فرمائیں تو رب نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کردیں تو میں موسیٰ کے پاس آیا اور کہا رب نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کیا ہے تو انہوں نے کہا آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی اپنے

---

(35) **قولہ تغیرت.** یعنی سدرۃ المنتہی اپنی حالت سے بھی اعلیٰ مرتبہ کی حالت میں تبدیل ہو گیا اور یہ لما کا جواب ہے۔ (مرقات)۔

(36) **قولہ: و اوحی الی ما اوحی** (اس نے میری طرف وحی کیا جو وحی کیا) مااوحی کے بیان میں علماء نے متعدد طور پر کلام کیا ہے اور ان میں احتیاط کا طریقہ جو اقرب الی الصواب ہے وہ یہ ہے کہ اس کو اس کے ابہام کے ساتھ ویسا ہی رکھا جائے اس میں اس کی عظمت پر دلالت ہے۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کے سواء اس کو کوئی نہیں جانتا اور بعض علماء نے کسی روایت سے یا ان کے استنباط سے جو ان پر منکشف ہوا اس کو بیان کیا ہے منجملہ امور کے اس میں تین باتیں یہ ہیں (1) پانچ نمازوں کی فرضیت (2) سورہ بقرہ کے خواتیم یعنی آخری آیتیں اور تیسری چیز یہ کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے لئے شرک کے سواء دیگر گناہ معاف کردیئے گئے۔ (لمعات)۔

رب کے پاس لوٹ کر جائیں اور تخفیف کے لئے درخواست کریں آپ نے فرمایا میں اپنے پروردگار اور موسی علیہ السلام کے درمیان مسلسل جاتا اور آتا رہا یہاں تک رب نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں(37) ہر نماز کے لئے (38) دس نمازوں کا ثواب ہے تو یہ پچاس نمازیں ہی ہوئیں۔ جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کیا اور اس کو نہیں کیا تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور اگر اس پر عمل کرتا ہے تو اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کیا(39) اور اس کو نہیں کیا(40) تو اس کے لئے کچھ بھی برائی نہیں لکھی جاتی اور اگر اس برائی کو کرتا ہے تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائیگی۔ آپ نے فرمایا میں اتر کر آیا یہاں تک کہ موسیٰ کے پاس پہنچا اور ان کو یہ خبر دے دیا تو انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جایئے اور تخفیف کی درخواست کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نے کہا میں اپنے رب کے پاس جاتا رہا یہاں تک کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے“۔ (مسلم)۔

---

(37) قولہ: انھن خمس صلوات (یہ پانچ نمازیں ہیں) علامہ طیبی نے فرمایا اس میں ضمیر (ھنّ) اسم مبہم ہے اور اس کی خبر اس کی تفسیر کر رہی ہے۔ (مرقات)۔

(38) قولہ: لکل صلوۃ عشر (یعنی ہر نماز کے لئے دس نمازوں کا ثواب ہے)۔ (مرقات)۔

(39) قولہ: من ھم بحسنۃ الخ (جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے) یہ ایک دوسری بات کا بیان ہے اور ایک دوسری سرفرازی ہے جو قاعدہ کلیہ میں مندرج اس جزئیہ کو شامل ہے چنانچہ فرمایا من ھم بحسنۃ الخ.

وقولہ: کتبتہ لہ عشرا. یہ حرم شریف کے سوا کسی دوسرے مقام میں کم از کم اضافہ ثواب کا ذکر ہے۔ (مرقات)۔

(40) قولہ: فلم یعملھا (اس پر عمل نہیں کیا) یعنی بغیر کسی سبب کے یا کسی جائز سبب کے لئے اس کو ترک کر دیا عمل نہیں کیا برخلاف اس کو اللہ کے لئے چھوڑنے کے جب کہ اس کا اسکو ترک کرنا اللہ کے لئے نہ ہو تو اس کے لئے وہ برائی کچھ بھی نہیں لکھی جاتی اور اگر اس پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اس کو چھوڑ دیا اور نہیں کیا تو یہ چھوڑنا اللہ کے لئے ہوگا اور اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائیگی اور اس کا اسکو چھوڑ دینا کسی برے مقصد سے ہو تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائیگی۔ حجۃ الاسلام نے کتاب احیاء العلوم میں اسی طرح بیان کیا ہے اور بہت سے علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ (مرقات)۔

4/7306۔ابن شہاب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا حضرت ابوذر بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کا چھت مجھ پر سے کھول دیا(41) گیا اور میں مکہ میں تھا جبریل اتر کر آئے اور میرے سینہ کو چاک کیا پھر اس کو زمزم سے دھویا گیا پھر ایمان وحکمت سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لایا گیا اور اس کو میرے سینہ میں انڈیل دیا پھر اس کو جوڑ دیا پھر انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمان کی طرف اوپر لیکر گئے اور جب میں آسمان دنیا کے پاس پہنچا تو جبریل نے اس آسمان کے خازن سے کہا دروازہ کھولو تو اس نے کہا یہ کون ہے تو کہا جبریل ہوں اس نے کہا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہیں تو کہا ہاں میرے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس نے کہا کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا تو کہا ہاں پس جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمان دنیا پر اوپر چلے گئے اچانک ایک صاحب کو دیکھا بیٹھے ہوئے ہیں ان کے سیدھے جانب بھی اشخاص ہیں(42) اور بائیں جانب بھی اشخاص ہیں جب وہ اپنے سیدھے جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور

---

(41) قولہ:فرج عنی سقف بیتی (میرے گھر کے چھت کو میرے اوپر سے کھولا گیا)اسراء(معراج) کے مکان کے تعین میں مختلف روایات ہیں بعض میں ہے میں حطیم میں تھا اور بعض میں ہے میں حجر میں تھا بعض روایات میں ہے میں مکہ میں تھا اور بعض روایات میں ہے مجھے شعب ابی طالب سے معراج کرائی گئی اور بعض روایات میں ہے میں ام ہانی کے گھر میں تھا اور یہ روایت بہت مشہور ہے۔اب ان تمام روایات میں صاحب فتح الباری کے بیان کے مطابق اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے آپ رات میں ام ہانی کے مکان میں تھے اور ان کا گھر شعب ابی طالب میں تھا اور آپ نے جو فرمایا کہ میرے گھر کے چھت کو کھولا گیا اس میں آپ نے گھر کی نسبت جو اپنی ذات مقدسہ کی طرف کی تو وہ اس لئے کہ آپ اس رات میں آرام فرمارہے تھے اور اس گھر میں آپ کے پاس فرشتہ آیا اور آپ کو گھر سے مسجد حرام میں لائے آپ اس وقت آرام فرمارہے تھے ابھی نیند کا اثر موجود تھا پھر آپ کو حطیم سے کعبۃ اللہ کے دروازے کے پاس لایا گیا اور براق پر آپ کو سوار کرایا گیا۔(ماخوذ از لمعات ومرقات)۔

ثم قولہ وانا بمکۃ (اور میں مکہ میں تھا) یہ جملہ حالیہ ہے اور اس میں بتانا ہے کہ یہ واقعہ مکی ہے مدنی نہیں ہے۔(ماخوذ از لمعات ومرقات)۔

(42) قولہ : أسودة (اشخاص) یہ سواد کی جمع ہے جیسے زمان کی جمع ازمنۃ ہے اور اس کے معنی شخص ہے کیونکہ وہ دُور سے کالا نظر آتا ہے یعنی وہ اشخاص آدم علیہ السلام کی اولاد تھے۔ وقولہ : قلت لجبرئیل من ھذا (میں نے

جب وہ اپنے بائیں جانب دیکھتے تو روتے تھے تو انہوں نے کہا خوش آمدید نبی صالح اور ابن صالح کے لئے میں جبرئیل سے کہا یہ کون صاحب ہیں تو انہوں نے کہا یہ آدم ہیں اور ان کے سیدھے جانب اور بائیں جانب کے یہ لوگ ان کے بیٹوں کی اولاد ہیں اور ان میں سے سیدھے جانب والے اہل جنت ہیں اور ان کے بائیں جانب کے لوگ اہل دوزخ ہیں۔ اور آپ جب اپنی سیدھے جانب دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتے ہیں تو روتے۔ یہاں تک کہ مجھے دوسرے آسمان پر چڑھایا گیا اور اس نے اس کے خازن سے کہا دروازہ کھولو تو اس کے خازن نے ان سے ویسا ہی کہا جیسا پہلے والے نے کہا تھا انسؓ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ نے آسمان میں حضرات آدم وادریس وموسیٰ وعیسیٰ اور ابراہیم کو پایا اور ان کے مقامات کیسے تھے ان کو یاد نہیں رہے۔ سوائے اس کے کہ انہوں نے ذکر کیا کہ آپ نے آدم علیہ السلام کو آسمان دنیا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) جبریل سے کہا یہ کون ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے یہ استقبال ہونے کے بعد سوال فرمایا لیکن مالک بن صعصعہ کی روایت اس کے برخلاف ہے اور قابل اعتماد ہے پس اس روایت کو اس پر محمول کیا جائیگا کیونکہ اس میں اداۃ تمثیل نہیں ہے لیکن میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سوال میں ہذا کا مشار الیہ اسودۃ ہے اور جواب میں آدم علیہ السلام کا ذکر خطاب کے اصل مقصود کو اس پر عطف کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور راوی کا کلام درست ہو گیا۔

قولہ: والاسودة التی عن شمائلہ اھل النار. امام قاضی نے فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ کفار کی روحیں سجین میں قید ہیں اور نیک لوگوں کی روحیں علیین میں نعمت سے سرفراز ہیں تو وہ آسمان میں کس طرح سے جمع ہو گئے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس بات کا احتمال ہے کہ ان کو چند اوقات میں آدم علیہ السلام کے پاس پیش کیا جاتا ہوگا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقام سے گزران ارواح کے پیش ہونے کے وقت میں ہوا ہوگا اور جنت آدم علیہ السلام کے سیدھے جانب میں اور دوزخ بائیں جانب میں تھی تو آپ کیلئے ان دونوں سے حجاب اٹھالیا گیا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جو جانیں دکھائی دے رہی تھیں وہ وہ تھیں جو اب تک جسم میں داخل نہیں ہوئی تھیں اور وہ جسموں سے پہلے پیدا کر دی گئی ہیں اور ان کا ٹھکانہ آدم علیہ السلام کے سیدھے اور بائیں جانب ہے اور اس میں اس کا کیا انجام ہونے والا ہے بتا رہے تھے۔

وقولہ نسم بنية: یہ عام مخصوص عنہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (ماخوذ از مرقات)

میں(43) اور حضرت ابراہیم کو چھٹے آسمان میں پایا اور ابن شہاب نے کہا: مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباسؓ اور ابوحبہ انصاری کہا کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پھر چڑھایا گیا یہاں تک کہ میں مستوی پر پہنچا(44) جس میں قلموں کے لکھنے کی آواز سنتا تھا، اور ابن حزم اور حضرت انس نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پس اللہ نے میری امت پر پچاس (50) نمازیں فرض کیا تو میں اس کو لیکر واپس ہوا یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا

---

(43) وقولہ: وجد آدم فی السماء الدنیا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، وقولہ: ابراھیم فی السماء السادسة (ابراہیم علیہ السلام کو چھٹے آسمان میں پایا، یہ شریک عن انس کی روایت کے موافق ہے اور مابقی تمام روایتوں میں جو ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ساتویں آسمان میں ہیں اس کے خلاف ہے اس کے جواب میں اگر ہم یہ کہیں کہ معراج ایک سے زائد مرتبہ ہوئی ہے تو اب اس میں کوئی اشکال نہیں ورنہ جو روایت کثرت سے آئی ہے وہ قابل ترجیح ہے کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آپ نے ان کو بیت العمور سے اپنی پشت ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے اور یہ اس لئے بھی ہے کہ یہاں انہوں نے فرمایا کہ ان کے مقامات کے بارے میں کہ وہ کیسے ہیں ان کو یا اور جنہوں نے ان کے مقامات کو روایت کیا وہ روایت قابل ترجیح ہوگی۔(مرقات)۔

(44) قولہ: ظھرت. (اس کے معنی علوت ہیں یعنی میں اوپر چڑھ گیا۔وقولہ: لمستویً ۔مستوی میں واؤ کو تنوین ہے اس کے معنی ہیں ٹھکانا بلند مقام اور لمستوی میں لام تعلیلیہ ہے یعنی میں مستوی پر چڑھنے کے لئے اوپر چڑھ گیا اور ہوسکتا ہے لام اس میں الی کے معنی میں ہو اور ایک قول ہے یہ لام اس میں علی کے معنی میں ہے۔وقولہ: صریف الاقلام قلموں کے لکھنے کی آواز یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی وحی اور لوح محفوظ سے ان کو نقل کرنے اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ چاہا ان سب امور کو فرشتے جو لکھتے ہیں ان کے اس لکھنے کی آواز مراد ہے۔علامہ قاضی عیاض نے فرمایا: اس میں اہل سنت کے مذہب کی دلیل ہے کہ اس بات پر ایمان رکھنا ہے کہ وحی الہی اور تقدیریں جو لوح محفوظ سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں جو قلموں سے اللہ تعالیٰ کی کتابوں میں لکھی جاتی ہیں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے وہ سب صحیح ہیں، لیکن اس کی کیفیت اور کیا صورت ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ان قلموں کی کیفیت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اور جن لوگوں کی نظر تحقیق کمزور ہے وہ لوگ اس میں تاویل کرتے اور اس کے ظاہری معنی سے اس کو ہٹاتے اور پھیر دیتے ہیں جبکہ عقلی دلائل کی روشنی میں یہ محال نہیں ہے۔وقولہ: 'وقال ابن حزم وانس' کا 'فاخبرنی ابن حزم' پر عطف ہے اور یہ ابن شہاب زہری کا مقولہ ہے۔(مرقات)۔

تو انہوں نے کہا اللہ نے آپ کے ذریعہ آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے تو میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیا ہے تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیے آپ کی امت طاقت نہیں رکھے گی انہوں نے مجھے واپس بھیجا تو رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا تو میں موسیٰ کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا تو انہوں نے کہا اپنے رب کی طرف لوٹ کر پھر جائیے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی تو میں پھر لوٹ کر گیا اور لوٹ کر جاتا رہا تو رب نے اس کا ایک حصہ معاف کر دیا(45) اور میں ان کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس اور لوٹ کر جائیں کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھے گی تو میں لوٹ کر گیا تو رب نے فرمایا یہ پانچ ہیں اور یہ پانچ پچاس 50 ہیں اور میرے پاس بات میں تبدیلی نہیں ہوتی(46) تو میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انہوں نے کہا آپ اپنے رب کے پاس پھر لوٹ کر جائیے تو میں نے کہا اس میں میرے رب سے شرم آ گئی پھر مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ مجھے سدرۃ المنتہی کے پاس پہنچائے اس پر متعدد رنگ چھا گئے میں نہیں بتا سکتا کہ وہ کیا کیا ہیں پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا تو اس میں موتی کے گنبدیں تھیں(47) اور اس کی مٹی مشک تھی۔(متفق علیہ)۔

---

(45) **قولہ: فوضع شطرھا.** یعنی پچاس نمازوں میں چند نمازوں یعنی پانچ نمازوں کو کم کیا جن کا ذکر دس کے ذریعہ کیا گیا یا جیسا کہ گذرا دس کا ذکر کیا گیا جو دراصل پانچ ہیں۔

قولہ: فقال (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) یعنی آپ کی آخری مراجعت کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ادا کرنا تو پانچ نمازوں کو ہے مگر پچاس ہیں یعنی اس کا اجر وثواب پچاس کا ہے۔(مرقات)۔

(46) **قولہ: لا یبدل القول لدیَّ.** علامہ طیبی نے فرمایا: **استحیت من ربی.** میرے رب سے مجھے شرم آ گئی یہ مناسب بات نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ مناسب مقام ہے اسکو عدم تبدیل کا علم ہونے سے پہلے پر محمول کیا جائے۔

قولہ: ثم انطلق بی حتی انتھی بی. اس میں دونوں صیغے بھی فعل مجہول ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے لے جایا گیا، اور سدرہ تک پہنچا دیا گیا۔(مرقات)۔

(47) **قولہ: جنابذ اللولؤ.** جنابذ جمع ہے اس کا واحد جنبذة ہے اور جیم کو پیش اور نون کو جزم اور ب کو پیش۔ جنبذة ایسی چیز کو کہتے ہیں جو زمین کے اوپر بلند اور گول ہوتی ہے اور عامۃ الناس ج کو زبر (فتحہ) کے ساتھ بولتے ہیں اور یہ گنبد کا معرب ہے۔(لمعات ومرقات)۔

5/7307۔حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت انہوں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلایا گیا تو سدرۃ المنتہی تک آپ کو لے جایا گیا اور یہ چھٹے آسمان میں (48) ہے اور جو چیز زمین سے اوپر اٹھائی جاتی (49) ہے وہاں تک پہنچی ہے پھر وہاں سے لے لی جاتی ہے اور جو چیز اس کے اوپر سے اتاری جاتی ہے وہاں تک پہنچتی ہے پھر وہاں سے لے لی جاتی ہے۔آپ نے فرمایا: سدرہ پر جو چیز چھارہی تھی وہ چھارہی تھی انہوں نے کہا(50) وہ سونے کے ٹڈے تھے اور کہا کہ

---

(48) **قوله: وهي في السادسة** (اور وہ چھٹے آسمان میں ہے) ایک شارح نے کہا کہ سدرۃ کا چھٹے آسمان میں ہونے کا ذکر کسی راوی کا وہم ہے اور صحیح بات وہ ہے جو اکثر جمہور کے پاس مشہور ہے وہ ساتویں آسمان میں ہے۔علامہ قاضی نے فرمایا ساتویں آسمان میں ہونے کی بات قابل ترجیح ہے اور امام نووی نے فرمایا ان دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے اس طرح کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور اس کا اکثر حصہ ساتویں آسمان میں ہو۔(ماخوذ از مرقات)۔

(49) **قولـه: اليهـا ينتهي ما يعرج من الأرض** (زمین سے جو شئی اوپر جاتی ہے اس کے پاس رکتی ہے) اس سے مراد جو اعمال اور جو روحیں نیچے کی جہت میں رہنے والی اوپر چڑھتی ہیں۔ **قـولـه: واليها ينتهي ما يهبط به من فوقها** اس سے مراد وحی اور وہ احکام ہیں جو اوپر کی جہت سے نیچے اترتے ہیں۔

(50) **قـولـه: قال** (انہوں نے کہا) یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "مَـا يَـغْشٰـى" کی تفسیر میں فرمایا وہ سونے کے ٹڈے ہیں۔علامہ طیبی نے فرمایا اگر تم پوچھو کہ اس حدیث شریف میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دوسری حدیث شریف جس میں یہ ہے کہ اس پر متعدد رنگ چھا گئے جن کو میں نہیں بتا سکتا۔ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق وتوفیق ہوگی تو میں کہتا ہوں کہ " **غشيهـا الـوان ادري ما هي**"،میں اور "اِذْ يَـغْشَـى السِّدْرَةَ مَا يَـغْشٰـى " (53۔سورۃ النجم،آیت نمبر:16) میں ان کو ابہام میں رکھ کر ان کی عظمت کو ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہیں جیسا کہ فرعونیوں کے بارے میں آیا ہے:"فَـغَشِيَهُـمْ مِّـنَ الْيَـمِّ مَـا غَشِيَهُـمْ"۔(20۔سورۃ طہ،آیت نمبر:78) دریا میں سے جو چیز ان کو ڈھانک دی (دونوں جگہ شئی معلوم ہے مگر وہ بیان سے باہر ہے)۔

قوله: هنا فراش من ذهب (یہاں آپ کا فرمانا کہ وہ سونے کے ٹڈے ہیں) یہ اس کا مایغشی بیان ہے، میں کہتا ہوں واللہ اعلم راجح قول یہ ہے کہ "مَا يَغْشٰى"میں بہت سی چیزیں ہیں جو شمار سے زیادہ احاطہ بیان سے باہر ہیں۔اور جب خود سدرہ منتہی کی کیفیت بیان سے باہر ہے تو جو شئی اس کے اوپر چھائے کس طرح احاطہ علم میں آسکتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بعض چیزوں کو دیکھا یا دیکھی گئیں اس میں اور اس میں منافات نہیں ہے اور اس طرح سے تمام روایات کے درمیان میں جمع وتوفیق ہوسکتی ہے۔(مرقات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں دی گئیں، اور سورہ بقرہ کی آخری آیتیں دی گئیں (51) اور آپ کی امت سے اس شخص کے لئے مہلکات معاف کردیئے گئے جو اللہ کے

(51) **قولہ: واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ** (اورسورہ بقرہ کے آخری آیات عطاء کی گئیں) اگر تم یہ پوچھو کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں کا معراج میں عطا ہونا صحیح مسلم وغیرہ کی حدیث کے بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے اوپر سے ایک آواز سنی تو سر اٹھایا اور فرمایا یہ فرشتہ ہے جو آج سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا تھا اور وہ سلام کیا اور کہا کہ آپ کے لئے مبارک ہو دو نور جو آپ کو سرفراز کئے گئے ہیں وہ آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی آخری آیات ان میں سے ایک حرف بھی پڑھا جائیگا تو میں اس کو ضرور عطا کرونگا۔ تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ ان میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ عطاء آسمان میں منجملہ ان چیزوں کے ہے جو اوحی الی عبدہ مااوحی میں ہے نمازوں کا مقام اعلیٰ میں عطاء کیا جانا اس کے لئے قرینہ ہے اور جو عطا کی گئی اس کی عظمت کے لئے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کے خصائص کی بشارت دینے کے لئے معظم فرشتہ کا ترنا ہوا ہے اور ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ مدنی ہے اور واقعہ مدنی ہے اور معراج بالاتفاق مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہے تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں سے اس کے آخری آیتیں مستثنیٰ ہیں یہ معراج میں عطاء ہوئی ہیں، مابقی کا مدینہ منورہ میں نزول ہوا اور پورے سورہ بقرہ کا مدنی ہونا اسکی اکثر آیات کے اعتبار سے ہے۔ علامہ ابن الملک نے حسن بصری ابن سیرین اور مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر شب معراج میں اس کی وحی فرمائی ہے اس لئے ان حضرات کے پاس یہ مکی ہے۔

اور جمہور کے قول کے مطابق اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پورا سورہ مدنی ہے۔ علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ اعطی کے معنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام پر نازل ہونا نہیں ہے بلکہ ان آیتوں میں جو دعا سکھائی گئی: ''غُفْرَانَکَ رَبَّنَا'' سے ''اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ'' (2۔سورۃ البقرۃ، آیت نمبر:286) تک اس کی قبولیت کا اعلان ہے اور سائلین ودعا کرنے والوں میں سے اس شخص کے لئے بھی جو اس کے حق ادا کرتا ہے قبولیت کا اعلان کیا گیا۔ (مرقات)۔

اور حضرت عبدالحق محدث نے کتاب لمعات میں فرمایا: ان آیات کے یہاں عطاء کرنے سے مراد ان آیات کے معانی اور اس کے مضمون کی عطاء کردہ مراد ہے۔ اور علامہ طیبی نے فرمایا: خلاصہ یہ ہے ان کی عظمت اور اہتمام شان کی خاطر وحی کی تکرار ہوئی ہے۔ شب معراج میں فرشتہ کے واسطہ کے بغیر ہوئی پھر مدینہ منورہ میں حضرت جبریل امین کے واسطہ سے وحی آئی اور اس سے یہ بات پوری ہوجاتی ہے کہ سارا قرآن مجید جبریل امیں کے واسطہ سے

ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا (52)۔ (مسلم)۔

6/7308۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے آپ کو حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے راتوں رات جانے (53)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) نازل ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: " نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ . عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ". (26۔سورۃ الشعراء، آیت نمبر:193) آیا ہے۔

نیز یہ فرمایا کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ایسے مقامات ہیں جن میں اولین وآخرین رشک کریں گے ان میں سے ایک دنیا میں شب معراج کا واقعہ ہے اور ان میں سے دوسرا آخرت میں مقام محمود پر سرفرازی ہے اور ان دونوں مقامات سے اِس امت مرحومہ کی شان معلوم ہوتی۔ (لمعات)۔

(52) **قوله: وغُفِرَ** (مغفرت کردی گئی) یہ صیغہ مجہول ہے۔ **لمن لایشرک بالله من امته شیئا المقحمات.** **المقحمات** حالت رفعی میں ہے۔ **غفر** کا نائب فاعل ہے اور اس کے حا کو زیر (کسرہ) ہے۔ ہلاک کرنے والے گناہ کبیرہ مراد ہیں اگر رب غفار کا کرم نہ ہو تو اس کے مرتکب کو وہ دوزخ میں ڈھکیل دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کمال والی شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مغفرت کا وعدہ کرلیا گیا اگرچیکہ آیت مغفرت: " اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ "۔ (4۔سورۃ النساء، آیت نمبر:48) اس کے بعد نازل ہوئی ہے اور یہ آیت سورہ نساء کی ہے اور سورہ نساء مدنی ہے اور لمن یشاء کا حدیث میں ذکر نہ ہونا اس لئے ہے کہ یہ واقعہ حکم قدیم کا ہے اور حدیث شریف ہے۔ اور علامہ ابن حجر نے فرمایا یہاں مغفرت سے مراد یہ نہیں ہیکہ امت کو بالکل عذاب نہیں ہوگا کیونکہ نافرمان مسلمان کو عذاب کا ہونا نصوص شریعت سے اور اجماع امت سے ثابت ہے اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔

البتہ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی مطلب ہے تو اس میں اس امت کی خصوصیت نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد امت کی اکثریت ہے کیونکہ یہ امت مرحومہ ہے (اس امت پر اللہ کا خاص کرم ہے) **والله اعلم.**

(53) **قوله: مسرای** (میری معراج) اس میں میم کو زبر (فتحہ) ہے اور یہ مصدر میمی ہے یعنی میرا رات میں چلنا۔ **وقوله اثبتها** (میں اس کو یاد نہیں رکھا) یہ لفظ **اثبات** باب افعال سے ہے، یعنی میں اس سے زیادہ اہم کام میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کو یاد نہیں رکھا۔

وقوله: مثله (اس کے جیسا) مثلہ کی ضمیر کرب کی طرف لوٹتی ہے۔ کرب غم اور رنج وفکر کو کہتے ہیں **وقولُهُ:. فرفعه الله الخ** یعنی اللہ تعالیٰ نے میرے اور اس کے درمیان کا حجاب ہٹادیا تا کہ میں اس کو دیکھوں اور دیکھ کر لوگوں کو بتاتے جاؤں۔ (مرقات)۔

یعنی معراج کے بارے میں پوچھنے لگے اور مجھ سے بیت المقدس کی ان چیزوں سے متعلق پوچھے جو میرے سامنے نہیں تھیں تو میں اس قدر فکر مند ہوگیا کہ ایسا کبھی فکر مند نہیں ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے سامنے ظاہر کردیا میں اس کو دیکھتا جاتا اور وہ کوئی بھی چیز مجھ سے نہیں پوچھتے مگر میں ان کو بتا دیتا تھا اور میں اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا (54) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کھڑے ہوئے (55) نماز پڑھ رہے تھے، میں دیکھا (56) وہ میانہ قد کے تھے اور مضبوط چھریرے بدن کے تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ کے لوگوں میں سے ہیں اور میں حضرت عیسیٰ کو دیکھا کھڑے ہوئے نماز پڑھ

---

(54) **قوله: وقد رأيتني في جماعة من الأنبياء** (انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اپنے آپ کو دیکھا) سیاق وسباق سے اور اس کے بعد کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے یہ شب معراج کا واقعہ ہے اور بالاتفاق یہ واقعہ آسمانوں میں انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے کا اور اس کے علاوہ بیت المقدس میں دیکھنے کا ہے، اور راجح قول یہی ہے کہ آسمانوں پر چڑھنے سے پہلے آپ نے ان کو نماز پڑھائی ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے گوشت کو کھانا زمین پر حرام کردیا ہے اور ان کے جسم بھی ان کی روحوں کی طرح لطیف ہیں ان میں کثافت نہیں ہے اس لئے ان کیلئے عالم ملک وملکوت میں کمال درجہ کے ساتھ ظاہر ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(55) **قوله: قائم يصلي الخ** (وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے) آخرت میں ان کے نماز پڑھنے میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ حضرات زندہ ہیں اور کام کرسکتے ہیں البتہ وہاں کوئی کام ان پر واجب وفرض نہیں۔ (مرقات)۔

(56) **قوله: فاذا رجل ضرب** (تو دیکھا کہ وہ میانہ قد اور چھریرے جسم والے ہیں) خاص قسم کا میانہ قد والے، یا ہلکا پھلکا جسم والے (نہایہ)۔

وقوله: جعد جیم کو زبر (فتحہ) اور ع کو جزم اور اس کے دو معنی ہیں ایک معنی تو مضبوط بٹا ہوا جسم اور دوسرا یعنی چھلہ دار اور خمیدہ بال والے اور یہاں پہلے معنی راجح ہیں کیونکہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے **انه رجل الشعر** وہ لمبے بال والے ہیں یہ باب صاحب التحریر نے کہی ہے، اور علامہ امام نووی نے کہا کہ یہاں دوسرے معنی بھی لے سکتے ہیں کیونکہ **شعر رجل** (خمدار بال) اس وقت بولتے ہیں جب بال زیادہ خمدار بہت گھنگھر یالو نہ ہوں۔ (مرقات)۔

رہے تھے اور لوگوں میں ان کے زیادہ مشابہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور حضرت ابراہیم کو دیکھا کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے ان کے زیادہ مشابہ تمہارے صاحب یعنی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہے اور یہ نماز کا وقت آ گیا(57) تو میں ان کی امامت کیا اور جب نماز سے فارغ ہوا تو مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دوزخ کے داروغہ ہیں آپ ان کو سلام کیجئے میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو وہ خود مجھے شروع میں سلام کئے۔(مسلم)۔

7/7309۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب قریش نے مجھے جھوٹ سمجھا تو میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر کر دیا(58) میں اس کو دیکھتا اور ان کو اس کی نشانیاں بتاتا جاتا

(57)قولہ: فحانت الصلوۃ (یعنی نماز کا وقت آ گیا) یعنی نماز کا وقت آ گیا اور ہوسکتا اس سے صلوۃ التحیۃ مراد ہو اور معراج کی خصوصی نماز بھی ہوسکتی ہے اور اگر سوال کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کر رہے تھے اور آسمانوں پر پیغمبروں کو ان کے مقامات میں دیکھے تو موسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھتے ہوئے کیسے دیکھے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو ان کی قبور میں نماز پڑھتے دیکھا اور جب انبیاء علیہم السلام کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آسمانوں کی طرف معراج ہے تو سب آپ کا استقبال کئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس میں جمع ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المقدس میں نماز پڑھایا پھر وہ سب آسمان کی طرف چڑھ گئے اور بطور مشایعت اور اتباع کے آداب کے کو ملحوظ رکھتے ہوئے آسمان کی طرف آگے چلے گئے ،اور ہر ایک اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ اپنے اپنے مقامات پر ٹھہر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے پاس سے گزرے یہ سب باتیں عقل سے ماوراء ہیں اور معجزات ہیں۔(ماخوذ از مرقات)۔

(58) قولہ: فجلی اللّٰہ لی بیت المقدس (اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت المقدس کو ظاہر فرما دیا) لفظ **جلی** لام کو تشدید کے ساتھ اور بغیر تشدید کے بھی ہے۔اس کی صورت یہ ہوئی کہ درمیان سے حجابات کو ہٹا دیا گیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ لیا اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اس کو آپ کے پاس لایا گیا پھر اس کو اس کی جگہ واپس بھیج دیا گیا ہو۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث شریف میں ہے بیت المقدس کو لا کر حضرت عقیل کے گھر کے پاس اس کو رکھ دیا گیا اور میں اس کو دیکھتا گیا۔اور یہ چیز حصول مقصد کے لئے یہ زیادہ مفید ہے اور

تھا(59)۔(متفق علیہ)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهُ معراج کا بیان ختم ہوا۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس میں کوئی محال لازم نہیں آتا، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بلقیس کا تخت کو حاضر کردیا گیا تو سرور کائنات حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیت المقدس کو تو زمین سے اکھاڑ کر اور اٹھا کر حاضر کیا جانا تو بدرجۂ اولیٰ چاہئے۔(مرقات)۔

(59) قولہ: عن آیاتہ یعنی بیت المقدس کی علامتوں کو بیان کرنا شروع کیا۔(لمعات)۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

23/256 بَابٌ فِي الْمُعْجِزَاتِ

معجزات کا بیان

1/7310۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،آپ نے فرمایا: قریش نے ایک رات مکہ مکرمہ میں مشورہ کیا(1) تو ان میں سے بعض نے کہا وہ جب صبح کریں تو ان کو بیڑیوں میں جکڑ د(2)و، ان کی مراد اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ان کو

---

(1) قولہ: تشاورت قریش (قریش نے مشورہ کیا) اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ وحی نازل فرمائی: ''وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ ''۔(8۔سورۃ الانفال، آیت نمبر:30) اور اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کردیا۔ اور وہ اس لئے کہ قریش نے جب انصار کے اسلام لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی خبر سنا تو خوف زدہ ہوگئے اور آپ کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے اور شیطان بھی ایک بزرگ کی شکل میں داخل ہوا اور کہا: میں نجد سے آیا ہوں اور تمہارے اجتماع کے بارے میں سنا تو تمہارے پاس آگیا تا کہ تمہارے مشورہ کے بارے میں خیرخواہی کروں، مشورہ شروع ہوا تو ابوالبختر ی نے مشورہ دیا میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو کسی کمرے میں قید کردو۔ تو شیخ نجدی نے کہا: یہ کیا ہی بری رائے ہے، کیونکہ ان کی قوم تمہارے پاس آئے گی اور تم سے ان کو چھڑا کر لے جائیگی۔ اور ہشام بن عمرو نے کہا تم انہیں اپنی سرزمین سے نکالدو اس نے کہا یہ بھی کیا ہی بری رائے ہے اور ابوجہل نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہر خاندان میں سے تم ایک طاقتور نوجوان کا انتخاب کرو اور وہ سب مل کر ان کو ایک ہی دفعہ میں شہید کردیں پھر یہ خون مختلف قبائل میں تقسیم ہوجائیگا تو بنی ہاشم کو پورے قریش سے جنگ کرنے کی قوت نہیں رہے گی اور ہم سب مل کر ان کی دیت دیدیں گے تو اس نے کہا اس نوجوان نے ٹھیک بات کہی ہے اور اسی رائے پر متفق ہوکر سب چلے گئے۔ (مرقات)۔

(2) قولہ: فَاَثْبِتُوهُ. ہمزہ کو زبر (فتحہ) اور باء کو زیر (کسرہ) ہے یعنی ان کو باندھ دو جکڑ دو۔

قولہ: والوَثاق. واوَ پر زبر (فتحہ) ہے، ایسی چیز جس سے باندھا جاتا ہے۔

قولہ: یریدون النبی صلی اللہ علیہ وسلم.اذا اصبح اور اثبتوہ میں دونوں ضمیریں مستتر اور بارز سے ان کی مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اثبتوہ میں اثبات سے ان کی مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنا ہے

قتل کردو۔ اور بعض نے کہا بلکہ ان کو نکال دو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مطلع کردیا اور حضرت علی اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹے ہوئے گزارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے یہاں تک کہ غار میں پہنچ گئے۔ اور مشرکین حضرت علی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہوئے پہرہ دیتے رہے اور جب صبح کئے تو ان پر ٹوٹ پڑے اور جب وہ حضرت علی کو دیکھے جبکہ اللہ نے ان کے مکر کو پھیر دیا تو بولے آپ کے صاحب کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا میں واقف نہیں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **وقوله: فاطلع الله نبيه صلى الله عليه وسلم ذلك:** یعنی جبریل امین آئے اور آپ کو اس کی خبر دیئے اور ہجرت کا حکم لائے۔

وقوله: خرج: یعنی آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار کی طرف تشریف لے گئے۔

قوله: ثاروا: میں ث کے بعد الف ہے اس کے معنی ہیں وثبوا آپ پر ٹوٹ پڑے۔

وقوله:عليه اى على رضى الله عنه من على المرقد ظنا انه النبى صلى الله عليه وسلم. یعنی ان پر جو بستر پر تھے اس خیال میں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

وقوله:فمروا بالغار اى بالكهف الذى فوق ذلك الجبل فظنوا انه فيه. اور اس غار کے پاس سے گزرے جو پہاڑ کے اوپر تھا اور خیال کئے کہ آپ اس میں ہیں۔

وقوله:اثره. یعنی آپ کے نشان قدم پر چلے۔ **وقوله:فلما بلغوا الجبل.** جب وہ ثور پہاڑ پر پہنچے۔ **وقوله : اختلط عليهم.** یعنی نشان قدم ان پر مشتبہ ہو گئے۔

وقوله: لَوْدخل الخ. كه اگیا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دو کبوتریوں کو بھیجا وہ دونوں اس کے نیچے کے حصہ میں انڈے دیئے اور مکڑی کو بھیجا اور وہ جالا بُن دی اور روایت میں آیا ہے کہ مشرکین اس طرح غار کے اوپر چڑھے اگر وہ اپنے پاؤں کے نیچے کی طرف دیکھتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکر رضی اللہ عنہ دونوں کو دیکھ لیتے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فکرمند ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ماظنک باثنين، الله ثالثهما** ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو غار دیکھنے سے اندھا کردیا اور غار کے اطراف گھومتے رہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکے۔ **قولُهٗ: فمكث.** ک کو پیش اور زبر دونوں طرح آیا ہے، یعنی آپ ٹھہرے رہے۔

وقوله : فيه ثلث ليال. اس میں تین رات۔ پھر مدینہ کی طرف چلے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

ہوں تو وہ آپ کے نشاناتِ قدم پر تلاش کرتے ہوئے چلتے گئے اور جب پہاڑ تک پہنچ گئے تو نشاناتِ قدم ان پر مشتبہ ہوگئے پس پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے پاس سے گزرے اور اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھتے ہوئے بولے اگر وہ اس میں داخل ہوئے ہوتے تو اس کے دروازے پر مکڑی کا جالا نہ ہوتا اور آپ اس میں تین رات رہے۔(احمد)۔

2/7311۔اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں مشرکین کے قدموں کو اپنے سروں کے اوپر دیکھا جبکہ ہم غار میں تھے (3)، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر ان میں کا کوئی (4) اپنے قدم کی طرف نظر ڈالے تو وہ ہم کو دیکھ لے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تمہارا کیا خیال ہے ان دونوں کے بارے میں جن کا تیسرا اللہ ہے۔ (متفق علیہ)۔

3/7312۔اور حضرت براء بن عازب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت ابوبکر سے کہا آپ مجھے بتایئے کہ جس وقت آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات

(3) **قوله : ونحن في الغار**. علامہ طیبی نے فرمایا۔ یہ غار جبل ثور کے اوپر ایک سوراخ ہے یہ منی کا پہاڑ ہے مکہ مکرمہ سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مشرکین سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں غار کے اوپر چڑھ گئے تھے، تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابت فکرمند ہوگئے اور عرض کئے اگر وہ آج آپ تک پہنچ جائیں گے تو اللہ کا دین جاتا رہے گا۔(مرقات)۔

(4) **قوله : لو ان احدهم نظر الى قدمه ابصرنا** (اگر ان میں سے کوئی اپنے قدم کی طرف نظر ڈالے گا) مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ تو ان کی آنکھوں کو اندھا کردے تو وہ غار کے اطراف گھومتے رہے، مگر سمجھ نہیں سکے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اندھا کر دیا اور آپ کو دیکھ نہیں سکے۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ پورے قصہ کی اس روایت کو اور اس کے ہم معنی جو روایت ہے ان دونوں کو ملالیں جن میں کبوتری اور مکڑی کا ذکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے غار کے دروازے پر ان کی آنکھوں میں دکھایا تو یہ سارا واقعہ معجزہ قرار پاتا ہے۔(مرقات)۔

میں چلے تھے (5) آپ دونوں نے کس طرح کیا تھا۔تو آپ نے فرمایا ہم اپنی اس رات میں اور دوسرے دن صبح بھی چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر کا وقت آ گیا(6) اور راستہ خالی ہو گیا اس میں کوئی بھی نہیں گزر رہا تھا(7) تو ہمارے سامنے ایک لمبی چٹان آ گئی جس کا سایہ تھا اور اس پر دھوپ نہیں آئی

---

(5) قولہ : سریت من سریٰ لغة فی أسریٰ. (آپ رات میں چلے) سری مجرد اور اسری مزید فیہ، دونوں کے معنی رات میں چلنے کے ہیں یعنی جس وقت آپ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لئے غار سے نکلنے کے بعد چلے تھے (مرقات)۔

(6) قولہ : قام قائم الظهيرة. یعنی جب سورج درمیان آسمان میں پہنچ گیا۔کتاب نہایہ میں ہے یعنی جب سورج زوال کے وقت ٹھہر گیا اور یہ مفہوم اہل لغت کے اس قول قامت به دابته سے لیا گے ہے یعنی ٹھہر گیا۔مطلب یہ ہے کہ سورج جب آسمان کے درمیان پہنچ جاتا ہے تو سایہ کی حرکت سورج کے ڈھلنے تک آہستہ ہو جاتی ہے اور دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ ٹھہر گیا ہے، حالانکہ وہ چلتا رہتا ہے اور اس کے رفتار کی تیزی کا اثر ایسا ظاہر نہیں ہوتا جیسا زوال سے پہلے اور زوال کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح ٹھہرتے ہوئے جو دکھائی دیتا ہے اس کو قام قائم الظهيرة سے تعبیر کرتے ہیں۔(مرقات)۔

(7) قولہ : لا یمر فیه احد. (اس وقت کوئی گزر نہیں رہا تھا) یہ اپنے ماقبل کی تاکید یا اس کا بیان ہے۔

قولہ : فرفعت. یعنی نمودار ہوا۔

وقولہ : انا انفض. اس میں ف کو پیش ہے یعنی میں حالات معلوم کرتے رہوں گا اور دشمن کے بارے میں معلومات کروں گا اور دیکھوں گا کہ کیا وہاں کوئی دشمن یا موذی جانور تو نہیں ہے۔

وقولہ: کثبة . کاف کو پیش ہے اور ث کو جزم ہے یعنی جلتہ کے برابر یہ بھی کہا گیا پیالہ بھر اور کبھی تھوڑے پانی اور مختصر سے دودھ کے معنی میں بھی آتا ہے۔

وقولہ : یرتوی فیها. علامہ طیبی نے کہا یرتوی فیها نہیں بلکہ یرتوی منها ہونا چاہئے تو میں کہتا ہوں کہ قاموس میں ہے کہ فی کبھی من کے معنی میں بھی آتا ہے۔

قولہ: یشرب ویتوضأ دونوں نئے جملے ہیں اور یہ دونوں بیان ہیں۔اور ومعی جملہ حالیہ ہے۔اور فحلب اور فاتیت النبی کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

وقولہ :فوافقته. (میں انتظار کرتا رہا) تصحیح شدہ نسخوں میں پہلے ف اور اس کے بعد ق ہے اس کے معنی ہیں میں انتظار کرتا رہا۔

تھی ہم وہاں اتر گئے اور میں نے اپنے ہاتھ سے ایک جگہ صاف کی تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرمائیں اوراس پرایک چمڑا بچھا دیا اورعرض کیا: یارسول اللہ! آپ آرام فرمایئے، میں آپ کے اطراف پہرہ دوں گا پس آپ آرام فرمائے اور میں آپ کے اطراف پہرہ دینے لگا، اوراچانک ایک چرواہے کوآتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کیا تیری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں ہے میں نے کہا کیا تُو دودھ نچوڑے گا؟ تو اس نے کہا ہاں۔ تو وہ ایک بکری کو پکڑا اور ایک پیالہ بھر دودھ نچوڑا اور میرے ساتھ ایک مشکیزہ تھا جس کو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اٹھا کرلایا تھا۔ آپ اس سے سیراب ہوتے، نوش فرماتے، اور وضو بناتے تھے پس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو نیند سے بیدار کرنا پسند نہیں کیا اور آپ کے پاس ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ بیدار ہوئے تو میں دودھ میں تھوڑا پانی ڈالا یہاں تک کہ اس کا تلہ ٹھنڈا ہوگیا تو میں عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نوش فرمائیں تو آپ نے نوش فرمایا اور میں خوش ہوگیا۔ پھر آپ نے فرمایا کیا سفر کا وقت نہیں آیا؟ میں عرض کیا: ہاں آگیا حضرت ابوبکر نے فرمایا سورج ڈھلنے کے بعد ہم سفر شروع کئے سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا تو میں عرض کیا یارسول اللہ وہ (دشمن) ہمارے قریب آگیا تو آپ نے فرمایا فکر مت کرو یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعا کی تو اس کا گھوڑا اس کو

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **وقولہ :حتی رضیت.** (میں خوش ہوگیا) یعنی میرا دل خوش ہوگیا۔ **وقولہ: اتینا،** ماضی مجہول کا صیغہ ہے یعنی ہمارے پاس دشمن آگیا۔

وقولہ : فارتطمت فرسہ. (اس کا گھوڑا اس کو لیکر دھنس گیا) یعنی اس کے پاؤں دھنس گئے جیسے ریت میں دھنس جاتے ہیں۔

وقولہ: فی جلدج اور ل دونوں کو زبر (فتحہ) ہے، یعنی سخت زمین میں۔

وقولہ : فاللہ لکما. اسم جلالہ کو مبتدا ہونے کی وجہ سے پیش ہے، یعنی مجھ سے آپ دونوں کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے، اور ایک نسخہ میں اسم جلالہ کو زبر ہے، لفظ اشہد محذوف ہے، یا قسم ہے اور حرف قسم محذوف ہے۔ **وقولہ: کفیتم .** مفعول کا صیغہ ہے یعنی اس جانب تلاش کرتے ہوئے کسی کے آنے سے آپ بے فکر ہوگئے ہیں، کیونکہ میں آپ کے لئے اس کام کے لئے کافی ہوں۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

لے کر سخت زمین میں پیٹ تک دھنس گیا تو اس نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ آپ دونوں نے میرے خلاف دعا کی ہے اب آپ دونوں میرے حق میں دعاء فرمائیں۔ آپ دونوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ نجات پا گیا۔ پھر وہ کسی سے نہیں ملتا مگر اس سے یہ کہتا تھا ادھر کی تمہاری ضرورت باقی نہیں رہی اور کسی سے نہیں ملتا مگر اس کو واپس کر دیتا تھا۔ (متفق علیہ)(8)۔

شیخ نے لمعات میں فرمایا: کہا گیا ہے کہ وہ بکریاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک اور دوست کی تھیں اور اس کی طرف سے رضا مندی دودھ کی اجازت تھی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان لوگوں کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہوں کو اجازت دے رکھتے تھے کہ راستہ گزرنے والے اصحاب کو اگر دودھ کی ضرورت وحاجت ہو تو ان کے لئے دودھ نچوڑ دیا کریں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ اس کی قیمت دے کر لئے ہوں۔

4/7313۔ حضرت حزام بن ہشام رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا حُبیش بن خالد سے اور یہ ام معبد (9) کے بھائی ہیں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکالے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور ان کے غلام عامر بن فہیرہ ہجرت کرتے

---

(8) **وقولہ :متفق علیہ.** امام نووی نے فرمایا اس حدیث میں بہت فائدے ہیں منجملہ ان کے (1) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے اور (2) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس میں چند وجوہ سے فضیلت کا ذکر ہے (3) اور تابع کا متبوع کی خدمت کرنا (4) اور سفر میں طہارت کے لئے اور پانی پینے کے لئے ایک برتن کا ساتھ رکھنا (5) اور اس میں توکل کی فضیلت اور اس کے اچھے انجام کا بیان ہے۔ (مرقات)۔

(9) **قولہ ام معبد.** یہ خزاعیہ ہے، ان کا نام عاتکہ بنت خالد ہے۔ کہا جاتا ہیکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف اپنی ہجرت کے موقع پر ان کے پاس اترے اسی وقت وہ مشرف بہ اسلام ہوگئیں اور یہ بھی قول ہے کہ وہ مدینہ منورہ آکر اسلام قبول فرمائیں۔ یہ حدیث ام معبد کی حدیث کے نام سے مشہور ہے مؤلف نے اس کا ذکر کیا ہے۔ (مرقات)۔

ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، اور دونوں حضرات کو راستہ بتانے والے صاحب عبداللہ بن لیثی (10) تھے یہ سب حضرات ام معبد کے دو خیمے کے پاس سے گزرے تو اس سے گوشت اور کھجور پوچھے تا کہ اس میں سے کچھ خریدیں مگر اس کے پاس اس میں سے کوئی چیز بھی نہیں پائے اور حال یہ تھا کہ قوم کے

---

(10) قولہ: عبد الله الليثي. یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے اور آپ دونوں کے ساتھ یہ مدینہ منورہ کو ہجرت کئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف رکھنے سے پہلے اسلام قبول کئے۔

قولہ: مرملین. توشہ ان کے پاس ختم ہوگیا تھا۔ شرح السنہ میں ہے المرمل وہ شخص ہے جس کا توشہ ختم ہوگیا ہو۔ اور آدمی کے پاس جب کھانا ختم ہوجاتا ہے تو ارمل الرجل کہا جاتا ہے۔

قولہ: مسنتین. یعنی ان پر قحط آ گیا تھا۔ جب کوئی شخص قحط سے دوچار ہوجاتا ہے تو اسنت الرجل کہا جاتا ہے۔

قولہ: كَسْر الخيمة. کاف کو زبر اور ''سین'' کو جزم کے ساتھ اور ک کو زیر کے ساتھ بھی ہے اس کے معنی ہیں خیمہ کا کنارہ۔ قولہ: خلفها. لام کو تشدید کے ساتھ یعنی اس کو چھوڑ دیا۔ وقولہ: الجهد. جیم کو پیش کے ساتھ اور اس کو زبر سے پڑھا جاتا ہے۔ یعنی دبلاپن۔ وقولہ: عن الغنم. بکریوں سے پیچھے رہ جانے والی۔ وقولہ: قالت هي اجهد من ذلک. یعنی اس میں بالکل دودھ نہیں ہے۔

وقولہ: دعابها. یعنی بکری کو منگوایا۔

وقولہ: تفاجّت. ج کو تشدید کے ساتھ یعنی اس نے دونوں پاؤں کو دودھ نچوڑنے کے لئے کشادہ کردیا۔

وقولہ: ودرت. راء کو تشدید ہے، لفظ در میں دال کو زبر ہے، دودھ کے معنی میں ہے، ارسلت یعنی دودھ چھوڑ دی۔ وقولہ: واجترَّت. راء کو تشدید ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: ''الجرة'' کہتے ہیں وہ چیز جو اونٹ کے پیٹ سے باہر نکلتی ہے اس کو چبا کر نگلنے کے لئے۔ (جگالی)۔

وقولہ: يربص الرهط. یا کو پیش اور ب کو زیر (کسرہ) یعنی ان کو سیراب کرے یہاں تک کہ وہ آرام کریں اور زمین پر دراز ہوجائیں یہ لفظ ربض في المكان سے ہے، جب آدمی زمین سے چپک کر اور چمٹ کر رہتا ہے، تو یہ بولتے ہیں۔ وقولہ: ثجا. ایسا دودھ جو بہنے لگے۔ قولہ: حتى علاه. یعنی برتن کے اوپر تک آ گیا۔ وقولہ: البهاء باء کو زبر ہے، یعنی جھاگ جو کسی چیز کے جوش کے وقت اوپر آ جاتا ہے، مراد دودھ کا جھاگ۔ وقولہ: بعد بدء باء کو زبر (فتحہ) دال کو جزم یعنی شروع کرتے ہی بغیر وقفہ کے اول وقت۔ وقولہ: ثم غادره پھر آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ وقولہ: عندها۔ یعنی اس کے پاس بطور معجزہ چھوڑ دیئے تا کہ وہ اپنے شوہر کو دکھائے۔ (مرقاۃ)۔

پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، اور قحط پڑ گیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ کے کنارہ میں بکری کو دیکھا تو آپ نے فرمایا: اے ام معبد! یہ بکری کا کیا حال ہے؟ تو وہ بولی اس کا دبلا پن اس کو دیگر بکریوں سے پیچھے چھوڑ دیا ہے تو آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے تو وہ بولی اس میں بالکل دودھ نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کیا تم مجھے اس کا دودھ نچوڑنے کی اجازت دوگی، تو وہ عرض کی آپ پر میرے ماں باپ قربان اگر آپ اس میں دودھ دیکھ رہے ہیں تو نچوڑ لیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو منگوایا اور اپنے دست مبارک اس کے تھنوں پر پھیرا اور اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اس کی بکری میں اس کے لئے دعا فرمائی تو اس بکری نے اپنے دونوں پاؤں کو آپ کے لئے کشادہ کر دیا اور دودھ چھوڑ دی اور جگالی کی آپ ایک برتن ایسا منگوائے جو ایک جماعت کو سیراب کر سکے اور اس میں لبالب بھر کر دودھ نچوڑے حتی کہ اس کے اوپر جھاگ آ گیا پھر آپ نے اس عورت کو پلایا یہاں تک کہ وہ سیراب ہوگئی اور ساتھیوں کو بھی پلایا اور وہ بھی سیراب ہوگئے پھر ان سب کے آخر میں آپ نوش فرمائے پھر اس میں دوسری مرتبہ فوری بعد دودھ نچوڑا یہاں تک کہ برتن کو بھر دیا پھر اس کو اس کے پاس چھوڑ دیا اور اس سے بیعت لی اور اس کے پاس سے روانہ ہوگئے، امام بغوی نے اس کی روایت کی ہے اور اس میں اور بھی قصہ ہے۔ (امام بغوی)۔

5/7314۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سنی (11) وہ اس وقت ایک باغ میں پھل توڑ رہے تھے، تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں آپ سے تین ایسے سوال کروں گا جن کو سوائے نبی کے کوئی نہیں جانتا (12) قیامت کی علامتوں میں پہلی علامت کونسی ہے،

---

(11) قوله: بمقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم. یعنی آپ کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آنے کو سنا۔
قوله : في الارض. یعنی باغ میں۔ قوله : تخترف. یعنی میوے توڑ رہے تھے۔ (مرقات)۔
(12) قوله: لا يعلمهن الا نبي. یعنی اس کو کوئی نہیں جانتے سوائے نبی کے یا اس شخص کے جو نبی یا نبی کی کتاب سے سیکھے یہ تاویل اس لئے ہے کہ اس پر یہ اشکال نہ ہو کہ خود عبداللہ بن سلام ان لوگوں میں سے تھے جو اس کو جانتے تھے

اور جنتیوں کی پہلی غذا کیا ہے، اور کونسی چیز بچے کو اپنے باپ ماں کی طرف کھینچتی ہے (راوی نے کہا) تو آپ نے فرمایا: ابھی جبریل نے مجھے ان کے بارے میں خبر دی۔ رہا قیامت کی پہلی علامت تو وہ ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔ اہل جنت جو پہلی غذا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا زائد ٹکڑا ہوگا۔ اور مرد کا نطفہ جب عورت کے نطفہ سے پہلے پہنچ جاتا ہے تو وہ لڑکے کو کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا نطفہ پہلے پہنچ جاتا ہے تو وہ لڑکی کو کھینچ لیتا ہے(13)۔ عبداللہ بن سلام نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں اور انھوں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) یہ جاننا خواہ اجمالی ہو یا تفصیلی اسی لئے آپ کا ان سوالات کے جوابات دینا ان کے لئے معجزہ اور آپ کی نبوت کا ان کے لئے علم یقین بن گیا۔ باب معجزات میں مؤلف کا اس حدیث کو لانے سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔ (صاحب مرقات نے یہ بات بیان کی ہے)۔ تو میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب کسی سے نہیں سیکھا تھا اور کسی کتاب سے بھی نہیں لیا تھا اس لئے یہ لامحالہ آپ کی نبوت کی دلیل بن گیا۔

و قوله: اخبرنی بهن جبریل جبریل علیہ السلام نے ابھی مجھے اس بارے میں بتادیا۔ آپ نے یہ اس لئے فرمایا تا کہ ایسا خیال نہ ہو کہ آپ نے کسی اہل کتاب کے عالم سے اس کو سنا ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے یہ بات بیان فرمائی۔

وقوله : تحشر الناس. یعنی لوگوں کو جمع کرے گی۔

وقوله : فزيادة كبد حوت. یعنی جگر کا کنارہ یہ جگر سے زیادہ ذائقہ دار ہوتا ہے۔ (مرقات)۔

(13) وقوله : اذا سبق ماء المرأة نزعت. ایک شارح نے کہا: نزعت کا مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے نطفہ کے غلبہ کے سبب لڑکے کو اپنی مشابہت کی طرف کھینچے گی یا عورت کا نطفہ کھینچے گا۔ نزعت کا فاعل ماؤها ہو تو نزعت میں مؤنث کا صیغہ مضاف الیہ کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔

وقوله : بهت. باء کو پیش اور ھاء کو جزم ہے کتاب نہایہ میں ہے یہ لفظ بہتان سے بنا ہے اور بہوت کی جمع ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ وقوله : يبهتونی. نون کو تشدید کے ساتھ اور تخفیف یعنی بغیر تشدید کے بھی آتا ہے، يبهتوننی جیسا کہ بعض تصحیح شدہ نسخوں میں ہے یعنی میری طرف بہتان کی نسبت کریں گے اور مجھے مبہوت اور حیران و پریشان ظاہر کریں گے اور میرا اسلام لانا ان کے خلاف واضح حجت نہیں رہے گا۔ وقوله: خيرنا و ابن خيرنا۔ حسب اور علم وصلاح کے اعتبار سے اور "سيدنا و ابن سيدنا" نسب کے اعتبار سے ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہود بہتان تراش قوم ہے آپ کے ان سے کچھ پوچھنے سے پہلے وہ اگر میرے اسلام لانے سے واقف ہوجائیں گے تو مجھ پر تہمت لگادیں گے پھر یہود آئے تو آپ نے دریافت فرمایا عبداللہ بن سلام تم میں کیسے آدمی ہیں تو وہ بولے ہم میں سب سے اچھے اور سب سے اچھے کے بیٹے ہیں اور ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں، تو آپ نے فرمایا تم بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام اسلام قبول کرلیں؟ تو بولے اللہ ان کو اس سے بچائے، عبداللہ بن سلام نکل آئے اور کہا:'' اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ. میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو بولے یہ ہم میں کے سب سے برے اور سب سے برے کے بیٹے ہیں۔ اور ان کو عیب لگائے تب عبداللہ بن سلام نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! یہی وہ ہے جس کا میں اندیشہ کرتا تھا۔ (بخاری)۔

6/7315۔ حضرت انیسہ بنت زید بن ارقم اپنے والد سے روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے پاس ان کی بیماری کی وجہ سے عیادت کیلئے تشریف لائے (14)، آپ نے فرمایا تمہاری بیماری سے تم پر کوئی حرج نہیں لیکن تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ تم کو میرے بعد درازعمری دی جائیگی، اور تم نابینا ہوجاؤ گے انھوں نے کہا میں ثواب کی نیت کروں گا اور صبر کروں گا تو آپ نے فرمایا تب تو تم جنت میں بغیر حساب جاؤ گے وہ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ نابینا ہوگئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی بینائی لوٹا دی (15) پھر وہ انتقال کئے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی)۔

---

(14) وقولہ: علی زید. یعنی علی نفسہ خود راوی حدیث زید مراد ہے، یہ بطور تواضع ہے یا بطور التفات ہے یعنی علی ضمیر متکلم کے بجائے علی زید کہا یا کسی راوی کا تصرف ہے۔ (مرقات)۔

(15) وقولہ: ثم رد اللہ علیہ بصرہ. پھر اللہ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بینائی کے لوٹا دیئے جانے کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا تا کہ صبر کی مشقت زیادہ رہے اور اس پر جو ثواب ملنے والا ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہو۔ پھر ان کو صبر کے ساتھ اللہ کی مدد حاصل ہوگئی۔ (مرقات)۔

7/7316۔حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایک دن فجر کی نماز پڑھائے اور منبر پر تشریف لے گئے اور ہم کو خطبہ دئے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا پھر آپ اترے اور نماز پڑھائے پھر منبر پر تشریف لے گئے اور ہم کو خطبہ دئے یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا پھر آپ اترے اور نماز پڑھائے پھر منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک سورج غروب ہوگیا اور آپ نے ہم کو وہ سب بتا دیا جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ راوی نے کہا ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جو ہم میں اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے(16)۔(مسلم)۔

8/7317۔ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً تمہاری مدد کی جائیگی(17) اور تم غنیمت سے مالا مال ہو جاؤ گے اور تمہارے لئے فتح ہوگی۔تم میں سے جو کوئی یہ صورت حال پائے وہ اللہ سے ڈرے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے۔(ابوداؤد)۔

9/7318۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم عنقریب مصر کو فتح کرو گے اور وہ ایسی زمین ہے جس میں قیراط کا نام لیا جاتا ہے(18)۔ جب تم اس کو فتح کرلو تو وہاں کے باشندگان کے ساتھ حسن سلوک

---

(16) وقولہ: قال ای عمرو. یعنی عمرو نے کہا آج ہم میں زیادہ علم والا وہ شخص ہے جو اس دن کی خبروں کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے، کیونکہ وہ خبریں علوم وحجت پر مشتمل تھیں۔(مرقات، لمعات)۔

(17) وقولہ : منصورون. یعنی دشمنوں پر غالب ہوجائیں گے ومصیبون مال غنیمت سے مالا مال ہوجائیں گے، ومفتوح لکم یعنی تمہارے لئے بہت سے ملک فتح ہوجائیں گے۔(مرقات)۔

(18) وقولہ: ھی ارض یسمی. یعنی اس سرزمین میں قیراط کا ذکر ہوگا۔علامہ قاضی نے فرمایا وہاں کے باشندے معاملات میں ان کی سختی اور مروءت کی کمی کی وجہ سے وہ اپنے معاملات میں کثرت سے قراریط کا ذکر کریں گے، اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوم خسیس اور بدزبان ہوگی۔وقولہ: فاحسنوا الی اھلھا. یعنی ان کے

کرو(19)۔ کیونکہ ان کے لئے امان ہے اور رشتہ داری ہے یا آپ نے یہ فرمایا امان ہے اور سسرالی رشتہ داری ہے اور جب تم دو آدمیوں کو اینٹ کی جگہ کے بارے میں جھگڑتے ہوئے دیکھو تو وہاں سے نکل جاؤ(20) تو وہ کہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن بن شرجیل بن حسنہ اور ان کے بھائی ربیعہ کو ایک اینٹ کی جگہ کے بارے میں جھگڑتے ہوئے دیکھا تو وہاں سے نکل گیا(21) (مسلم)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) برے سلوک پر ان کو درگزر کرو اور ان کی بدسلوکی اور بدزبانی تمہیں ان کے ساتھ بدسلوکی پر آمادہ نہ کرے۔(مرقات)۔

(19) وقولہ : فان لھا. یعنی وہاں کے باشندگان کے لئے ذمہ ہے،اس سے مراد احترام اور امان ہے اور یہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم کے صاحبزادے ہیں۔ وَرَحِـمَـا .د کو زبر(فتحہ) اور ح کو زیر(کسرہ) ہے،یعنی حضرت بی بی ہاجرہ کی طرف سے جو حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہیں کیونکہ سیدتنا ہاجرہ اور سیدتنا ماریہ دونوں قبطی خاندان سے ہیں۔اوقال ذمة وصھرا. یہ راوی کا شک ہے یا آپ نے یہ فرمایا امان اور سسرالی رشتہ ہے۔ایک شارح نے فرمایا اس روایت کی صورت میں صھـر سسرالی رشتہ یہ حضرت ماریہ کے ساتھ خاص ہے اور ذمہ یعنی حرمت والی یہ بی بی ہاجرہ کی وجہ سے ہے۔(مرقات)۔

(20) وقولہ : فاخرج. أی أبا ذر منھا .منھا سے مراد من مصر ہے،یعنی شہر مصر سے تم نکل جاؤ۔فاذا اتیتم کے اعتبار سے بظاہر فاخرجوا ہونا چاہئے تھا۔(تم سب وہاں سے نکل جاؤ) مگر شاید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکل کر چلے جانے کا حکم حضرت ابوذر کے ساتھ خاص فرمایا اس اندیشے سے کہ اگر وہ ان کے درمیان میں رہیں تو کہیں فتنے میں پڑ جائیں گے۔(مرقات)۔

(21) وقولہ : فخرجتُ منھا. میں اس شہر سے نکل گیا۔یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری زمانہ میں اس وقت پیش آیا جب آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابوسرح کی گورنری پر لوگ آپ کے سامنے ناراضگی کا اظہار کئے تھے اور یہ منجملہ علم غیب کے واقعات میں سے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کئے گئے تھے کہ شہر مصر میں یہ واقعہ پیش آئیگا اور اس کے بعد اس میں شر وفساد اور فتنے رونما ہوں گے۔جیسا کہ باشندگان مصر کا اوّلاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کرنا اور ثانیاً حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما جو سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہہ کی طرف سے اہل مصر پر گورنر تھے اہل مصر کا ان کو قتل کر دینا آپ نے جب ان کے شر کو محسوس کیا تو مرے ہوئے گدھے کے پیٹ میں چھپ گئے تو وہ لوگ ان پر آگ کے شعلے پھینکے،اس کو آپ نے ان فتنوں کی علامت بنایا اور ابوذر کو اس شہر سے نکل جانے کا حکم فرمایا یہ ایک واضح بات ہے،شارحین حدیث نے ان ہی

10/7319۔حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میرے اصحاب میں (22) اور ایک روایت میں ہے میری امت میں بارہ (12)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) واقعات پر اختصار کیا ہے اور علامہ طیبی نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ وہاں کے باشندگان کی طبعیتوں میں خست اور جھگڑالو پن ہے، جیسا کہ حدیث شریف کے ابتدائی متن سے یہ بات ظاہر ہورہی ہے پس جب صورت حال اس قدر بگڑ جائے کہ ایک حقیر چیز کے لئے وہ آپس میں لڑ پڑیں تو مناسب یہ ہے کہ ان کے ساتھ رہنے اور ان میں بود و باش اختیار کرنے سے احتراز کریں۔(مرقات)۔

(22) **وقوله : قال في اصحابي.** (میرے اصحاب میں) علامہ شیخ تورپشتی نے فرمایا قابل اعتماد بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کے لئے ایمان کی حالت ہونا ضروری ہے اور صحابی وہی ہے جو اپنے ایمان میں سچے ہوں اور اس کی علامت بھی ان پر ظاہر ہو اور سوائے ان کے جن پر ان کے نفاق سے چشم پوشی کی گئی ہو وہ صحابی نہیں ہوسکتا ان کے صحابہ سے مشابہت ظاہر کرنے اور کلمہ پڑھ کر اپنے کو چھپانے اور ان کے صحابہ میں رہنے کی وجہ سے ان پر صحابی کا اطلاق مجازی طور پر ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فی اصحابی یعنی میرے صحابہ میں ہیں فرمایا اور **من اصحابی** یعنی میرے صحابہ میں سے ہیں نہیں فرمایا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم کہتے ہیں **ابليس كان في الملئكة** . ابلیس فرشتوں میں تھا یعنی ان کی جماعت میں رہتا تھا، اور اس کو فرشتوں میں سے کہنا یعنی ایک فرشتہ کہنا درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''كَانَ مِنَ الْجِنِ ''۔(18۔سورۃ الکھف، آیت نمبر:50) وہ جنات میں سے تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے پوشیدہ طور پر اپنے خاص اور اہل مرتبت صحابہ سے اس تلبیسی نشان زدہ نفاقی جماعت کا معاملہ بتادیا تاکہ ان کے ظاہری ایمان کو قبول نہ کریں اور ان کے اس دھوکہ اور مکر و فریب کو قبول نہ کریں، اور جن صحابہ کو یہ بات محفوظ تھی ان پر ان کا معاملہ پوشیدہ نہیں تھا کیونکہ صحابہ میں ان کی یہ کیفیت مشہور تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ کے مطابق صحابہ ان کے ساتھ صاف گفتگو سے پیش آتے تھے، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ میں ان کے ناموں کو خوب جانتے تھے اس لئے کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے موقعہ پر لیلۃ العقبہ میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جس وقت منافقین رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا عزم کر چکے تھے اور عقبہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت عمار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے سامنے تھے اور حضرت حذیفہ جو سواری کے پیچھے تھے کے سوا اور کوئی نہیں تھے، حضرت عمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے سامنے تھے اور حضرت حذیفہ سواری کے پیچھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ وادی کے نشیبی حصہ کو اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے لئے وسیع اور کشادہ ہے۔

منافقین ہیں جو نہ جنت میں جائیں گے اور نہ اس کی خوشبو سونگھ پائینگے یہاں تک کے سوئی کے ناکہ میں اونٹ داخل ہو جائے(23)۔ ان میں سے آٹھ ایسے ہیں جن کے لئے چھوٹا دنبل کافی ہو جائے گا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھاٹی کے اوپر کو اختیار فرمایا پس جب منافقین اس اعلان کو سنے تو آپ کے ساتھ دھوکہ کرنے کا ارادہ کر لئے اور چہروں پر نقاب ڈال کر پیچھا کئے اور یہ بارہ کی تعداد میں تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے کچھ لوگوں کی آہٹ سنی تو حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ ان کا جواب دو۔ تو حضرت حذیفہ نے اپنی ایک چھڑی سے ان کی سواریوں کے چہروں پر زور سے ایسا مارا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رعب ڈال دیا اور وہ جب حضرت حذیفہ کو دیکھے تو سب تیزی سے ایڑیوں کے بل پلٹ گئے اور لوگوں میں جا کر مل گئے اور حضرت حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے تو آپ نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کیا تم نے ان میں سے کسی کو پہچانا تو حضرت حذیفہ نے کہا نہیں کیونکہ وہ نقاب ڈالے ہوئے تھے لیکن ان کی سواریوں کو جانتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے اور ان کے باپ دادا کے ناموں کو بتادیا ان شاء اللہ صبح کے وقت میں تم کو بتاؤں گا۔ اسی وجہ سے لوگ منافقین کے معاملہ میں حضرت حذیفہ کے پاس رجوع کرتے تھے۔ اور حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ وہ چودہ (14) تھے ان میں سے دو توبہ کر لئے تھے، اور بارہ (12) نفاق پر اڑے رہے، جیسا کہ صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ اور میں کتب حدیث میں ان کے ناموں کو جو حضرت حذیفہ سے مروی ہیں پالیا ہوں، البتہ بعض ناموں میں اختلاف پایا اور دین میں جس چیز کی ضرورت نہیں اس میں اپنے آپ کو ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔ (مرقات)۔

(23) **قولہ: ثمانیۃ منھم** ۔ یعنی بارہ (12) منافقین میں سے آٹھ (8) **تکفیھم** یعنی ان کے شر کو دفع کر دے گا، **الدبیلۃ** علامہ قاضی نے فرمایا دبیلۃ اصل میں دبل کی تصغیر ہے اور چالاک کو کہتے ہیں، اور یہاں خراب پھوڑا مراد ہے جو انسان کے پیٹ میں پیدا ہوتا ہے اور اس کو **دبلۃ** دال کے زبر اور پیش کے ساتھ بھی بولتے ہیں۔ **سراج من نار** آگ کا شعلہ یہ دبیلہ کی تفسیر ہے اور بظاہر یہ حضرت حذیفہ کا کلام معلوم ہوتا ہے۔ **یظھر** یعنی شعلہ نکلے گا۔ **فی اکتافھم** ان کے کندھوں میں **حتی تنجُم** ج کو پیش ہے یعنی یہاں تک کہ وہ ظاہر ہوگا اور نکلے گا، **فی صدورھم** یعنی ان کے پیٹوں میں۔ علامہ قاضی کے کلام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ **تظھر** مؤنث کا صیغہ ہے کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ حدیث میں اس کی تفسیر ایسی آگ سے کی گئی ہے جو ان کے مونڈھوں میں نکلے گی یہاں تک کہ وہ ظاہر ہوگی **تنجم** یعنی وہ ظاہر ہوگی یہ **نجم ینجم** ج کو پیش کے ساتھ ہے، یعنی ظاہر ہوا اور نمودار ہوا پھر فرمایا ہوسکتا ہے اس سے مراد سوجن اور ورم ہو جو ان کے کندھوں میں پیدا ہوگا اور اس کی حرارت اور

اور یہ آگ کے چراغ کی طرح ان کے کندھوں میں ظاہر ہوگا، یہاں تک وہ آگ ان کے سینوں میں نکلے گی۔(مسلم)۔

11/7320۔حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ تبوک(24) میں نکلے اور وادی قری میں ایک عورت کے باغ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس باغ کے پھلوں کا اندازہ لگاؤ، تو ہم ان کا اندازہ لگائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کا دس وسق سے اندازہ کیا اور آپ نے اس خاتون سے فرمایا ہمارے ان شاء اللہ تیرے پاس آنے تک اس کا اندازہ کر کے رکھ اور ہم چلتے رہے، یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے تو آپ نے فرمایا آج کی رات تم پر تیز ہوا چلے گی رات میں کوئی بھی نہ اٹھے اور اگر کسی کے پاس کوئی اونٹ ہو تو اس کی رسی کو باندھ دے، پس ایک تیز ہوا چلی اور ایک صاحب اٹھے تو ہوا ان کو اٹھالی اور مقام طے کے دو پہاڑوں میں پھینک دی پھر ہم آئے یہاں تک کہ وادی قری میں

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) شعلے کی لپیٹ ان کے سینوں میں چراغ کے شعلے کی شکل میں نمودار ہوگی اور حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ان کی شناخت کروائی۔اور یہ سب ایسا ہی ہلاک ہوئے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں آپ کو بتادیا تھا۔صلوات الله وسلامه عليه. (مرقات)۔

(24) **قوله: غزوة تبوک**۔ غزوۃ میں ت کو زبر ہے اور یہ منصوب بنزع الخافضہ یہ اصل میں الی غزوۃ' یا' فی غزوۃ تھا۔وقوله: وادی القری. یہ ایک مشہور مقام ہے اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان ملک شام کی جہت سے تین دن کی مسافت ہے۔وقوله: عقاله. ع کو زیر (کسرہ) ہے وہ ڈوری جس کے ذریعہ اونٹ کی پنڈلی اس کے ہاتھ سے باندھی جاتی ہے۔وقوله: فهبت ريح شديدة . یہ ایک معجزہ ہے۔وقوله : فقام رجل. یہ ایک دوسرا معجزہ ہے۔وقوله : فقالت عشرة اوسق یہ تیسرا معجزہ ہے۔اگرچیکہ اس طرح کی چیز اتفاقی طور پر کبھی ہو بھی جاتی ہے اس کے باوجود یہ معجزہ ہے اس لئے کہ آپ نے اسے چیالنج فرمایا تھا اور اس کا معاوضہ طلب فرمایا تھا۔ اوران معجزات کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفر میں جو منافقین تھے ان کے لئے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور جو اہل عرفان ہیں ان کے اتقان میں اضافہ فرمایا۔(ماخوذ از مرقات ولمعات)

پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے باغ کے متعلق دریافت فرمایا کہ اس کے پھل کتنے ہوئے تو وہ بتائی دس وسق ہوئے۔(25) (متفق علیہ)۔

12/7321۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے پس جب آپ مدینہ منورہ کے قریب آئے تو ایک ایسی ہوا چلی جو قریب تھا کہ سوار کو دفن کردے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کی وجہ سے بھیجی گئی ہے، پس جب مدینہ منورہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا منافق مرگیا ہے۔(متفق علیہ)۔

13/7322۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید وحضرت جعفر اور حضرت ابن رواحہ کی شہادت کی اطلاع آنے سے پہلے ہی لوگوں کو اس کی خبر دی(26) جبکہ وہ لوگ اس سرزمین میں تھے جس کو مؤتہ کہا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا حضرت زید نے جھنڈے کو لیا اور شہید ہوگئے، پھر حضرت جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے، پھر حضرت ابن رواحہ نے لیا وہ بھی شہید ہوگئے اور آپ کی دونوں آنکھیں بہہ رہی تھیں یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد بن ولید نے اس کو لیا یہاں تک کہ اللہ نے ان کو فتح عطا فرمائی۔(بخاری)۔

---

(25) قولہ : متفق علیہ. (بخاری ومسلم نے اس کی روایت کی ہے) مرقات میں اسی طرح ہے۔

(26) قولہ: نعی یعنی لوگوں کو ان حضرات کی موت کی اطلاع دی اس سے موت کی اطلاع دینے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

وقولہ : قبل ان یاتیھم خبرھم مطلب یہ ہے کہ یہ آپ کا معجزہ ہے۔ وقولہ: مؤتة، اس میں میم کو پیش اور ہمزہ کو جزم ہے پھرۃ ہے یہ ملک شام کا ایک شہر ہے اور اس جنگ میں مسلمان تین ہزار تھے اور رومی فوج ہرقل کے ساتھ آئی تھی اور وہ ایک لاکھ تھے اور یہ جنگ 8 ہجری میں ہوئی۔ وقولہ : فقال. یہ سابق مضمون کی تفصیل اور اس کی تفسیر ہے۔ وقولہ : اخذ الرایة زید. کیونکہ عرف یہ ہے کہ لشکر کا امیر (کمانڈر) سردار جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ وقولہ : اخذ الرایة سیف من سیوف اللّٰه. اس سے مراد بہادروں میں سے ایک بہادر ہے کیونکہ حضرت خالد بن ولید ایک ہزار آدمی کے برابر شمار کئے جاتے تھے، اور اس دن آپ کے ہاتھ میں آٹھ تلواریں ٹوٹی تھیں اور اس میں اضافت تشریفی ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

14/7323۔اور انہی سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا جس وقت ہم کو ابوسفیان کے آنے کی اطلاع ملی تو حضرت سعد بن عبادہ کھڑے ہوئے (27) اور کہا یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں حکم فرمائیں کہ ہم ان (گھوڑوں) کو سمندر میں ڈالدیں تو ہم ان کو ڈالدیں گے (28) اور اگر آپ ہمیں حکم

---

(27) **قولہ : قام سعد.** یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان سے کھڑے ہوگئے اور آپ انصار کے سردار تھے پھر آپ نے وہ بات کہی جس کی تفصیل آگے آرہی ہے اور خاص طور پر آپ کے اٹھنے کا ذکر اس لئے ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا انصار کے بارے میں معلوم کرنا تھا کیونکہ انصار نے جو بیعت کی وہ جنگ کے لئے نکلنے اور دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نہیں تھی بلکہ ان کی بیعت اس بات پر تھی کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درپے ہوگا وہ اس کو روکیں گے۔پس جب ابوسفیان کے قافلہ کے لئے نکلنے کا معاملہ درپیش ہوا تو آپ نے چاہا کہ یہ معلوم کریں کہ وہ اس میں موافقت کرتے ہیں یا نہیں۔تو انصار نے اچھا جواب دیا اور مکمل موافقت کے ساتھ اس بار بھی اور اس کے علاوہ بھی۔اور اس حدیث میں اپنے اصحاب، اہل رائے، اور اہل تجربہ حضرات سے مشورہ کی ترغیب ہے۔علامہ طیبی نے فرمایا کہ قریش ملک شام سے بڑی بڑی تجارتوں کے ساتھ واپس آئے اور ان کے (40) چالیس سوار تھے اور ان میں ابوسفیان بھی تھے۔مسلمانوں کو یہ بات پسند تھی کہ قافلہ کو روک لیا جائے کیونکہ اس کی تعداد کم تھی اور مال زیادہ تھا، جب مسلمان اس قافلہ کو روکنے کے لئے نکل پڑے تو یہ خبر اہل مکہ کو پہنچ گئی تو ابوجہل کعبہ کے اوپر ٹہر کر دوسرے قریش کو آواز دیا کہ جلدی کرو جلدی کرو۔پھر یہ تمام اہل مکہ کو لے کر نکل پڑا اور اس سے جب یہ کہا گیا کہ قافلہ ساحل سمندر کا راستہ اختیار کر کے محفوظ طریقہ پر پہنچ گیا ہے لوگوں کو لیکر تم مکہ کو واپس ہوجا تو اس نے کہا نہیں خدا کی قسم اور ان کو لیکر بدر کی طرف چل پڑا تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور اس بات کی اطلاع دیئے کہ اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا تم سے وعدہ کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قافلہ سمندر کے ساحل کے راستہ سے گزر چکا ہے اور یہ ابوجہل ہے جو آ گیا ہے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور بولے یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر آپ حکم فرمائیں تو سمندروں میں بھی گھوڑے دوڑادیں گے۔(مرقات)۔

(28) **قولہ : ان نخیضھا.** علامہ قاضی نے فرمایا الاخاضة کے معنی پانی میں داخل کردینا ہے اور ہا ضمیر کا مرجع خیل و ابل یعنی گھوڑے اور اونٹ ہے اگرچہ کہ اس کا سابق میں ذکر نہیں ہے اور یہ قرینہ حال سے واضح ہے۔ **وقولہ : ان نضرب اکبادھا.** علامہ قاضی نے فرمایا ضرب الاکباد (جگر کو ایڑ لگانا) سے مراد گھوڑے کو جس قدر ممکن ہو تیز

فرمائیں کہ ہم ان کے جگر کو برک الغماد تک ایڑ لگائیں (29) تو ہم یقیناً عمل کریں گے روای نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بلایا (30) اور لوگ چلے یہاں تک کہ مقام بدر میں اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں (کافر) کے قتل کی جگہ ہے اور اپنا دست مبارک زمین پر یہاں اور یہاں رکھ رہے تھے۔

راوی نے کہا: ان میں کا ایک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی جگہ سے نہیں ہٹا۔(مسلم)۔

15/7324۔اور انہی سے روایت ہے، فرمایا: ہم حضرت عمر کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان میں تھے ہم پہلی کا چاند دیکھنے کی کوشش کئے میں تیز نظر کا تھا میں اس کو دیکھ لیا اور میرے سوا کوئی بھی یہ دعوی نہیں کرتا تھا کہ اس نے چاند کو دیکھا ہے، میں حضرت عمر سے کہنے لگا کیا آپ اس کو نہیں دیکھتے تو آپ اس کو نہیں دیکھ پا رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ عمر فرما رہے تھے میں اپنے بستر پر لیٹے ہوئے (31) اس کو دیکھ لوں گا پھر وہ ہم کو اہل بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے فرمایا کہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) دوڑانا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اگر آپ حکم فرمائیں تو سفر میں تیز سے تیز تر چلیں گے اور سواریوں کو تیز سے تیز تر دوڑائیں گے۔(مرقات)۔

(29) **قوله : برک الغماد.** یہ یمن کا ایک شہر ہے یا مکہ سے آگے پانچ دن کی مسافت پر ایک شہر ہے یا زمین کی آخری آبادی۔(قسطلانی) صاحب مرقات نے کہا ہے کہ یہ مثال کے طور پر ہے یعنی دور سے دور تک بھی چلیں گے۔(مرقات)۔

(30) **قوله : فندب.** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا۔**وقوله نزلوا بدرا.** امام نووی نے فرمایا بدر پانی کا مشہور چشمہ ہے جو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان چار مراحل پر ہے اور ابن قتیبہ نے فرمایا یہ بدر نامی ایک شخص کا کنواں تھا۔اور جنگ بدر کا واقعہ سترہ (17) رمضان المبارک 2 ہجری جمعہ کے دن واقع ہوا۔**وقوله : فما ماط** ذرا بھی نہیں ہٹا اور اس سے کچھ بھی تجاوز نہیں کیا۔(ماخوذ از مرقات)۔

(31) **قوله : سأراه وانا مستلق.** یہ 'اراہ' کی ضمیر سے حال ہے یعنی مجھے اس وقت مشقت اٹھا کر اسے دیکھنے کی ضرورت نہیں میں اس کو کچھ وقفہ یا ایک دن کے بعد بھی بغیر مشقت کے دیکھ لوں گا۔(لمعات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اہل بدر کے کل قتل ہونے کے مقامات بتاتے تھے۔فرمارہے تھے ان شاءاللہ یہ مقام کل فلاں کے قتل کا ہے اور یہ مقام کل ان شاء اللہ فلاں کے قتل ہونے کا ہے۔حضرت عمر نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ روانہ فرمایا وہ ان مقامات سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا نہیں ہٹے اور ان کو کنویں میں ایک کے اوپر ایک ڈال دیئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے یہاں تک کہ ان کے پاس آئے اور فرمائے اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اللہ اور اس کے رسول کے وعدے کو حق پایا پس بے شک اللہ نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا تھا یقیناً میں نے تو اسے حق پایا۔تو حضرت عمر عرض کئے یارسول اللہ آپ کیسے گفتگوفرمارہے ہیں ان جسموں سے جن میں روح نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس کو تم ان سے زیادہ نہیں سنتے سوائے اس کے کہ وہ مجھ کو کچھ جواب نہیں دے سکتے۔(مسلم)۔

عمدۃ الرعایہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان **ما انتم باسمع لما اقول منهم** سے معلوم ہوتا ہے کہ مردہ سنتا ہے اور مردہ کے نہ سننے پر کوئی قوی دلیل نہیں ہے نہ کتاب اللہ سے ہے نہ سنت سے بلکہ صحیح وصریح احادیث مردہ کے سننے پر دلالت کرتی ہیں (اگر تم اس بحث کی تفصیل چاہتے ہو تو کتاب الجہاد، منہیات اور باب حکم الاسراء کو دیکھو)۔

16/7325۔حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے تین سو پندرہ (315) صحابہ کرلیکر تشریف لے گئے اور دعا کی اے اللہ یہ سب ننگے پاؤں ہیں ان کو تُو سواریاں عطا فرما۔اے اللہ یہ برہنہ بدن ہیں ان کو کپڑے پہنا، اے اللہ یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیر کردے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کامیابی عطا فرمائی اور وہ سب اس حال میں واپس ہوئے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے اور وہ لباس بھی زیب تن کئے اور شکم سیر بھی ہو گئے۔(ابوداؤد)۔

17/7326۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: جنگ بدر کے دن جب کہ آپ ایک ڈیرہ میں تھے(32) اے اللہ میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرا وعدہ مانگتا ہوں اے اللہ اگر تو چاہے کہ آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے تو حضرت ابوبکر آپ کا دست مبارک پکڑ لئے اور عرض کئے یا رسول اللہ آپ کے لئے کافی ہے آپ نے اپنے پروردگار سے کافی

---

(32) **قولہ: وھو فی قبۃ یوم بدر.** یہ جملہ حالیہ ہے اور قول ومقولہ **اللھم الخ** کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ **وقولہ: اللھم ان تشأ** مراد اس سے عبادت کا نہ کیا جانا۔ اسلام کا نہ ہونا اور مسلمان کا ہلاک ہو جانا اگر تو چاہتا ہے۔ **لا تعبدُ** دال کو جزم ہے جواب شرط ہے، **بعد الیوم** کیونکہ اس کے بعد پھر روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہیں رہے گا۔ پس اگر یہ سوال کیا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تو خلاف نہیں کرتا پھر اس سوال کی حاجت کیا تھی تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ وہ قاعدہ جس سے یہ حکم بھی مستثنیٰ نہیں یہ ہے کہ دعا ہر حال میں مستحب ہے خواہ دعا کرنے والے کو مطلوب کے حصول کا علم ہو یا نہ ہو۔ نیز بے شک اللہ کی معرفت اس کی خشیت کا تقاضہ کرتی ہے، انبیاء علیہم السلام کو جو سرفرازی ہے اور حسن عاقبت کا ان سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس سے ان کی خشیت وخوف ختم نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے ان کا یہ خوف خود ان کی کسی کیفیت کی وجہ سے یا امت کی فکر کی وجہ سے ہوا ایسا نہ ہو کہ وعدہ کی ہوئی مدد روک لی جائے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مدد کا وعدہ تو ہوا ہے مگر وقت متعین نہیں ہوا تھا اس لئے ہوسکتا ہے اس بات کا خوف ہو کہ کہیں مدد کا وقت مؤخر نہ ہو۔ اس لئے آپ اللہ کی جناب میں گریہ وزاری کرتے رہے تا کہ اللہ تعالیٰ وہ وعدہ آج ہی کے دن پورا کرے۔

اب رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور کمال علم کے باوجود مبالغہ کے ساتھ جو گریہ وزاری فرمائی وہ صحابہ کی حوصلہ افزائی اور ان کو تقویت پہنچانے اور ان کی ہمت افزائی کے لئے تھا کیونکہ صحابہ کو یقین تھا کہ آپ کی دعا لامحالہ مقبول ہوتی ہے، خصوصاً ایسے وقت جبکہ آپ دعا میں مبالغہ کئے ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اس بات کا بھی اعلان ہے کہ جو شخص جنگ پر قدرت نہیں رکھتا اور اس کو لڑائی کا بھی حکم نہیں دیا گیا ہے تو اس کو چاہئے کہ ایسے وقت نصرت وکامیابی کے لئے دعا کرے تا کہ اس کو اس میں شرکت کا ثواب بھی مل جائے کیونکہ آپ نے جب دیکھا کہ صحابہ مخلوق کی طرف متوجہ ہیں تو آپ بنفس نفیس ذات مطلق خداوندی کی طرف متوجہ ہو گئے اور طلب حق میں رب کی طرف متوجہ رہے۔ (مرقات)۔

زاری کے ساتھ دُعا مانگی پس آپ نکلے اس طرح کہ آپ اپنے زرہ بکتر میں مستانہ چل رہے تھے (33) اور فرماتے جاتے تھے یہ کفار کی بھیڑ کو شکست دے دی جائے گی اور وہ پیٹھیں پلٹا دیں گے۔(بخاری)۔

18/7327۔اور انہی سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جبریل ہیں (34) جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہیں اور ان پر سامان جنگ ہے۔(بخاری)۔

19/7328۔اور انہیں سے روایت ہے فرمایا: اس اثناء میں کہ مسلمانوں میں سے ایک صاحب اس دن ایک مشرک آدمی کے پیچھے دوڑ رہے تھے (35) جو ان کے سامنے تھے، اچانک انہوں نے اس کے اوپر کوڑے مارنے کی اور ایک گھوڑ سوار کی آواز سنی یہ کہتے ہوئے کہ حیزوم آگے بڑھ پھر اچانک انہوں نے دیکھا کہ مشرک ان کے سامنے چت گرا پڑا ہے اور دیکھا کہ اس کی ناک زخمی ہوگئی ہے اور منہ پھٹ گیا ہے کوڑے کی مار کی طرح اور وہ پورا ہرا ہو گیا تو وہ انصاری آ کر رسول اللہ صلی اللہ

---

(33) قوله: وهو يثب. آپ نشاط وخوشی میں تیز چل رہے تھے۔وقوله : فی الدرع یعنی اپنی حفاظت اور مقابلہ کی نیت سے اپنا زرہ پہنے ہوئے تھے۔(مرقات)۔

(34) قوله : هذا جبرئيل الخ. ہوسکتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرامؓ کو جبریل دکھائے ہوں جیسا کہ آپ کے ارشاد ھذا (یہ جبریل ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ لفظ ہذا اصل میں محسوس چیز کے لئے مقرر ہے اس سے اس حدیث کو باب المعجزات میں لانے کی وجہ بھی معلوم ہوتی ہے۔(مرقات)۔

(35) قوله : يشتد. یعنی تیزی سے دوڑ رہے تھے۔ وقوله: ضربة. یعنی مار کی آواز بالسوط فوقه یعنی مشرک کے اوپر، وقوله: حيزوم. فرشتہ کے گھوڑے کا نام تھا۔ وقوله:" اقدم" امام نووی نے فرمایا: یہ ہمزہ قطعی ہے، اور مفتوح ہے اور دال کو زیر (کسرہ) ہے باب افعال یعنی اقدام سے ہے۔اور علماء نے کہا ہے کہ یہ کلمہ گھوڑے کو ڈانٹنے کا ہے، میں کہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ گویا گھوڑے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا جاتا ہے کیونکہ گھوڑے کو فہم کلام نہیں ہے البتہ فرشتے کے گھوڑے کی نسبت سے اس کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرسکتے ہیں یا یہ خرق عادت ہے اور گھوڑے کو اس کے نام کے ساتھ آواز دینا اس کی تائید کررہا ہے۔وقوله: قد خطم ۔یعنی اس کی ناک زخمی ہوگئی۔(ماخوذ از: مرقات)۔

علیہ وسلم سے بیان کئے تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا(36) یہ تیسرے آسمان کی مدد میں سے ہے(37) پس مسلمانوں نے اس دن ستر (70) کو قتل کیا اور ستر (70) کو گرفتار کرلیا۔(مسلم)۔

20/7329۔حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدھے اور بائیں دو جانب اشخاص کو دیکھا(38) جن پر سفید کپڑے تھے اور وہ بہت سخت قتال کررہے تھے(39) میں نے ان دونوں کو نہ اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد یعنی وہ جبریل اور میکائیل تھے۔(متفق علیہ)۔

21/7330۔حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ

---

(36) **قولہ : صدقت.** یہ کشف، صحابی کی کرامت ہے اور اتباع کی کرامت متبوع کے معجزہ کے درجہ میں ہے، خاص طور پر جب کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا ہے اور صحابی کو اس کرامت کا حاصل ہونا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کی وجہ سے ہے، یا یہ کہا جاسکتا ہے صحابی نے جو ثقہ ہیں اس کی خبر دی جس سے معاونت کے لئے فرشتہ کا نزول (اتر کرآنا) معلوم ہوتا ہے اور صادق مصدوق نے اس کی تصدیق بھی فرمائی ہے لہٰذا اس کو معجزہ میں شمار کرنا درست ہے۔(مرقات)۔

(37) **قولہ : ذلک من مدد السماء الثالثة.** اس میں اس بات پر آگاہ کیا گیا ہے کہ مدد سارے آسمانوں سے آئی ہے اور یہ مدد خاص طور پر تیسرے آسمان سے آئی ہے اور ذلک سے فرشتہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ مبتداء ہے اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے۔(مرقات)۔

(38) **قولہ : عن یمین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وعن شمالہ یوم احد رجلین.** یعنی یہ بر سبیل تقسیم ہے یعنی ہر ایک ان میں سے ایک ایک جانب تھے ورنہ یہ چار ہوجائیں گے۔(مرقات)۔

(39) **قولہ : یقاتلان کأشد القتال.** اس میں کاف زائد ہے تاکید کے لئے ہے علامہ طیبی نے یہ بیان کیا ہے مگر کاف کا تاکید کے لئے ہونا ظاہر نہیں ہے۔راجح بات یہ ہے کہ اس کے معنی اس طرح ہیں کہ ایسا قتال جو انسانی مردوں کے سخت قتال کی طرح تھا۔**وقولہ: مارأیتھما قبل ولا بعد.** یعنی یہ بات متعین ہے کہ وہ دونوں فرشتے تھے۔ **وقولہ. یعنی جبرئیل ومیکائیل.** یہ راوی کا قول ہے راوی نے بطور بیان اس کو متن حدیث کے ساتھ شامل کردیا ہے ہوسکتا ہے کہ کسی دلیل سے انہوں نے ان دونوں کو پہچانا ہو۔(بخاری)۔

علیہ وسلم نے ایک جماعت کو(40) ابورافع کی طرف روانہ کیا(41) اور عبداللہ بن عتیک رات کے وقت اس کے گھر میں جب کہ وہ سورہا تھا داخل ہوئے اور اس کو قتل کردیا اور عبداللہ بن عتیک نے فرمایا(42) میں نے تلوار کو اس کے پیٹ میں رکھ دیا یہاں تک کہ تلوار اس کے پیٹھ میں اتر گئی اور میں جان گیا کہ میں اس کو قتل کر دیا ہوں پھر میں دروازوں کو کھولنے لگا یہاں تک کہ ایک سیڑھی تک پہنچا اور اپنا پاؤں رکھا چاندنی رات تھی(43) میں گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی تو شملہ سے اس پر پٹی باندھ لیا اور اپنے ساتھیوں کے پاس گیا(44) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور آپ کو بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا پاؤں دراز کرو میں اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ نے اس پر دست مبارک پھیر دیا پھر گویا ایسا ہو گیا کہ کبھی مجھے اس کے درد کی شکایت ہی نہیں ہوئی۔ (بخاری)۔

---

(40) قوله : رهطا. ایک شارح نے فرمایا کہ رہط مردوں کی دس سے کم افراد پر مشتمل جماعت ہے جس میں کوئی عورت نہ ہو۔ (مرقات)۔

(41) قولـه : الی ابی رافع. علامہ قاضی نے فرمایا اس کی کنیت ابوالحقیق ہے اس میں ایک حا اور دو قاف ہیں اور ان دونوں کے درمیان یاء ہے اور یہ لفظ مصغر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن ہے جس نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا عہد توڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درپئے ہو گیا اور اپنے ایک قلعہ میں رہنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس کی طرف روانہ فرمایا تا کہ اس کو قتل کر دیں۔ (لمعات ومرقات)۔

(42) قولـه: فقال عبد الله بن عتيک. یعنی اس کو قتل کرنے کا بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ قولـه : اخذ فی ظهره. علامہ طیبی نے فرمایا اخذ کو فی سے متعدی کیا گیا تا کہ معلوم ہو کہ وہ اس کی پیٹھ میں پوری طرح اتر گئی اخذ فی ظهره سے اسی طرف اشارہ ہے۔ وقولـه : فجعلت افتح الابواب. ہوسکتا ہے کہ انہوں نے چڑھتے وقت دروازوں کو کھولنے کے بعد بند کر دیا تھا تا کہ پیچھے کوئی نہ آسکے ہو یا ہوسکتا ہے کسی اور طرف سے چڑھے ہوں۔ قوله : فوضعت رجلی. اس خیال میں پاؤں رکھ دیا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں۔ (مرقات)

(43) قولـه : فی لیلة مقمرة. یعنی چاندنی رات میں اقمرت اللیلة اس وقت بولتے ہیں جب رات چاند کی روشنی سے منور ہو جائے اور گرنے کا سبب چاند کی روشنی کی وجہ سے زمین پر سیڑھی کا شبہ ہو گیا۔ (لمعات)۔

(44) قولـه: الی اصحابی. یعنی ان ساتھیوں کے پاس جو قلعہ کے نیچے ٹھہرے ہوئے تھے۔ قولـه : ابسط رجلک. کے معنی ہیں تم اپنا پاؤں دراز کرو۔ (مرقات)۔

22/7331۔ حضرت یزید بن ابی عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں سلمہ بن اکوع کی پنڈلی میں مار کا نشان دیکھا تو کہا اے ابومسلم یہ مار کیا ہے تو انہوں نے کہا یہ وہ مار ہے جو مجھ کو جنگ خیبر کے موقع پر لگا تھا تو لوگوں نے کہا سلمہ شہید ہو گیا(45) تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس میں تین مرتبہ دم فرمایا پس اب تک مجھے اس میں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔(بخاری)۔

23/7332۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام مالک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک(46) چھوٹی کپی میں گھی کا تحفہ پیش کرتی تھیں اور ان کے پاس ان کے بچے سالن پوچھنے آتے تھے جب کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو جس کپی میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تحفہ پیش کرتی تھیں اس میں ان کو گھی مل جاتا تھا اور ان کے گھر کا وہ ہمیشہ سالن بنا رہا یہاں تک کہ انہوں نے ایک مرتبہ اس کو نچوڑ دیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کو نچوڑ دیا تو وہ عرض کیں ہاں تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کو ویسا ہی چھوڑ دیتی تو وہ ہمیشہ رہتا۔(مسلم)۔

---

(45) قوله : فقال الناس اصيب. یعنی اس زخم کی شدت کی وجہ سے شہید ہو گیا۔(مرقات)۔

(46) قوله : عُكة. ع کو پیش اور کاف کو تشدید، ایک شارح نے بیان کیا وہ چمڑے کی چھوٹی تھیلی (کپی) کو کہتے ہیں، اور کتاب نہایہ میں ہے یہ چمڑے کی ایک گول تھیلی ہے جو گھی اور شہد کے لئے خاص ہے اور وہ گھی کے لئے زیادہ خاص تھی۔ قوله: لها . ہا ضمیر کا مرجع ام مالک ہے، سمنا یہ تهدی کا مفعول ہے۔ قوله : فتعمد. میم کے زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے، یعنی ان کی ماں ارادہ کرتی الى الذى سے مراد الى العكة ہے، یعنی کپی کا ارادہ کرتی اور الذى کو مذکر ظرف کے معنی کا اعتبار کرتے ہوئے لایا گیا۔ وقوله: حتى عصرته . یعنی زیادہ سے زیادہ کی خواہش میں اس کو نچوڑی تو وہ ختم ہو گیا کیونکہ حرص میں حرمان نصیبی ہے اور حریص محروم ہے۔ وقوله: فاتت النبى صلى الله عليه وسلم یعنی آ کر آپ کو پورا واقعہ بتا دیں اور علامہ طیبی نے فرمایا وہ آئیں اور اپنے گھر میں سالن کے کپی میں سے ختم ہو جانے کی شکایت کیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس کو یعنی کپی کو نچوڑ دیں عصرتيها میں یا اشباع یعنی آواز کو دراز کرنے کا ہے اور ہمزہ استفہام مقدر ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

24/7333۔انہیں سے روایت ہے انہوں نے کہا میرے والد کا انتقال ہوا ان پر قرضہ تھا میں نے ان کے قرض خواہوں سے خواہش کیا کہ میرے والد کے قرض کے بدلہ میں میرے تمام کھجور لے لیں(47) مگر وہ آمادہ نہیں ہوئے تو میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ جانتے ہیں کہ میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے اور بہت قرضہ چھوڑ گئے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قرض خواہ دیکھیں تو آپ نے فرمایا جاؤ اور کھجور کی ہر قسم کا ڈھیر الگ لگاؤ پس میں یہ کام کیا پھر آپ کو بلایا جب وہ آپ کو دیکھے تو اس وقت گویا مجھ پر اور بھڑک گئے، جب آپ نے جو کچھ

---

(47) قوله : ان یاخذوا التمر. یعنی ہمارے تمام کھجور لے لیں۔بما علیه یعنی میرے والد پر جو کچھ قرضہ ہے اس کے بدلے میں۔ فابوا یعنی قبول نہیں کئے کیونکہ ان کی نظر میں وہ کم تھے اور وہ یہودی تھے۔

وقوله: ان یراک الغرماء. یعنی میرے پاس آپ کو دیکھیں گے تو شاید وہ میرے ساتھ رعایت کریں گے۔

وقوله : فبیدر کل تمر علی ناحیة. یعنی ہر قسم کے ڈھیر کو علیحدہ جمع کرو۔ یہ صیغہ امر ہے، بیدر الطعام سے ماخوذ ہے جب وہ کھلہ میں بھوسہ سے دانہ کو الگ کرتا ہے۔ بیدر وہ مقام ہے جس میں غلہ کو بھوسہ سے الگ کیا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ کھجور کی ہر قسم کا الگ الگ ڈھیر بناؤ۔ یہ بھی کہا گیا ہے ہر قسم کو اس کی جگہ میں الگ الگ رکھو۔وقوله: اغروا بی. یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھ سے مطالبہ کرنے میں سختی کئے۔گویا ان کے اسباب مجھے پریشان کرنے کے لئے ان کو ابھارے۔ یہ لفظ اغریت الکلب سے بنا ہے یعنی میں اس کو ہیجان میں لایا اور پریشان کردیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مجھ پر سختی کئے۔گویا انہوں نے یہ سمجھ کر مجھ پر سختی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نظر انداز کردینے کا حکم فرمائیں گے یا قرضہ کم کردینے کا حکم فرمائیں گے یا کچھ صبر وانتظار کرنے کا حکم فرمائیں گے لہٰذا انہوں نے اس بات کو ظاہر کیا کہ وہ اس میں سے کسی چیز سے بھی راضی نہیں ہیں۔

وقوله :امانته. امانت سے مراد ان کا قرضہ ہے اور اس کو امانت اس لئے کہا کہ وہ اس کے ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

وقوله : لا ارجع. یعنی میں نہ لوٹوں۔

وقوله: وحتی انی الخ. خلاصہ یہ ہے کہ یہ عطف ہے اور اس کا معطوف علیہ مقدر ہے یعنی فسلم الله البیادر کلها حتی لم ینقص. الخ اللہ تعالیٰ نے تمام ڈھیر محفوظ رکھے یہاں تک کہ جن ڈھیروں میں سے ناپا نہیں گیا تھا اس میں کچھ بھی کم نہیں ہوا یہاں تک کہ میں دیکھ رہا تھا اس ڈھیر کو جس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔(ماخوذ از مرقات)۔

وہ کررہے تھے دیکھا تو سب سے بڑے ڈھیر کے اطراف تین مرتبہ چکر لگائے پھر اس کے پاس بیٹھ گئے پھر فرمائے تمہارے قرض خواہ لوگوں کو میرے سامنے بلاؤ پس آپ ان کے لئے ناپواتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی امانت ادا کردی اور میں تو اس سے بھی راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کردے اور میں اپنے بھائی و بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی نہ لے جاؤں تاہم اللہ تعالیٰ نے تمام ڈھیروں کو محفوظ رکھ دیا یہاں تک کہ میں اس ڈھیر کو دیکھ رہا تھا جس کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے اس میں ایک کھجور بھی کم نہیں ہوا۔ (بخاری)۔

25/7334۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند کھجور لے کر آیا (48) اور عرض کیا یا رسول اللہ اس میں برکت کے لئے اللہ سے دعاء فرمائیں تو آپ نے ان کو ملا دیا اور میرے لئے ان میں برکت کی دعا کی اور فرمائے تم اس کو لے لو اور اپنے توشہ دان میں دکھ دو جب بھی تم اس میں سے کچھ لینا چاہو تو اس میں اپنا ہاتھ ڈالو اور اس کو لے لو اور اس کو پوری طرح مت جھٹکو اور ان کھجوروں میں سے میں نے اتنے اتنے وسق اللہ کے راستہ میں خرچ کیا اور ہم اسی میں سے کھاتے اور کھلاتے رہے اور وہ میری کمر سے جدا نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا اور وہ گر گیا۔ (ترمذی)۔

26/7335۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

(48) وقولہ: بتمرات. تینوں حروف پر زبر فتحہ ہے علامہ شیخ ابوالنصر نے فرمایا وہ (21) اکیس کھجور تھے اذکار میں بھی ایسا ہی ہے۔ وقولہ: فضمهن ان کو اپنے ہاتھ سے لئے یا اپنا دست مبارک اس پر رکھے۔
وقولہ: فقدحملت علامہ طیبی نے فرمایا حملت حقیقی معنی میں ہوسکتا اور لینے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے یعنی میں اتنی مقدار میں متعدد مرتبہ لیا۔ مگر حقیقی معنی پر محمول کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ یہ مقصد کے لئے زیادہ مناسب ہے اور فکنا نأکل کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے۔ وقولہ: حتی کان یوم. میں یوم کو پیش ہے کیونکہ کان تامہ ہے۔ وقولہ. فانہ. ضمیر کا مرجع مزود ہے یعنی توشہ دان اس دن گر گیا اور ضائع ہوگیا میں اس پر بہت غمگین ہوا اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ فساد جب پھیل جاتا ہے تو برکت اٹھ جاتی ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

پاس ایک صاحب کھانا مانگنے آئے تو آپ نے انہیں آدھا وسق جو عطا فرمایا پس وہ شخص اور اس کی بیوی اور ان کے مہمان اس میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ اس شخص نے اس کو ناپا تو وہ ختم ہوگیا اور وہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اگر تم اس کو نہ ناپتے ہوتے تو اس میں سے کھاتے ہی رہتے اور وہ تمہارے لئے ہمیشہ رہتا۔(مسلم)۔

27/7336۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی حضرت زینب سے شادی کے نوشاہ تھے (49) تو میری والدہ ام سلیم نے کھجور، گھی اور پنیر کا ارادہ کیا اور حیس (حلوا) تیار کیا اور اس کو ایک پیالہ میں رکھا (50) اور بولیں اے انس اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ اور عرض کرو میری والدہ نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا ہے اور وہ آپ کی خدمت میں سلام عرض کرتی ہیں اور کہتی ہیں یا رسول اللہ یہ آپ کی خدمت میں ہماری طرف سے چھوٹا سا ہدیہ ہے تو میں گیا اور عرض کیا تو آپ نے فرمایا اس کو رکھ دو اور فرمایا جاؤ فلاں وفلاں

(49) وقوله: عروسا. یہ صفت ہے اس میں مذکر ومؤنث دونوں برابر ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ نوشاہ تھے بزینب یعنی زینب سے شادی کے سبب۔ وقوله. اقط. ہمزہ کو زبر پھر ق کو زیر (کسرہ) کے ساتھ ہے یعنی خشک دودھ جو پتھر کی طرح سخت بن جاتا ہے (نہایہ) اور قاموس میں ہے اقـــــط ایک ایسی چیز ہے جو بکری کے پیوسی سے بنایا جاتا ہے۔ فصنعت حیسا. حیس (حلوا) تین چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔اور یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

اور صاحب لمعات نے فرمایا حیــــس حاء زبر (فتحہ) کے ساتھ ایک مخلوط حلوا ہے ایسے کھجوروں پر بولا جاتا ہے جن کو گھی اور پنیر سے ملا کر خوب گوندا جاتا ہو۔

(50) وقوله: فی تور. شروع میں تاء پھر واو ساکن پھر راء ہے پیالہ کی طرح ایک برتن ہوتا ہے۔وقوله. رجالا. یعنی تین آدمی سماهم یعنی ان کے ناموں اور کنیتوں کے ساتھ ذکر فرمائے اور میں ان کی تعبیر فلاں فلاں اور فلاں کے ساتھ کیا ہوں کچھ لوگ جن کا آپ نے نام لیا انس کا قول: رجالا سماهم سے بدل ہے یالفظ اعنی یالفظ یعنی مخذوف ہے۔واللہ اعلم۔وقولـه: غـاص باهله. اس میں صاد کو تشدید ہے یعنی لوگوں سے بھر گیا اور ظاہر بات ہے کہ بیت سے مراد دار ہے (اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دروازہ) اور اس میں ایک دوسرا معجزہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ تھوڑا حلوا کثیر مخلوق (بڑی تعداد) کے لئے کافی ہوا۔(ماخوذ از مرقات)۔

وفلاں کو میرے پاس بلالاؤ آپ نے کئی اشخاص کا نام لیا اور جس سے بھی تمہاری ملاقات ہوان کو بھی میرے پاس بلاؤ تو آپ نے جن جن کا نام لیا تھا ان کو اور جن سے بھی میری ملاقات ہوئی ان سب کو بلالیا اور جب میں واپس آیا تو گھر لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضرت انس سے کہا گیا تمہاری تعداد کتنی تھی تو کہا تقریباً تین سو (300) تھے اور پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک اس حیسہ (حلوے) پر رکھے اور اللہ نے جو چاہا آپ نے پڑھا پھر آپ دس دس کو بلاتے رہے وہ اس میں سے کھاتے گئے اور آپ ان سے فرماتے اللہ کا نام لو اور ہر ایک اپنے سامنے سے کھائے انہوں نے کہا وہ کھائے اور شکم سیر ہو گئے، ایک جماعت نکلی اور دوسری جماعت داخل ہوئی یہاں تک کہ سب کھا چکے (51)۔ مجھ سے آپ نے فرمایا اے انس اُٹھاؤ پس میں اٹھا دیا اور میں یہ بتا نہیں سکتا کہ جس وقت میں نے اس کو رکھا تھا زیادہ تھا یا جس وقت میں اس کو اٹھایا زیادہ تھا۔ (متفق علیہ)۔

28/7337۔ حضرت ابوالعلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمرہ بن جندب سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک پیالہ میں صبح سے شام تک کھاتے تھے (52) دس

---

(51) وقولہ: حتی اکلوا کلھم. ظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب کا ولیمہ اس حلوے سے ہوا تھا جو ام سلیم نے ہدیہ بھیجا تھا۔ مگر مشہور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کا ولیمہ روٹی اور گوشت سے کیا تھا۔ اور اس قصہ میں کثرت طعام کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ ایک اتفاقی صورت ہو گئی گوشت اور روٹی سے ولیمہ کے موقعہ پر ام سلیم کا حلوہ بھی آ گیا ہو۔ اور اس روٹی گوشت کے واقعہ میں تکثیر طعام کے وقوع کا انکار عجیب ہے۔ کیونکہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا ولیمہ ایک بکری سے کیا اور مسلمان گوشت اور روٹی سیر ہو کر کھائے اور ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار کی تھی۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں اس حلوے سے ولیمہ کرنے کی کوئی دلالت نہیں۔ صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ام سلیم نے حلوہ کا ہدیہ بھیجا تھا یا تو اس دن کے آخر میں بھیجا ہو یا دوسرے دن بھیجا ہو۔ اور زینب کا ولیمہ بکری سے کیا گیا ہو اور ایک ہزار آدمی روٹی اور گوشت پیٹ بھر کر کھائیں ہوں اور دو واقعوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ (لمعات)۔

(52) وقولہ: نتداول. تداولت الایدی . بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہم اس کو باری باری سے لے رہے تھے۔ یہ ایک مرتبہ لئے تو یہ ایک مرتبہ لئے۔ (مرقات)۔

حضرات اٹھتے تھے اور دس حضرات بیٹھتے تھے تو ہم نے کہا کس چیز سے اس میں برکت آتی تھی، انہوں نے کہا تم کس چیز سے تعجب کرتے ہو اس میں برکت وہاں سے (53) آتی تھی اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ (ترمذی، دارمی)۔

29/7338۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جب جنگ تبوک (54) کا دن آیا لوگوں کو بھوک نے گھیر لیا (55) تو حضرت عمر نے عرض کیا (56) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ

---

(53) **وقوله: ما كانت تمد الا من ههنا الخ**۔ حضرات تابعین کا صحابی سے یہ سوال کرنا اس خیال کی بناء پر تھا کہ ہوسکتا ہو کہ کھانا دس دس کے فارغ ہونے کے بعد لا کر پیالے میں ڈالا جاتا تھا ہو۔ جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے۔ تو صحابی نے جواب دیا کہ یہ تو خرق عادت معجزہ کے طور پر ہے اور مدد رب السماء کی طرف سے ہے زمینی کسی مخلوق کی طرف سے نہیں ہے۔ (مرقات)۔

(54) **وقوله: غزوة تبوك**۔ تبوک ایک سرزمین کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور ملک شام کے درمیان ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہے اور یہ غزوہ ماہ رجب 9ھ نو ہجری میں ہوا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری غزوات میں سے ہے، اور مشہور قول یہ ہے کہ تبوک غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کے سبب، اور جو اس کو منصرف قرار دیئے ہیں وہ اس کو موضع کی تاویل میں کئے ہیں اور دونوں اعتبارات مقامات اور جگہوں کے ناموں میں، بقعۃ اور ناحیۃ، اور موضع ومکان کی تاویل کی بنا پر جائز ہیں۔ (لمعات)۔

(55) **وقوله: اصاب الناس**۔ یہ "لَمَّا" کا جواب ہے۔ یعنی انہیں بھوک گھیر لی۔ (مرقات)۔

(56) **وقوله: فقال عمر الخ**۔ اس حدیث شریف میں اختصار ہے، کیونکہ روایت میں آیا ہے ان کو بھوک نے گھیر لیا تو وہ عرض کئے: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ہمیں اجازت دیں تو ہم اپنی اونٹنیوں کو ذبح کریں اور کھائیں اور سالن بنائیں تو آپ نے فرمایا ایسا ہی کرو تو حضرت عمر آئے اور عرض کئے یا رسول اللہ اگر ایسا کیا جائے تو سواریاں کم ہو جائیں گے۔ البتہ آپ نے ان سے ان کے بچے ہوئے توشے منگوائے اور فضل کہتے ہیں کسی چیز میں سے بچے ہوئے کو، زاد واحد ہے اس کی جمع ازواد ہے، سفر کے بھی توشہ کو 'زاد' کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ ان کو ان کے بچے ہوئے توشے لانے کا حکم فرمائیں۔ **وقوله بكسرة**۔ یعنی روٹی کا ٹکڑا۔ **وقوله: فقال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم اشهد او الخ**۔ اس میں اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ معجزات کا دیکھنا عقائد میں مضبوطی اور یقین میں زیادتی کا سبب ہوتا ہے۔ **قوله: فيحجب**۔ علامہ طیبی نے فرمایا **فيحجب** حالت رفعی میں ہے، اور اس کا سابقہ جملہ پر عطف ہے اور نفی ان دونوں کو ایک ساتھ شامل ہے۔ (ماخوذ از مرقات)۔

ان لوگوں سے ان کے بچے ہوئے توشے منگوایئے پھر اس پر اللہ سے ان کے لئے برکت کی دعا فرمایئے تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے پھر آپ نے دسترخوان منگوایا اور اس کو بچھایا آپ ان کے بچے ہوئے توشے منگوائے تو کوئی شخص مٹھی بھر مکائی اور ایک دوسرا مٹھی بھر کھجور اور ایک صاحب روٹی کا ایک ٹکڑا لانے لگے یہاں تک کہ دسترخوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہوگئی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعاء فرمائی پھر فرمایا تم اپنے برتنوں میں بھرلو تو وہ اپنے برتنوں میں بھر لئے تا آنکہ لشکر میں ایک برتن کو بھی نہیں چھوڑے بلکہ سب کو بھر لئے راوی نے کہا: وہ کھائے یہاں تک کہ سیر ہو گئے اور کچھ بچ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو شہادتوں کو لے کر کوئی بندہ جو اس میں شک کرنے والا نہ ہو اللہ سے ایسی حالت میں نہیں ملے گا کہ وہ جنت سے حجاب میں رہے۔ (مسلم)۔

30/7339۔ اور امام بخاری نے اس کی روایت حضرت سلمہ سے کی ہے۔

31/7340۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا ہم جنگ خندق کے دن خندق کھود رہے تھے کہ اس میں ایک سخت چٹان (57) نکل آئی تو صحابہ کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کئے یہ چٹان خندق میں سامنے آ گئی ہے تو آپ نے فرمایا میں اس میں اترتا ہوں پھر آپ اٹھے جبکہ آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم تین دن اس طرح رہے (58) کہ کوئی چیز چکھ بھی نہیں سکے تھے پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کدال لئے اور چٹان پر

---

(57) قولہ: کدیة. کاف کو پیش دال کو جزم اس کے بعد یاء یہ سخت زمین، پتھر اور مٹی کے درمیان کی سخت چیز کو کہتے ہیں، اور "ذواق" ذال کو زبر (فتحہ) ہے، کھانے پینے کی اس قدر تھوڑی مقدار جس کو چکھ سکیں۔ "معول" منبر کے وزن پر لوہے کے کدال کو کہتے ہیں جس سے پہاڑوں کو پھوڑا جاتا ہے اور فارسی میں اس کو کلند کہتے ہیں۔ قولہ: فانکفأت. پلٹا اور مائل ہوا۔ یہ لفظ 'کفأہ واکفأ' سے ماخوذ ہے یعنی مائل کیا اور پلٹا یہ بات صاحب قاموس نے کہی ہے۔ (لمعات)۔

(58) وقولہ: ولبثنا ثلاثة ایام لا نذوق ذواقا. یہ جملہ معترضہ ہے پتھر باندھنے کے سبب کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

ضرب لگائے تو وہ اڑتی ہوئی ریت کا ڈھیر بن گئی، پھر میں اپنی بیوی کی طرف گیا اور کہا کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے کیونکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید بھوک دیکھا ہوں تو وہ ایک تھیلی نکالی جس میں ایک صاع جو تھی اور ہمارا ایک پالتو بکری کا بچہ تھا میں اس کو ذبح کیا اور بیوی نے جو پیسا یہاں تک کہ ہم نے گوشت کو ہانڈی میں ڈالا پھر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے آہستہ سے (59) عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ ہم نے اپنی بکری کے بچہ کو ذبح کیا اور میری بیوی نے ایک صاع جو کو پیسا ہے پس آپ تشریف لائیں (60) اور آپ کے ساتھ چند لوگ بھی آئیں تو نبی اکرم صلی اللہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وقولہ: فعاد. یعنی پتھر پھٹ کر ریت بن گیا۔ وقولہ : اھیل. یعنی بہتا ہوا مطلب یہ ہے کہ ایسی (مضبوط) چٹان جس کو چورا چورا کرنے سے سب عاجز ہو گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مار میں اسے بہتے ہوئے پانی کی طرح ریت کا ڈھیر بنا دیا۔ وقولہ: خمصا. خاء اور میم دونوں کو زبر اور میم کو جزم بھی پڑھا جاتا ہے، یعنی بھوک اور اسے خمص اس لئے نام دیا گیا کہ بھوک کی وجہ سے پیٹ دبلا ہو جاتا ہے۔ وقولہ: بھمۃ، با کو زبر (فتحہ) اور ھاء کو جزم ہے، علامہ نووی نے فرمایا یہ بھیڑ کا چھوٹا بچہ ہے جو شاۃ کی طرح نر اور مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے۔ وقولہ: داجن. صاحب مواہب نے کہا ہے کہ اس سے مراد موٹی تازی، اور مسلم کی شرح میں ہے کہ داجن گھر کی پالتو بکری کو کہتے ہیں۔

قولہ: البرمۃ. پتھر کی ہانڈی۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(59) وقولہ: فسارر تہ. امام نووی فرماتے ہیں اگر ضرورت ہو تو جماعت کی موجودگی میں بھی سرگوشی جائز ہے۔ البتہ تین اشخاص میں سے دو شخصوں کا تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشی کرنا منع ہے۔ اس میں جو بحث ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ یہ منع اس مقام پر ہے جہاں جماعت کو ضرر ہوتا ہے۔ وقولہ: ذبحنا بھیمۃ الخ. مقصد یہ ہے کہ یہ تھوڑی سی مقدار ہے اور آپ کے صحابہ بہت ہیں اس لئے پس آپ تشریف لائیں۔ (مرقات)۔

(60) وقولہ: فتعال انت ونفر. نفر دس سے کم مرد حضرات کی جماعت کو کہتے ہیں۔ وقولہ: صنع سورا سین کو پیش اور واو کو جزم ہے، کھانے کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ سور مہمان کے لئے تیار کئے جانے کو کہتے ہیں، اور یہ لفظ فارسی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا کرم فرمایا، فحی یاء کو تشدید اور زبر ہے ھلا ہاء کو زبر اور لام کو تنوین ہے اور ایک نسخہ میں بغیر تنوین کے ہے اور بکم میں باء تعدیہ کا ہے یعنی ان کے پاس اپنے آپ کو تیزی سے لے چلو۔ وقولہ: وبارک ۔ یعنی آپ نے اس میں برکت کی دعا فرمائی۔ وقولہ: واقدحی. دال کو زبر ہے یعنی تمہاری ہانڈی میں سے ڈوئی کے ذریعہ سالن نکالتے جاؤ۔ (مرقات)۔

علیہ وسلم نے اعلان فرمایا اے اہل خندق جابر نے کھانا تیار کیا ہے تم سب چلو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی ہانڈی کو ہرگز مت اتارو اور گوندے ہوئے آٹے سے ابھی روٹی مت پکاؤ یہاں تک کہ میں آجاؤں اور آپ تشریف لائے تو (حضرت جابرؓ کی) بیوی گوندا ہوا آٹا لائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا ایک روٹی پکانے والی نان بائی کو بلا لو وہ تمہارے ساتھ روٹی پکائے گی اور تم اپنی ہانڈی سے سالن نکالتی جاؤ اور اس کو مت اتارو۔ اور وہ (صحابہ) ایک ہزار (61) تھے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ سب کے سب کھائے یہاں تک کہ اس کو بچا بھی دیا پھر چلے گئے اس حال میں کہ ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی ہی جوش مار رہی تھی اور آٹا جیسا تھا (62) ویسا ہی روٹی پکائی جارہی تھی۔ (متفق علیہ)۔

32/7341۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا کہ حضرت ابوطلحہ نے ام سلیم سے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کمزور سنا ہوں میں آپ میں بھوک محسوس کرتا ہوں کیا تمہارے پاس کچھ ہے تو وہ بولیں ہاں ہے اور جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر اپنی اوڑھنی

---

(61) وقولہ: وھم. یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی تعداد جو کھانے والے تھے ایک ہزار تھی جو تین دن اور تین رات سے بھوکے تھے۔ وقولہ: لتغط. غ کو زیر اور ط کو تشدید ہے، یعنی جوش مار رہی تھی اور اس کے جوش کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وقولہ: کما ھی. پہلی حالت کی طرح بھرپور تھی، ھی ضمیر کی خبر محذوف ہے۔ (مرقات)۔

(62) وقولہ: کما ھو. یعنی جیسا وہ پلیٹ میں تھا گویا اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا۔ امام نووی نے فرمایا تھوڑے سے کھانے کو زیادہ کرنا، پانی کا پھوٹ نکلنا، اس کا زیادہ کرنا کھانے کا تسبیح پڑھنا، کھجور کے تنے کا پلٹ کر رونا اور اس کے علاوہ بھی اس قدر احادیث سے ثابت ہیں جو کہ مجموعی طور پر درجۂ تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے اور علماء کرام نے دلائل نبوت کے معجزات کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، جیسے علامہ قفال شاشی اور ان کے شاگرد ابوعبداللہ حلیمی، علامہ ابوبکر بیہقی اور ان کے سوا دوسرے بزرگ ہیں (ان کی کتابوں میں مشہور) اور ان میں بہترین کتاب بیہقی ہے۔ اللہ ہی کے لئے تعریف ہے کہ اس نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام فرمایا اور ہم پر آپ کا اکرام کرکے انعام فرمایا۔ (مرقات)۔

نکالیں اور اوڑھنی کے ایک حصہ سے روٹی باندھی پھر اس کو میرے ہاتھ کے نیچے چھپادی (63) اور اس کا ایک حصہ مجھے لپیٹ دی پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دی تو میں اس کو لے کر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا (64) اس حال میں کہ آپ کے ساتھ لوگ تھے میں ان کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تم کو ابوطلحہ روانہ کئے ہیں؟ (65) میں نے عرض کیا ہاں تو فرمایا کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا ہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب سے جو آپ کے ساتھ تھے فرمایا اٹھو (66)، آپ چلے اور میں ان کے سامنے چلا یہاں تک کہ ابوطلحہ کے پاس آیا اور ان کو بتادیا تو ابوطلحہ نے کہا اے ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر (67) تشریف لائے ہیں اور ہمارے پاس اس قدر نہیں ہے کہ ان سب کو کھلا سکے تو وہ بولیں اللہ اور

---

(63) وقوله: دسته. یعنی اس کو ان کے ہاتھ کے نیچے چھپادیں۔ وقوله: لا ثتنی. یہ ثاء کے ساتھ ہے یعنی اوڑھنی کا کچھ حصہ مجھ پر لپیٹ دی یعنی اس کا دوسرا کنارہ مجھ پر لپیٹ دی۔(مرقات)۔

(64) وقوله: في المسجد. علامہ عسقلانی نے فرمایا: مسجد سے مراد وہ مقام ہے جس کو جنگ خندق میں دشمنوں کی جماعت کے محاصرہ کے اوقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے بنایا تھا اور آپ کے ساتھ لوگ یعنی کثیر تعداد میں تھے وہ اسّی آدمی تھے۔(مرقات)۔

(65) وقوله: ارسلک ابو طلحة . تم کو ابوطلحہ نے بھیجا؟ تو میں نے کہا: ہاں! ان کا کہنا: ماں کے بھیجنے کے خلاف نہیں کیونکہ ان دونوں کا مقصد اور ان کا پیام ایک ہی تھا اور ہوسکتا ہے آپ نے والد کے احترام میں والدہ کا ذکر نہیں کیا یا دونوں میں سے اس کے لئے پہلے مرتبہ اور بولنے والے ابوطلحہ رہے ہوں۔(مرقات)۔

(66) وقوله: قوموا. اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوطلحہ نے آپ کے گھر تشریف لانے کی درخواست کی ہے ورنہ یہ معلوم ہے کہ ابوطلحہ اور ام سلیم نے حضرت انسؓ کے ساتھ روٹی روانہ کیا تھا پھر آپ کس وجہ سے تشریف لے گئے اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ انہوں نے روٹی روانہ کی ہے مگر ابوطلحہ کی دعوت کے بغیر ہی تشریف لے گئے اس کا مقصد معجزہ کا اظہار ہے اور اپنے صحابہ میں خاص طور پر ابوطلحہ اور ام انس رضی اللہ عنہما کے لئے برکت کا اظہار مقصود ہے۔(لمعات)۔

(67) وقوله: بالناس. یعنی ان کے ساتھ۔ وقوله: فقالت: الله ورسوله اعلم، یعنی اس سے بعض حکمتوں کا ظہور ضروری ہے۔ امام نووی نے فرمایا اس میں ام سلیم کی بڑی منقبت ہے اور اس سے ان کی دینی بزرگی اور عقل کی

اس کے رسول ہی جانیں اور ابوطلحہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابوطلحہ آپ کے ساتھ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اُمِّ سلیم جو بھی تمہارے پاس ہے اسکو لاؤ تو وہ ان روٹیوں کو لائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق حکم فرمایا تو وہ چور دی گئیں اور ام سلیم نے اس پر کپی نچوڑ دی اور اس کو سالن بنادیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں وہ پڑھا جس کا پڑھنا اللہ نے چاہا پھر فرمایا دس کو بلاؤ تو وہ ان کو بلائے پس وہ کھائے یہاں تک کہ سیر ہوگئے پھر وہ نکل گئے پھر فرمایا دس اشخاص کو بلاؤ پھر دس کو بلاؤ یہاں تک کہ ساری قوم کھائی اور وہ سب سیر ہوگئے اور قوم میں ستر یا اسی آدمی تھے (68)۔(متفق علیہ)۔

33/7342۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: آپ نے فرمایا: دس کو بلاؤ وہ داخل ہوئے تو آپ نے فرمایا کھاؤ اور اللہ کا نام لو تو وہ کھائے یہاں تک کہ آپ نے اسی طرح کا معاملہ اسّی (80) آدمیوں کے ساتھ کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اور گھر والے کھائے اور بچا بھی دیا (69)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) بلندی اور قوت یقین معلوم ہوتی ہے وہ سمجھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کی مقدار معلوم ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مصلحت کو بھی بخوبی جانتے ہیں اگر آپ کو اس کی مصلحت معلوم نہ ہوتی تو آپ عمل بھی نہ فرماتے۔ **وقولہ: فادمته.** یعنی کپی سے جو گھی نکلا اس کو ان کے لئے سالن بنادیا۔(مرقات)۔

(68) **قولہ: والقوم سبعون او ثمانون رجلا.** علامہ ابن حجر نے فرمایا یہ شک کے ساتھ مروی ہے اور اس کے سوا دوسری روایت میں اسی کی تعداد بغیر شک کے بالقطع مروی ہے اور ایک روایت میں اسّی پر چند ہے اور ابن ابی لیلی کی روایت میں ہے یہ عمل اسّی (80) اشخاص کے ساتھ کیا گیا۔امام احمد کی ایک روایت میں ہے میں نے پوچھا وہ کتنے تھے تو آپ نے فرمایا اسّی پر چند تھے ان روایتوں میں کوئی منافات نہیں ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ کسر کو چھوڑ دیا گیا ہو۔لیکن حضرت امام احمد کی ایک روایت میں ہے یہاں تک کہ (40) چالیس آدمی اس میں سے کھائے پھر بھی جیسا تھا ویسا بچا ہوا رہا۔اس میں اختلاف معلوم ہو رہا ہے اور یہ کہ یہ ایک سے زائد واقعات ہیں تو میں کہتا ہوں کہ دراصل واقعہ ایک ہی ہے اور دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کرسکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیان میں جب چالیس آدمی کھا چکے تھے ان کے بعد تناول فرمائے اور آپ کے بعد دوسرے چالیس حضرات کھائے ہوں۔(مرقات ولمعات)۔

(69) **وقولہ: سؤرا.** سین کو پیش اور ہمزہ پر جزم ہے اس کے معنی ہیں بقیہ۔**وقولہ: فجعلت انظر.** یعنی میں غور

34/7343۔اور بخاری کی ایک روایت میں ہے میرے پاس دس آدمی کو بلاؤ یہاں تک کہ چالیس آدمیوں کو گِنا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمائے اور میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں سے کچھ کم ہوا ہے۔

35/7344۔اور مسلم کی ایک روایت میں ہے پھر آپ نے جو کچھ باقی رہ گیا تھا اس کو لیا (70) اور اس کو جمع کیا پھر اس میں برکت کے لئے دعا فرمائی پس وہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا تو آپ نے فرمایا تم اس کو لے لو۔

36/7345۔ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا جس وقت وہ خندق کھود رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے جاتے اور فرماتے ہائے ابن سمیہ کی تکلیف ایک باغی جماعت (71) تم کو قتل (شہید) کردے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وفکر اور تردد و تامل کرنے لگا۔ هل نقص منها شئی. یعنی کیا اس میں سے کچھ کم ہوا ہے یا نہیں۔ اس میں کسی قسم کی کوئی کمی ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔(مرقات)۔

(70) وقولـه: ثم أخذ ما بقى. پھر آپ ماقی لے لئے اور اس کو جمع کئے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک ہی صحابی سے مختلف روایتیں کیسے صحیح ہو سکتی ہیں ایک روایت میں وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے بچا کر رکھا اور دوسری روایت میں، راوی کہہ رہے ہیں میں دیکھنے لگا کہ کیا اس میں کچھ کمی ہوئی ہے؟ اور تیسری روایت میں ہے پھر آپ ماقی کو لئے اور اس کو جمع کئے تو ہم کہیں گے کہ ان روایات میں توفیق و جمع آسان اور واضح ہے وہ یہ کہ راوی نے جو کہا وترک سؤر (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچا کر چھوڑا) اس طرح سے کہ صحابہ اس میں سے لیتے رہے، اس میں سے جو بچ گیا اس کو سور سے تعبیر کیا، اور چونکہ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس میں سے کچھ بھی کم نہیں ہوا تو اس سے ان کی مراد (کھانے کا) وہ حصہ ہے جو ان کے فارغ ہونے کے بعد بچا ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ راوی نے پہلی روایت میں یہ بتایا کہ آپ نے اس میں برکت کی دعا دی اور دوسری روایت میں یہ دعا کے بعد کی حالت کو کھانے سے پہلے جو مقدار تھی اسی مقدار پر لوٹ آنے کو بیان فرما رہے ہیں۔اور تیسری روایت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔(مرقات)۔

(71) وقولـه: بـؤس ابن سمية. ''بؤس'' کی ابن سمیہ کی طرف اضافت ہے اور سمیہ مصغر ہے، علامہ ابن ملک نے بیان کیا کہ یہ حضرت عمار کی والدہ ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں اور انہیں دین سے ہٹانے کے لئے سخت تکلیف

گی(72)۔(مسلم)۔

37/7346۔حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جس وقت (73) کفار کی فوجیں آپ کے پاس بھگادی گئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ہم اُن پر حملہ کریں گے وہ ہم سے حملہ نہیں کریں گے ہم ان کی طرف چلیں گے۔(بخاری)۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) پہنچائی گئی لیکن وہ دین پر قائم رہیں اور ابوجہل نے ان کو نیزہ مارا تو وہ شہید ہوگئیں اور بؤس کے معنی ہیں شدت و تکلیف مطلب یہ ہے اے عمار کی شدت، آجا یہ تیرا وقت ہے حرف ندا کا حذف ہونا عام طور پر اسماء اعلام میں ہوتا ہے تاہم اسماء اجناس میں بھی اس کے حذف کی گنجائش ہے۔(مرقات)۔

(72) **وقوله: تقتلك الفئة الباغية.** اس سے مراد ایسی جماعت ہے جو امام وقت کے خلاف خروج کرے، اس سے مراد حضرت معاویہ اور آپ کی جماعت ہے کیونکہ حضرت عمار جنگ صفین میں شہید کئے گئے اور آپ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں تھے اور حضرت معاویہ اس حدیث کی تاویل میں یہ فرماتے ہیں کہ **فئة باغية** سے مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے والی جماعت ہے۔(مرقات)۔

(73) **وقوله: اجلی.** یعنی الگ الگ ہوگئے اور منتشر ہوگئے۔**وقوله: الاحزاب.** کفار کی جماعتیں جو خندق کے روز رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہونے کیلئے جمع ہوئے تھے ان میں قریش بھی تھے اور بنی کنانہ اور اہل تہامہ جملہ دس ہزار تھے۔اور ان کے سردار ابوسفیان تھے۔اور قبیلہ غطفان اور اہل نجد سے ان کے تابعدار ایک ہزار تھے اور ان کے قائد عیینہ بن حصن تھے اور قبیلہ ہوازن کے سردار عامر بن طفیل تھے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی ان کے ساتھ ہوگئے تھے اور دونوں جماعتوں پر تقریباً ایک مہینہ ایسا گزرا کہ سوائے تیراندازی اور سنگ باری کے کوئی بڑی جنگ نہیں ہوئی۔یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے خلاف مشرقی ہوا سے اور ایسی فوج سے مدد بھیجی جس کو وہ نہیں دیکھ رہے تھے یعنی فرشتوں سے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالدیا طلحہ بن خویلد اسدی نے اعلان کیا: جلدی نکل جاؤ جلدی نکل جاؤ لہٰذا وہ بغیر جنگ کے ہی شکست کھاگئے اور اجلاء کے یہی معنی ہیں۔**وقوله: الان.** اس سے مراد ہے آنے والے زمانہ میں اور اس کو اب سے تعبیر فرمانا بیان میں مبالغہ کے لئے ہے۔**وقوله: نحن نسير اليهم.** یعنی وہ لوگ ہماری طرف نہیں آئیں گے اور ہوا بھی ایسا ہی جیسا آپ نے فرمایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد ان سے جنگ فرمایا اور مکہ کو فتح کرلیا اور آپ غالب آگئے۔اللہ کے لئے ہی تعریف ہے اور اسی کا احسان ہے۔(مرقات)۔

38/7347۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرمائیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس ہوئے اور ہتھیار اتار دئے اور غسل فرمائے (74) تو حضرت جبریل آپ کی خدمت میں اپنے سر سے غبار جھاڑتے ہوئے آئے اور عرض کئے آپ ہتھیار اتار دیئے خدا کی قسم میں ہتھیار نہیں اُتارا آپ ان کی طرف چلئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کدھر نکلنا ہے تو انہوں نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف نکلے۔ (متفق علیہ)۔

39/7348۔ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا گویا میں بنی غنم کی گلیوں میں غبار اڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جبرئیل کے جلوس کی وجہ سے جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف نکلے تھے۔

40/7349۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا ہم آیتوں (معجزات) کو برکت شمار کرتے تھے (75) اور تم اس کو خوف کی چیز سمجھتے ہو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ

---

(74) **وقوله: واغتسل.** یعنی غسل کا ارادہ فرمائے۔ **قوله: اتاه جبرئيل وهو.** اس میں ھو ضمیر کا مرجع جبریل ہیں۔ **وقوله: فقال.** یعنی جبریل نے کہا۔ **وقوله : اخرج اليهم.** یعنی کفار کی طرف نکلئے اور ان پر حملہ کیجئے۔ **وقوله: الى بنى قريظة.** بنوقریظہ مدینہ منورہ کی جانب یہود کی ایک جماعت تھی جنہوں نے عہد کو توڑ کر کافروں کی جماعتوں کی مدد کی۔ **وقوله: فخرج النبى صلى الله عليه وسلم إليهم** یعنی ان کے خلاف اللہ نے آپ کی مدد کی آپ کی اس مدد اور ان کے واقعہ کا بیان اور اس کی تفصیلات وکیفیت سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے، بعض تفاسیر میں تفصیلات پھیلے ہوئے ہیں اور ہر واقعہ جو معجزات میں سے ہے اس کو بیان کیا گیا ہے۔ **وقوله: بنى غنم** غین کو فتحہ (زبر) اور نون کو جزم ہے اور کبھی نون متحرک ہوتا ہے، یہ انصار کا ایک قبیلہ ہے اور موکب باء کو (زبر) فتحہ ہے یہ منصوب بنزع الخافض یعنی حرف جار کو حذف کر کے زبر دیا گیا ہے۔ یعنی ان کے جلوس و جماعت سے اور بعض روایات میں لفظ من مذکور ہے، موکب کہتے ہیں جماعت کو خواہ سواروں کی ہو یا پیدل چلنے والوں کی۔ (لمعات)۔

(75) **وقوله: كنا نعد الايات بركة وأنتم تعدونها تخويفا.** ظاہر بات یہ ہے کہ ہم ان کو معجزات سمجھتے تھے جو بغیر مطالبہ کے لئے دکھائے جاتے تھے اور جن میں اس میں برکت ہوتی ہے اور تم صرف ان آیات کو معجزات شمار کرتے ہو جو مطالبہ پر دکھائے جاتے ہیں اور جن پر عذاب کا اندیشہ رہتا ہے۔ (مرقات)۔

وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اور پانی کم ہوگیا تو آپ نے فرمایا: کچھ بچا ہوا پانی تلاش کرو۔ پس وہ ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا پس آپ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا پھر فرمایا آؤ مبارک پانی پر اور اللہ کی طرف سے برکت پر اور میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلیوں سے پانی پھوٹ نکل رہا تھا اور ہم کھانے کی تسبیح سنتے تھے حالانکہ وہ کھایا جاتا تھا۔ (بخاری)۔

41/7350۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک برتن لایا گیا اس حال میں کہ آپ مقام زوراء میں تھے آپ اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیئے پس پانی آپ کی مبارک انگلیوں کے درمیان پھوٹ کر بہنے لگا (76) تو قوم وضوء بنائی قتادہؒ نے کہا میں انسؓ سے پوچھا تم کتنے تھے تین سو یا تقریباً تین سو؟ (متفق علیہ)۔

42/7351۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا: صلح حدیبیہ کے دن (77) لوگ پیاسے ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مشکیزہ تھا آپ نے اس سے وضوء فرمایا پھر لوگ آپ کی طرف آئے اور عرض کئے آپ کے مشکیزے کے پانی کے سوا ہمارے پاس کچھ

---

(76) وقوله فجعل الماء ينبع من بين اصابعه. امام نووی نے فرمایا: پانی کے پھوٹ نکلنے کی صفت سے متعلق دو قول ہیں اور یہ دونوں قول علامہ قاضی اور دیگر بزرگوں نے بھی بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ پانی خود انگلیوں سے پھوٹ نکلتا تھا۔ علامہ مزنی اور اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے اور یہ معجزہ پتھر سے پانی کے پھوٹ نکلنے سے بھی بڑھ کر ہے، اور اس قول کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ (راوی نے کہا) آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی کو پھوٹ نکلتے میں نے دیکھا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفس پانی میں اس قدر زیادتی پیدا کردی کہ انگلیوں کے درمیان سے فوراً جوش مارنے لگے۔ (مرقات)۔

(77) يوم الحديبية. لفظ حدیبیہ یاء کو تشدید کے بغیر زیادہ فصیح ہے۔ قوله: ركوة. پانی کا برتن یا مشکیزہ۔ قوله: الا مافی رکوتک. یعنی جو پانی آپ کے مشکیزے میں ہے۔ اس قول میں ایک جملہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ عرفاً و عادةً یہ بات معلوم ہے کہ ایک مشکیزہ کا پانی ایک بڑی جماعت کیلئے کافی نہیں ہوتا۔ وقولــه: فشربنا وتوضأنا. یعنی ہم سب پی لئے اور وضوء کرلئے۔ پس کس قدر خوشخبری ہے ان لوگوں کے لئے جن کا ظاہر اور باطن اُس پانی سے پاک ہوگیا جو بہتے چشمے کی جنس کے ہر پانی سے افضل ہے۔ (مرقات)۔

بھی پانی نہیں ہے کہ جس سے ہم وضوء بناسکیں اور پی سکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک مشکیزہ میں رکھ دیا سو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشموں کے مانند فوارے مارنے لگا۔ اورانہوں (راوی) نے کہا ہم پیئے اور وضوء بھی بنائے حضرت جابر سے پوچھا گیا(78) تم لوگ کتنے تھے انہوں نے کہا اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ ہمیں کافی ہوجاتا البتہ ہم لوگ پندرہ سو تھے(79)۔(متفق علیہ)۔

43/7352۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا حدیبیہ کے موقع پر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو کی تعداد میں تھے، حدیبیہ ایک کنواں ہے ہم اس کا پانی نکالے اور اس میں ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے کنارے بیٹھ گئے پھر پانی کا ایک برتن منگوائے اور وضوء کئے پھر کلی کئے اور دعا فرمائے پھر اس پانی کو کنویں میں انڈیل دیئے پھر فرمائے کچھ دیر کے لئے اس کو

(78) وقولہ: قیل لجابر کم کنتم. یعنی اس دن تم کتنی تعداد میں تھے یہاں تک کہ وہ (پانی) تم کو کافی ہوگیا چونکہ معجزہ کے موقعہ پر ایسا سوال نامناسب ہوتا ہے اسی لئے اس کے جواب میں پہلے تو فرمایا اگر ہم مثال کے طور پر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ ہم کو کافی ہوجاتا پھر فصل خطاب کے تکملہ کئے لئے فرمایا ہم پانچ سو تھے۔(مرقات)۔

(79) کنا خمس عشرة مائة. علامہ طیبی نے فرمایا: تعداد تخمینی ہے جس میں کمی یا زیادتی ہوسکتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس میں غور کیا اور یہ تعداد اپنے گمان غالب کے مطابق بیان کیا اور حضرت براء کا قول جو اس حدیث کے بعد آرہا ہے کہ ہم چودہ سو تھے اس میں تحقیقی تعداد ہے۔ مشکات کی فصل دوم کے باب قسمۃ الغنائم میں ہے کہ اہل حدیبیہ کی تعداد ٹھیک چودہ سو تھی۔ اور جنہوں نے تعداد پندرہ سو بتائی ہے وہ گمان کی بناء پر ہے۔ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے ان مختلف روایات میں جمع اس طرح کرسکتے ہیں کہ وہ چودہ سو سے کچھ زیادہ تھے مگر پورے ایک سو نہیں تھے تو پہلی روایت والوں نے کسر کو چھوڑ دیا اور دوسری روایت والوں نے کسر کی بھرپائی کرکے پورے ایک سو بیان کیا اور جنہوں نے تیرہ سو کہا تو وہ انکی معلومات کی بناء پر ہے اور ایک روایت میں ایک ہزار چھ سو اور ایک ہزار سات سو بھی آیا ہے گویا انہوں نے بچوں اور عورتوں کو شامل کرکے بیان کیا ہو اور ابن مردویہ کی روایت میں جو حضرت ابن عباس سے مروی ہے ایک ہزار پانچ سو پچیس آیا ہے یہ ایک مکمل تحقیق ہے۔ واللہ اعلم. (مرقات)۔

چھوڑ دو پھر وہ سب سیراب ہوئے (80) اور اپنی سواریوں کو بھی پلائے یہاں تک کہ روانہ ہوگئے۔ (بخاری)۔

44/7353۔ حضرت عوف رضی اللہ عنہ حضرت ابورجاء سے اور وہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ لوگ آپ کی خدمت میں پیاس لگنے کی شکایت کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر کر فلاں صحابی کو بلائے ابورجاء اِن کا نام بیان کئے تھے مگر حضرت عوف اس کو بھول گئے اور حضرت علی کو بلائے اور فرمائے تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ تو وہ دونوں چلے اور ایک خاتون سے ان کی ملاقات ہوئی جو پانی کے دو پکھالوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی (81) تو ان دونوں نے اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور لوگ اس کو اس کے اونٹ سے اتارے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

---

(80) وقولہ: فارْوَوْا انفسهم الخ. اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت جابر کا واقعہ اس واقعہ سے پہلے کا ہے، اور حدیبیہ میں ایک سے زائد معجزے ہوئے ہیں۔ اور لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کنویں کو نہ محفوظ رکھا اور نہ برکت وخیر کثیر کے لئے اس پر بڑی عمارت بنائے حالانکہ یہ کنواں مکہ کے قریب' حدہ کے کنارہ پر جدہ کے ایک راستہ پر واقع ہے۔ (مرقات)۔

(81) وقولہ: مَزادتين. میم کو زبر (فتحہ) ہے یعنی وہ دو بڑے پکھالوں کے درمیان سوار تھی۔ اصل میں مزادہ کہتے ہیں ایسے توشہ دان کو جس میں توشہ رکھا جاتا ہے او سطيحتين علامہ قاضی نے فرمایا کہ دراصل سطيحة مزادہ کی ہی ایک قسم ہے جو دو چمڑوں سے بنائی جاتی ہے اور یہ دو ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں۔ اور علامہ جزری فرماتے ہیں کہ مزاد سے سطيحة چھوٹا ہوتا ہے۔ ثم قولہ من ماء. یہ ان دونوں پکھالوں میں کی چیز کا بیان ہے۔ قولہ: فشربنا عطاشا ع کو زیر (کسرہ) ہے یہ عطشان کی جمع ہے اور شربنا کی ضمیر سے حال ہے۔ اربعين رجلا اس کا بیان ہے۔ (طیبی)۔ وقولہ: لقد اقلع عنها. یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی جماعت اس کے پکھال کو چھوڑ دی اور اس سے ہٹ گئی۔ وقولہ: ملئة اس میں میم کو زیر (کسرہ) ہے اور زبر (فتحہ) سے بھی پڑھا گیا ہے اور لام کو جزم ہے اور یہ ملأ سے فعلة کے وزن پر مصدر ہے۔ ملأت الاناء کے معنی میں ہے یعنی (میں برتن کو بھرا)۔

قولہ: حين ابتدئ. مطلب یہ ہے کہ اس پانی سے سیراب ہونے کے موقعہ پر جس قدر بھرا ہوا تھا اب اس سے بھی زیادہ بھرا ہوا ہے۔ (مرقات)۔

برتن منگوایا اور دونوں پکھالوں کے منہ سے اس میں پانی انڈیلا اور لوگوں میں اعلان کردیا گیا۔ سیراب کرلو اور سیراب ہوجاؤ۔ راوی نے کہا کہ ہم چالیس پیاسے آدمی اس کو پیئے یہاں تک کہ سیر ہوگئے اور ہمارے ساتھ کے ہر مشکیزے اور ہر برتن کو بھر لئے اور خدا کی قسم جب اس کو بند کردیا گیا تو ہمیں خیال ہوتا تھا کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ بھرا ہوا ہے۔ (متفق علیہ)۔

45/7354۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا تم شروع رات سے آخر رات تک (82) چلتے رہوگے اور ان شاء اللہ کل ایک چشمہ کے پاس پہنچوگے لوگ چلتے رہے اس حال میں کہ کوئی کسی طرف مڑ کر نہیں دیکھ رہا تھا۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے یہاں تک کہ رات آدھی ہوگئی تو آپ راستہ سے ہٹ کر اپنا سر مبارک رکھ کر (آرام فرمائے) اور فرمایا ہمارے لئے ہماری نماز کی حفاظت کرنا پس سب سے پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس حال میں کہ

---

(82) **وقوله عشیتكم.** یعنی رات کے ابتدائی حصہ سے **ولیلتكم** یعنی مابقی رات آخر تک۔

وقولہ: لایلوی احد علی احد. یعنی کوئی کسی کی طرف مڑ نہیں رہا تھا بلکہ ہر ایک الگ الگ چل رہا تھا مل کر چلنے کا خیال کئے بغیر ہر ایک کو پانی کے پاس پہنچنے کی فکر تھی کہ پانی کے پاس پہنچ جائے اور ان کو پانی مل جائے۔

وقولہ: ابھار اللیل باء کو جزم اور راء کو تشدید ہے۔ اس کا مصدر **ابھیرار** جیسے **احمار** سے **احمیرار** ہے یعنی رات آدھی ہوگئی۔ (توریشتی) اکثر حصہ گزرجائے تو بھی یہ بولا جاتا ہے۔ **وقولہ: اذا ارتعفت الشمس.** یعنی ایک نیزہ یا اس سے زیادہ (بلند ہوجائے)۔ **وقولہ: بمیضأة.** ابن الملک نے کہا ہے کہ میم کو زیر (کسرہ) کے ساتھ یہ لفظ وضوء سے مفعلۃ کے وزن پر ہے۔ اور کتاب فائق میں ہے کہ یہ لفظ مفعلۃ اور مفعالۃ کے وزن پر ہے، یعنی پانی کا بڑا لوٹا جس سے وضوء کیا جاتا ہے۔ (طیبی)۔ **وقولہ: وضوء دون وضوء** یعنی ایک شارح نے کہا ہے کہ متوسط (ہلکا وضوء کیونکہ پانی کم تھا) علامہ طیبی نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے اور یہ بھی قول ہے کہ انکی مراد یہ ہے کہ آپ نے اس وضوء کے موقع پر پانی سے نہیں بلکہ ڈھیلوں سے استنجاء کیا البتہ پہلی بات ہی ٹھیک ہے۔ یہ بات علامہ ابن ملک نے کہا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ تمام اوقات میں جو وضوء بناتے اس میں تین تین مرتبہ دھوتے تاہم یہ وضوء اس سے ہلکا تھا اس وضوء میں آپ نے ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پر ہی اکتفاء کیا۔ **وقولہ: احفظ علینا.** یعنی ہمارے لئے۔ **میضأتك** یعنی تمہارا یہ لوٹا اور اس میں جو کچھ ہے۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

دھوپ آپ کی پشت (مبارک) پرتھی پھر فرمایا سوار ہو جاؤ تو ہم سوار ہو گئے اور چلے یہاں تک کہ جب سورج بلند ہو گیا تو آپ اترے اور پانی کا ایک برتن جو میرے ساتھ تھا منگوائے اس میں تھوڑا سا پانی تھا اور آپ اس سے ہلکا وضوء فرمائے انہوں نے کہا کہ اس میں کچھ پانی باقی رہا پھر فرمایا اپنے پانی کے برتن کو محفوظ رکھو اس کی ایک شان ہوگی پھر حضرت بلال نے نماز کے لئے اذان دی(83) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز ادا فرمائے (84) اور صبح کی فرض نماز پڑھے(85) اور آپ سوار ہو گئے

---

(83) وقوله: ثم اذن بلال بالصلوة. اس سے معلوم ہوتا ہے قضاء نماز کے لئے اذان دینا مستحب ہے، جیسا کہ اداء کے لئے اذان دینا سنت ہے۔(مرقات) صاحب درمختار نے کہا اذان فرض نمازوں کے لئے ان کے اوقات میں سنت ہے۔

(84) قوله فصلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رکعتین. یعنی آپ فجر کی دو رکعت سنت پڑھے کیونکہ وہ سنت فرض کے ساتھ ترک فرمائے تھے اور زوال سے پہلے ادا فرمار ہے تھے۔اب رہا صرف سنت چھوٹ جائے تو اس کی قضاء نہیں ہے البتہ امام محمدؒ کے پاس سورج طلوع ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک قضا کرلی جاسکتی ہے اور زوال کے بعد اس کی عدم قضاء کے بارے میں سب کا اتفاق ہے۔(مرقات۔ردالمختار)۔

(85) وقوله: ثم صلی الغداة. یعنی فجر کی فرض نماز کی قضاء پڑھے۔وقوله: فانتهینا الی الناس. اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل قافلہ میں سے پہلے اترے تھے۔ قوله: فلم یعد. یہ عدا کا مضارع ہے یعنی کچھ وقت بھی نہیں گزرا۔ ان رأی الناس. یہ ان مصدر یہ ہے لوٹے میں پانی دیکھنا۔ تکابوا باء کو تشدید ہے یعنی ٹوٹ پڑے علیها یعنی پانی کے برتن پر ایک دوسرے پر جھپٹتے ہوئے۔علامہ طیبی نے فرمایا:ان رأی الناس کو فاعل بناسکتے ہیں یعنی لوگوں کا پانی دیکھتے کو ہی اس پر چھپٹنے کے لئے وقت نہیں لگا، پس وہ اس پر ٹوٹ پڑے یا اس کو مفعول بھی بناسکتے ہیں یعنی پانی کو دیکھتے ہی اس کے ڈالنے میں دیر نہیں لگی۔ وقوله: احسنوا الملاء۔ ملاء میں میم اور لام دونوں کو زبر (فتحہ) ہے، اس سے اخلاق مراد ہیں، قاموس میں ہے کہ ملأ متحرک ہے، اخلاق کے معنی میں ہے اسی لئے بولتے ہیں:اَحْسِنُوْا اَمْلَاء کم ، یعنی تم اپنے اخلاق کو اچھے رکھو۔وقوله: کلکم سیروی. واؤ کو زبر (فتحہ) ہے یعنی تم سب اس پانی سے سیراب ہوں گے لہٰذا تم ہجوم مت کرو اور ایک دوسرے کو دھکا دے کر اپنے اخلاق کو خراب مت کرو۔قال راوی نے کہا ففعلوا یعنی انہوں نے ایسا ہی کیا(یعنی اچھے اخلاق سے کام لئے) اور اطمینان سے کام لئے اور ایک دوسرے پر ہجوم نہیں کئے۔(ماخوذ از مرقات)۔

اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار ہوگئے اور جس وقت دن چڑھ گیا تھا لوگوں کے پاس پہنچ گئے جبکہ ہر چیز گرم ہوگئی تھی اور وہ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ہم لوگ ہلاک ہوگئے اور پیاسے ہوگئے تو آپ نے فرمایا تمہارے لئے کوئی ہلاکت نہیں ہے اور پانی کا برتن منگوایا اور آپ اس کو ڈالنے لگے اور ابوقتادہ پلانے لگے کچھ وقت نہیں گزرا کہ لوگ اس برتن میں پانی دیکھ لئے اور اس پر ٹوٹ پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اخلاق اچھے رکھو تم میں سے ہر ایک سیراب ہوگا۔ راوی نے کہا وہ ایسا ہی کئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈالتے جارہے تھے اور میں ان کو پلاتا جارہا تھا یہاں تک کہ میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی باقی نہیں رہا پھر آپ اونڈیلے اور فرمائے تم بھی پی لو تو میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ نوش فرمائیں گے تو میں پیوں گا تو آپ نے فرمایا قوم کو پلانے والا (86) ان کے آخر میں ہوتا ہے تو ابوقتادہ نے کہا میں پی لیا اور آپ بھی نوش فرمائے اور کہا کہ لوگ پانی کے پاس پہنچے اس حالت میں کہ وہ سب سیر ہو کر پی چکے تھے۔ (مسلم (87))۔

اور کتاب حمیدی اور جامع الاصول میں بھی ایسا ہی ہے اور کتاب مصابیح کی روایت میں **آخرھم** کے بعد لفظ **شربا** کا اضافہ ہے۔

---

(86) **قوله ان ساقي القوم آخرهم.** یعنی پلانے والے آخر میں پیتے ہیں، بعض روایت میں جو آنے والی ہیں اس کی صراحت موجود ہے کہ درحقیقت ساقی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تاہم حضرت ابوقتادہ کا یہ کہنا کہ ان کو میں پلا رہا تھا اس کے خلاف نہیں ہے اس لئے کہ اس کے معنی ہیں میں ان کو دیتے جارہا تھا۔ **وقوله: جامين.** میم کو تشدید ہے اس کے معنی ہیں سیر ہو کر پیے ہوئے تھے۔ (تورپشتی)۔ **وقوله: رواء.** راء کے زیر (کسرہ) اور واؤ کے مد کے ساتھ راو کی جمع ہے، اطمینان سے پانی پیا ہوا شخص۔ (مرقات)۔

(87) **قوله: رواه مسلم.** ان کی صحیح میں اسی طرح ہے اور حمیدی کی کتاب اور جامع اصول میں بھی ایسا ہی ہے کہ **ساقي القوم اٰخرهم.** میں شرباً کا لفظ نہیں ہے اور تاریخ بخاری میں بھی اسی طرح ہے، اور امام احمد اور امام ابوداؤد عبداللہ ابن ابی اوفی سے اسی طرح روایت کئے ہیں۔ **وزاد في المصابيح بعد قوله آخرهم لفظة شربا.** تو میں کہتا ہوں یہ اضافہ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حضرت قتادۃ سے یہ مروی ہے، اور اسی طرح امام طبرانی نے اوسط میں اور امام قضاعی نے حضرت مغیرہ سے روایت کیا ہے۔ (مرقات)۔

صاحب درمختار نے فرمایا کہ بلاعذر نماز کی قضاء میں تاخیر کرنا گناہ کبیرہ ہے، جو قضاء کرنے سے ختم نہیں ہوتا بلکہ توبہ بھی کرنا ہوگا یا اس کے لئے معقول عذر ہونا چاہئے، اور نماز میں تاخیر کے اعذار میں سے دشمن کا خوف ہے اور دایہ کے لئے بچہ کی موت کا اندیشہ کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر نماز کو مؤخر فرمایا تھا، اور ملاعلی قاری نے فرمایا اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کو مؤخر کرنا ایک عذر کی وجہ سے تھا یعنی اس امید پر کہ پانی تک پہنچ جائیں گے یا اس عذر کی بناء پر کہ مکروہ وقت نکل گیا ہو جیسا کہ روای کا قول **فرکبنا فسرنا حتی اذا اِرتفعت الشمس** اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی ہم چلے یہاں تک کہ سورج بلند ہو گیا۔

46/7355۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے یہاں تک کہ ایک کشادہ وادی (88) میں اترے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور پردہ کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں پائے کہ اچانک وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ڈالیوں میں سے ایک ڈالی کو پکڑ کر فرمائے تو اللہ کے حکم سے میری

---

(88) **قولہ: افیح**. یعنی کشادہ وادی۔ **وقولہ: واذا شجرتین** . علامہ طیبی نے فرمایا: شجرتین حالت نصبی میں ہے اور صحیح مسلم میں اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں ایسا ہی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں **شجرتان** حالت رفعی میں ہے اور وہ تحریف ہے، اور حالت نصبی میں وجد محذوف ہوگا، یعنی **فوجد شجرتین نابتین بشاطئی الوادی** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی کے کنارے دو درختوں کو پایا اور مصابیح کے ایک شارح نے فرمایا یا **شجرتین** حالت نصبی میں ہے اور رائی پوشیدہ ہے اور ایک نسخہ میں **بشجرتین** ہے اور حالت جری میں واضح ہے۔ **وقولہ: المخشوش** اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی ناک میں خشاش ہو، خشاش خاء کے زیر (کسرہ) کے ساتھ اس نکیل کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے تاکہ وہ جلدی سے اطاعت کرے۔ (نہایہ میں اسی طرح ہے) **قولہ: یصانع قائدہ** علامہ توربشتی نے کہا یعنی اس کی اطاعت اور اس سے موافقت کرے۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

اطاعت کر تو وہ ایک نکیل والے اونٹ کی طرح جو اپنے چلانے والے کی اطاعت کرتا ہے مطیع بن گیا یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے اور اس کی بھی ڈالیوں میں سے ایک ڈالی کو پکڑے اور فرمائے اللہ کے حکم سے تو میری اطاعت کر تو وہ بھی اسی طرح آپ کی اطاعت کیا یہاں تک کہ آپ جب ان دونوں کے درمیان میں ہوگئے (89) تو فرمایا تم دونوں اللہ کے اذن سے مجھ پر ایک دوسرے سے مل جاؤ تو وہ دونوں ایک دوسرے سے مل گئے پس میں اپنے دل میں کچھ سونچتے ہوئے بیٹھ گیا اور مجھ پر ایک خیال غالب آ گیا پھر اچانک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آتے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ دونوں درخت الگ الگ ہوگئے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے تنے پر کھڑا ہوگیا۔ (مسلم)۔

47/7356۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: حضرت جبریل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اس حال میں کہ آپ اہل مکہ کے عمل سے خون آلود اور غمگین بیٹھے ہوئے تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو ایک نشانی دکھائیں آپ نے فرمایا: ہاں! تو انہوں نے اپنے پیچھے کے ایک درخت کی طرف دیکھا اور عرض کیا آپ اس کو بلائیں تو آپ نے اسے بلایا تو وہ آپ کے سامنے آ کھڑا ہوگیا پھر انہوں نے کہا کہ آپ اس کو حکم دیں کہ وہ واپس چلا جائے تو آپ اس کو حکم فرمائے اور وہ واپس چلا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کافی ہے (90) مجھے کافی ہے۔ (دارمی)۔

---

(89) وقولہ: بالمنصف. میم اور صاد دونوں کو زبر ہے، راستہ کا آدھا حصہ، یہاں اس سے مراد ان دونوں کا درمیانی حصہ ہے۔ وقولہ فالتأمتا. یعنی یہاں تک کہ آپ ان دونوں کے درمیان حاجب سے فارغ ہوئے۔ وقولہ: احدث نفسی یعنی میں اپنے دل میں کسی کام کے سلسلہ میں سونچ رہا تھا۔ فحانت کے معنی ہے ظهرت یعنی غالب آ گیا، منی لفتہ . التفاتة یعنی مجھ پر ایک چال غالب آ گئی۔ وقولہ : واذا الشجرتین. یعنی میں دو درختوں کو پایا یا دو درختوں کو دیکھا قد افترقتا دونوں الگ الگ ہوگئے ہیں اس میں دو معجزے ہیں۔ (مرقات)۔

(90) قولہ: حسبی. یعنی مجھے کافی ہے اور دوسرا مبالغہ کے لئے زیادہ کیا گیا ہے یا اس کے آنے اور جانے کے

48/7357۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے،انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک دیہاتی آیا اور جب آپ کے قریب ہوگیا، تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو گواہی دیتا ہے:''**لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهٗ لَاشَـرِيْكَ لَـهٗ وَاَنَّ مُـحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**'' کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس نے کہا آپ جو کہہ رہے ہیں اس کی گواہی کون دیتا ہے تو آپ نے فرمایا یہ سلمہ (91) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا جبکہ وہ وادی کے کنارہ پر تھا تو وہ زمین کو چیرتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور آپ نے اس سے تین مرتبہ گواہی طلب کی تو جیسے آپ نے فرمایا اسی طرح اس نے تین مرتبہ گواہی دی، پھر اپنے مقام پر چلا گیا۔(دارمی)۔

49/7358۔حضرت معن بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے فرمایا: میں اپنے والد سے سنا ہوں انہوں نے فرمایا میں مسروق سے پوچھا کہ جس رات جنات نے قرآن سنا تھا کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی (92) تو انہوں نے کہا مجھے تمہارے والد نے بتایا یعنی عبداللہ بن مسعود

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) دو معجزے کے لئے تکرار کی گئی ہے یعنی مجھے جو رنج و تکلیف پہنچی تھی اس کی تسلی کے لئے میرے رب کی طرف سے کافی ہے۔(مرقات)۔

(91) قولہ: السَلَمَة. تینوں کو زبر (فتحہ) ہے ایک شارح نے ذکر کیا ہے کہ وہ جنگل کا ایک درخت ہوتا ہے اور کتاب نہایہ میں ہے کہ سلم کانٹوں کے درخت کو کہتے ہیں اس کا واحد سلمه ہے اور اس کے پتے قرظ کہلاتے ہیں جن سے دباغت دی جاتی ہے اسی سے آدمی کا نام سلمہ رکھا جاتا ہے۔ وقولہ : تخُدّ الارض خاء کو پیش اور دال کو تشدید ہے یعنی اس کو چیرتے ہوئے۔(مرقات)۔

(92) وقولہ: من آذن. مد کے ساتھ ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنات کے حاضر ہونے کی کسی نے اطلاع دی۔وقولہ: النبی. یہ آذن کا مفعول ہے۔ وقولہ : آذنت مد کے ساتھ یعنی اس (درخت) نے بتایا۔ (مرقات)۔

نے کہ آپ نے فرمایا کہ ان کو ایک درخت نے اطلاع دی۔ (متفق علیہ)۔

50/7359۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک اعرابی آئے اور انہوں نے کہا میں کس چیز سے جانوں کہ آپ نبی ہیں آپ نے فرمایا اگر میں اس کھجور کے درخت کی اس ڈالی کو بلاؤں (93) تو وہ گواہی دے گی کہ میں اللہ کا رسول ہوں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا وہ ڈالی درخت سے اترنے لگی یہاں تک کہ اتر کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرگئی، پھر آپ نے فرمایا واپس چلی جا! تو وہ ڈالی چلی گئی اور وہ اعرابی مسلمان ہوگئے۔ (ترمذی)۔

51/7360۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ابوطالب ملک شام کی طرف نکلے اور آپ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے سرداروں کی جماعت میں تشریف لے گئے اور جب وہ راہب کے پاس پہنچے (94) تو (وہاں) اترے اور اپنے کجاوے کھولے تو راہب ان کے پاس آیا اور یہ لوگ اس سے پہلے بھی اس کے پاس سے گزرتے تھے لیکن وہ ان کے پاس نہیں آتا تھا فرمایا وہ اپنے کجاوے کھولنے لگے یہاں تک کہ وہ آگیا اور رسول اللہ

---

(93) قوله: العِذق. عین کو زیر (کسرہ) ہے، اور اس کے معنی ہیں ایسی ڈالی جس میں شمار یخ ہوتے ہیں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے انگور کے خوشے ہوتے ہیں۔ (مرقات)۔

(94) قولہ: علی الراهب. راہب کا نام بحیراء ہے اور یہ نصاری کے زاہد یعنی راہب ہیں اور نصرانیت کے بڑے عالم تھے۔ وقولہ: یبعثه اللّٰه رحمة للعالمین. اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ ساری مخلوق کی طرف بھیجے جائیں گے۔ وقولہ: مال فیئ الشجرة علیه. یعنی ابر کے سایہ کے علاوہ مزید سایہ کیا یا ابر کا سایہ ہٹ گیا اور درخت آپ پر جھک گے دو معجزے ظاہر کرنے کے لئے۔ وقولہ: فلم یزل. یعنی راہب مسلسل ابوطالب سے درخواست کرتا رہا کہ آپ ان کو واپس بھیج دیں ورنہ اہل روم سے خدشہ ہے کہ آپ کو ملک شام میں قتل کردیں اور مسلسل ابوطالب سے کہتے رہے اللہ کی قسم آپ پر لازم ہے کہ محمد (عربی) صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیں اور دشمن سے ان کی حفاظت کریں یہاں تک کہ ابوطالب نے آپ کو مکہ مکرمہ -زادھا اللہ شرفا- واپس کردیا۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ سید العالمین ہیں اور یہ رب العالمین کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا تو قریش کے سرداروں نے اس سے کہا تجھ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو اسی نے کہا جس وقت تم گھاٹی سے اتر رہے تھے کوئی درخت اور کوئی پتھر باقی نہیں رہا مگر وہ سجدہ ریز ہوا اور یہ دو چیزیں سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کرتیں اور میں آپ کو مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو آپ کے شانہ کی ہڈی کے نیچے سیب کے مانند ہے پھر وہ واپس چلا گیا اور ان کے لئے کھانا تیار کیا اور جب ان کے پاس کھانا لے کر آیا اس وقت آپ اونٹوں کی دیکھ بھال میں (مشغول) تھے تو اس نے کہا کہ تم ان کو بلاؤ چنانچہ آپ تشریف لائے اس حال میں کہ آپ پر ابر سایہ فگن تھا اور جب آپ قوم کے قریب آئے تو ان کو پایا کہ وہ آپ سے پہلے درخت کے سایہ کی طرف پہنچ چکے ہیں پھر جب آپ بیٹھ گئے تو درخت کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا تو اس نے کہا تم درخت کے سایہ کو دیکھو کہ ان کی طرف جھک گیا ہے پھر اس نے کہا میں تم کو اللہ کا واسطہ دیکر پوچھتا ہوں کہ ان کے ولی کون ہیں تو انہوں نے کہا کہ ابوطالب ہیں تو وہ مسلسل ان سے درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ ابوطالب نے ان کو واپس کر دیا اور حضرت ابوبکر نے آپ کے ساتھ حضرت بلال کو بھیجا اور اس راہب نے آپ کے لئے کیک اور تیل کا توشہ دیا۔(ترمذی)۔

امام جزری نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں یا ان دونوں میں سے ایک کے راوی ہیں، اور اس میں حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کا ذکر صحیح نہیں ہے اور ہمارے ائمہ نے اس کو وہم قرار دیا ہے اور یہ بات درست ہے کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف (12) بارہ سال تھی جبکہ حضرت ابوبکر آپ سے دوسال چھوٹے ہیں اور حضرت بلال تو شاید اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے اتنی عبارت کسی دوسری حدیث سے اس میں داخل کر دی گئی ہو۔

52/7361۔اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا(95) اور ہم اس کے ایک کنارہ میں گئے تو کوئی پتھر اور کوئی درخت آپ کے سامنے نہیں آتا مگر وہ کہتا تھا **السلام علیک یا رسول الله** (آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ)۔(ترمذی، دارمی)۔

53/7362۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو کھجور کے درخت کے تنے کا ٹیکا لیتے جو مسجد کے ستونوں میں سے تھا۔پس جب آپ کے لئے منبر تیار کیا گیا اور آپ اس پر جلوہ افروز ہوگئے(96) تو کھجور کا وہ درخت آواز سے رونے لگا جس کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے تھے یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ شق ہوجائے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتر کر آئے یہاں تک کہ اس کو پکڑ لئے اور اپنے سے چمٹا لئے تو وہ اس بچے کی طرح سسکیاں لینے لگا جس کو خاموش کرایا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ قرار پایا۔راوی نے کہا وہ رونا اس ذکر کی بناء پر تھا جس کو وہ سنتا تھا۔(بخاری)۔

54/7363۔اور انہی سے روایت ہے کہ اہل خیبر کی ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی(97) بکری میں زہر ملایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کو بطور تحفہ پیش کیا

---

(95) **وقولہ: کنت الخ.** پس یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور ولی کے لئے کرامت ہے۔ (مرقات)۔

(96) **وقوله: فاستوى.** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے۔ **وقوله: فجعلت .** یعنی وہ ستون یا کھجور کے درخت کا تنہ۔اس میں جعلت تئن انین مونث کا صیغہ جذع النخلة میں مضاف الیہ کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ **وقوله: تئن انين الصبی الذی يسكّت** میں کاف کو تشدید ہے اور زبر(فتحہ) یہ یعنی بچہ کے آہیں بھرنے کی طرح۔(مرقات)۔

(97) **قوله مَصلِيّة.** میم کو زبر اور لام کو زیر(کسرہ)اور یا کو تشدید ہے یعنی بھنی ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکری کے شانے اور دست میں زہر زیادہ ملا دی تھی کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے تمام اعضاء میں یہ زیادہ پسند تھا۔(مرقات)۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دست کو لیا پھر اس میں سے (کچھ) تناول فرمایا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت بھی کھائی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ روک لو اور اس یہودی عورت کو بلا بھیجا اور فرمایا تو نے اس بکری میں زہر ملا دیا تھا؟ تو وہ بولی آپ کو کس نے بتایا۔ تو آپ نے فرمایا مجھے اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے بکری کے اس ذراع نے بتایا(98) تو وہ عورت بولی ہاں! میں نے یہ سوچا کہ اگر وہ نبی ہیں تو نبی کو یہ ہرگز ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر وہ نبی نہیں ہیں تو ہم کو ان سے راحت مل جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا(99) اور اس کو سزا نہیں دی اور آپ کے صحابہ جنہوں نے بکری میں سے کھایا تھا انتقال کر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری میں سے جو تناول فرمائے تھے اس کی وجہ سے اپنے شانے پر پچھنا لگوائے اور ابو ہند نے سینگھی اور پتی کے ذریعہ پچھنا لگایا اور یہ انصار کے قبیلہ نبی بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (ابوداؤد، دارمی)۔

55/7364۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا جب خیبر فتح ہوا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بکری تحفہ بھیجی گئی جس میں زہر تھا تو رسول اللہ صلی

---

(98) **قولہ للذراع.** اس میں لام بیانیہ ہے یا عن کے معنی میں ہے جیسے **قال لزید انه لم یفعل** ہے (اس نے زید کے بارے میں کہا کہ وہ نہیں کیا ہے) یعنی آپ نے ذراع (دست) کے متعلق فرمایا کہ اس نے مجھے بتایا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ لام معنی میں **الـــــی** کے ہے یعنی آپ نے یہ بات اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ **(مشیرا الیها)** (لمعات)۔

(99) **قولہ: فعفا عنها.** علامہ طیبی نے فرمایا اس میں اختلاف ہے کیونکہ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا لہٰذا وہ قتل کر دی گئی ان دونوں روایتوں کے درمیان تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آپ نے شروع میں اس کو معاف فرمایا مگر جب بشر بن براء بن معرور اس لقمہ کی وجہ سے انتقال کر گئے جس کو انہوں نگل لیا تھا تو ان کے قصاص میں اس کو قتل کیا گیا اور مواہب میں ہے کہ وہ اسلام لائی اور قتل نہیں کی گئی۔ بعض محققین نے فرمایا: **فعفا عنها.** کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے شروع میں تو اس کو چھوڑ دیا کیونکہ آپ اپنی ذات کے لئے انتقام نہیں لیتے تھے، پھر جب حضرت بشر بن براء بن معرور کا انتقال ہو گیا تو آپ نے قصاص میں اسے قتل کرنے کا حکم فرمایا اور

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں جو بھی یہودی ہیں ان کو میرے پاس جمع کرو تو وہ سب آپ کے پاس جمع کردیئے گئے پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم سے ایک چیز پوچھنے والا ہوں کیا تم مجھے اس کے بارے میں سچ بتاؤ گے تو انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے(100) تو انہوں نے کہا فلاں ہے تو آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولے بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے تو وہ بولے آپ نے سچ فرمایا اور ٹھیک فرمایا پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کوئی اور چیز کے بارے میں پوچھوں تو کیا تم مجھ سے سچ بتاؤ گے تو انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم اور اگر ہم آپ سے جھوٹ بولیں گے تو آپ ایسا ہی پہچان لیں گے جیسا آپ نے ہمارے باپ کے بارے میں پہچان لیا تو آپ نے فرمایا دوزخ والے کون ہیں تو انہوں نے کہا ہم اس میں تھوڑے دن رہیں گے پھر ہمارے بعد اس میں ہماری جگہ تم لوگ آئیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دور ہٹو خدا کی قسم ہم اس میں کبھی تمہارے نائب نہیں بنیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم مجھے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس کے اسلام لانے کی وجہ سے اس کو چھوڑ دیئے تھے پھر حضرت بشر کے قتل ہونے کی وجہ سے اس کے قتل کا حکم فرمایئے۔ **وقوله: وتوفی اصحابه.** یعنی آپ کے ایک صحابی حضرت بشر شہید ہوئے۔ **قوله: علی کاهله.** ہاء کو زیر (کسرہ) یعنی آپ کے دونوں شانوں کے درمیان۔ **وقوله: بالقرن والشفرة.** شین کو زبر اور فاء کو جزم ہے۔ یعنی پچھنا لگانے کا آلہ سینگھی اور چوڑی چھری تھی۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

(100) **وقوله: من ابوکم.** یعنی تمہارے دادا کون ہیں **ثم تخلفونا** میں لام کو پیش نون کو تشدید ہے اور بغیر تشدید کے بھی ہے یعنی اس میں پھر ہمارے بعد تم آئیں گے۔ یہ ان کے اس غلط خیال اور غلط عقیدہ کی بناء پر تھا کہ ان ہی کی بات سچی اور ان ہی کی خبر حق ہے۔ **وقوله: ان تستریح.** یہ اردنا مفعول ہے، فعل اور مفعول کے درمیان شرط کی جزاء محذوف ہے، اور اس کا قرینہ موجود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کاذب ہیں تو ہم آپ سے راحت پالیں گے اور اگر آپ صادق ہیں تو یہ آپ کو ضرر نہیں پہنچائیگا اور ہم آپ کی ہدایت سے فائدہ اٹھائیں گے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا امتحان مقصود تھا کہ یا تو ہمیں یہ معلوم ہو جائیگا کہ آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے ہم کو راحت مل جائیگی۔ یا یہ معلوم ہوگا کہ آپ نبی ہیں تو آپ کی پیروی کریں گے۔ اور اس میں اس کی وضاحت ہے کہ ان کے انداز کلام سے ظاہر ہو گیا ہے کہ وہ اپنے اس دعوی میں جھوٹے ہیں پس اس عظیم معجزہ کے ظہور سے ان پر حجت قائم ہوگئی۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

ایک چیز کے بارے میں سچ بولو گے اگر میں تم سے اس کے بارے میں پوچھوں تو انہوں نے کہا: ہاں اے ابوالقاسم ! تو آپ نے فرمایا کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا تو انہوں نے کہا ہاں اے ابوالقاسم تو آپ نے فرمایا کیا چیز تم کو اس پر آمادہ کی تو انہوں نے کہا ہم نے یہ چاہا تھا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے راحت پالیں گے اور اگر آپ سچے ہیں تو یہ آپ کو ضرر نہیں پہنچائیگا۔ (بخاری)۔

56/7365۔حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے اور وہ ایک انصاری صاحب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر کے پاس کھودنے والے کو حکم دیتے ہوئے دیکھا کہ فرمارہے تھے اس کے پائین کی جانب کشادہ کرو اور اس کے سرہانے کی جانب کشادہ کرو جب آپ واپس آئے تو اس کی بیوی کی جانب سے ایک دعوت دینے والا آپ کے سامنے آیا تو آپ نے قبول فرمایا اور ہم آپ کے ساتھ تھے کھانا لایا گیا تو آپ اپنا دست مبارک رکھے پھر قوم نے بھی رکھا اور وہ سب کھائے اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے منہ میں لقمہ کو پھرا رہے ہیں(101) پھر آپ نے فرمایا: میں ایک ایسی بکری کا گوشت پارہا ہوں جو اسکے مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی ہے تو اس عورت نے آپ کے پاس کہلا بھیجا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نقیع کی طرف بھیجی تھی اور وہ (نقیع) مقام ہے جس میں بکریاں فروخت کی جاتی ہیں تا کہ میرے لئے ایک بکری خرید لی جائے تاہم بکری نہیں ملی تو(102) میں اپنے پڑوسی کے پاس کہلا بھیجی انہوں نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ اس بکری کو

---

(101) قوله: يلوك لقمة في فيه. یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ کو ایک جانب سے دوسری جانب پھرا رہے تھے، نہایہ میں ہے کہ لوک کے معنی شی کا منہ میں پھرانا ہے۔ (مرقات)۔

(102) وقوله: فلم يوجد. یعنی پڑوسی نہیں ملا۔ فارسلت الى امرأته فارسلت یعنی میں اس کی بیوی کے پاس کہلا بھیجی کہ وہ بکری کو میرے پاس بھیج دے ظاہر بات ہے کہ اس بکری کو خریدنا صحیح نہیں تھا کیونکہ اس کے پڑوسی کی اجازت اور اس کی رضامندی صحیح نہیں ہے اور یہ فضولی کی بیع کی طرح ہے جو اصل مالک کی اجازت پر موقوف ہے بہرحال اس میں قوی شبہ ہے، اور اس کا عمل غیر پسندیدہ ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کھانا

قیمت کے عوض میرے پاس بھیج دے وہ پڑوسی ملا نہیں تو میں اس کی بیوی کے پاس کہلا بھیجی تو وہ اس بکری کو میرے پاس بھیج دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔ (ابوداؤد، دلائل النبوۃ بیہقی)۔

57/7366۔امام احمد اور امام ابن ماجہ نے سند صحیح سے اس حدیث کو حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے، فرمایا: ہم میت کے گھر والوں کے پاس جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نوحہ میں شمار کرتے تھے۔

صاحب ردالمختار نے کہا کہ حضرت عاصم کی حدیث(103) واقعہ حال کا ذکر ہے اس میں عموم نہیں ہے۔ نیز اس میں احتمال ہے کہ اس کا کوئی خاص سبب رہا ہو برخلاف حضرت جریر کی حدیث کے کہ اس میں عموم ہے اور اس میں اس کے متعلق مکروہ ہونے پر دلالت ہے یہ ہمارا مذہب ہے اور دوسروں مثلاً شافعیہ اور حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

58/7367۔حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ (صحابہ)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) قیدیوں کو کھلا دو۔ **اسری** اسیر کی جمع ہے غالب بات یہ ہے کہ وہ غریب تھے، علامہ طیبی نے فرمایا کہ وہ کفار تھے اور بات یہ ہے کہ جب بکری کا مالک نہیں ملا کہ اس سے اس کو حلال کرلیں اور صورت حال یہ تھی کہ کھانا خراب ہوجانے کو تھا اور کھانا انہیں کھلا دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا آپ نے کھلانے کا حکم فرمایا۔اور ان خاتون پر بکری کے تلف کردینے کی وجہ سے اس کی قیمت ادا کرنا لازم ہوگیا اور یہ ان کی جانب سے صدقہ ہوگیا۔(مرقات)۔

(103)**قولہ: حدیث عاصم الخ.** یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے وہ یہ ہے کہ یہ حدیث بظاہر ہمارے مذہب کے علماء کے مسلک کے خلاف ہے کیونکہ علماء مذہب نے کہا ہے کہ پہلے دن یا تیسرے دن یا ایک ہفتہ کے بعد کھانے کا اہتمام کرنا مکروہ ہے۔ یہ بات فتاوی بزازیہ میں ہے اور خلاصہ میں ہے کہ تین دن کے موقعہ پر ضیافت کا انتظام کرنا جائز نہیں، اور علامہ زیلعی نے فرمایا کہ مصیبت کی وجہ سے تین دن تک سوگ کرنا بشرطیکہ اہل میت کی طرف سے کھانے پینے وغیرہ میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہو۔اور علامہ ابن ہمام نے فرمایا میت کے گھر والوں کا ضیافت کا انتظام کرنا مکروہ ہے۔اور علماء نے اس کی علت یہ بتلائی ہے کہ ضیافت خوشی کے موقعہ پر کی جاتی ہے، رنج وغم اور

جنگ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے (104) اور بہت دور نکل گئے یہاں تک کہ شام کا وقت ہو گیا تو ایک سوار آیا اور اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں فلاں فلاں پہاڑ پر چڑھا تو میں اچانک ہوازن (105) کو دیکھا کہ ان کے مرد عورت (106) سب کے سب حنین کی طرف جمع ہو گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمائے وہ (107) کل انشاء اللہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) شر کے موقعہ پر نہیں ہوتی اور فرمایا یہ بدعت سیئہ (بری بدعت) ہے۔اس لئے اس کو ایک خاص نوعیت سے مقید کرنا چاہئے یعنی اس سے مراد ایسا اجتماع کہ میت کے اہل خاندان شرم کے مارے ان کو کھلانے پر مجبور ہوتے ہوں یا یہ کہ میت کے بعض ورثہ چھوٹے ہوں یا غائب ہوں اور اس کے لئے ان کی رضامندی معلوم نہ ہو یا وہ کھانا ورثہ میں کسی خاص معین آدمی کے مال میں سے نہ ہو۔اور تقسیم سے پہلے میت کے مال میں سے بھی نہ ہو وغیرہ۔ علامہ قاضی خان کے قول کو کہ سوگ کے دنوں میں ضیافت مکروہ ہے اسی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ یہ افسوس کے دن ہیں،اس لئے خوشی کی کوئی تقریب اس موقعہ پر مناسب نہیں ہے اور اگر یہ کھانا فقراء کو کھلانے کے لئے بنایا جائے تو بہتر ہوگا۔اب رہا یہ کہ میت کا اپنی موت کے بعد تین دن تک کھانا کھلانے کے لئے وصیت کرنا تو یہ باطل ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک تہائی مال میں سے کھلانے کی وصیت کرتا ہے تو درست ہے۔(مرقات)۔

(104) **قولہ: ساروا الخ.** یعنی جب حنین کی طرف نکلے تھے۔(مرقات)۔

(105) **قولہ: علی بَکْرۃ ابیھم.** با کوزبر (فتحہ اور کاف کو جزم ہے) یعنی وہ سب کے سب۔کہا جاتا ہے۔**جاء القوم علی بکرۃ ابیھم.** (قوم آئی اپنے والد کا اونٹ بھی لائی) یہ ضرب المثل ہے اس سے کثرت مقصود ہوتی ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: اس کی اصل یہ ہے کہ تمام عرب کو ایک مرتبہ خوف لاحق ہوا تو وہ سب کے سب چلے اور کسی چیز کو پیچھے نہیں چھوڑے۔یہاں تک کہ ان کے والد کی ایک جوان اونٹنی تھی اس کو بھی اپنے ساتھ لے لئے تو ان کو جس شخص نے بھی دیکھا کہا **جاؤا علی بکرۃ ابیھم.** تو یہ ایک کہاوت ہوگئی اس قوم کے لئے جو سب کے سب آجاتے ہیں اگرچہ کہ ان کے پاس کوئی اونٹنی نہ بھی ہو۔(لمعات ومرقات)۔

(106) **بظعنھم.** ظا اور عین کو پیش اور عین پر جزم بھی آتا ہے،ایک شارح نے کہا کہ ظعن مرد اور عورتوں کی سفر کرنے والی جماعت کو کہتے ہیں۔علامہ جزری نے فرمایا یعنی وہ اپنی عورتوں کو بھی لیکر آگئے ہیں یہ بات قابل ترجیح ہے اس لئے کہ ظعینہ وہ عورت ہے جو اپنے کجاوہ میں ہوتی ہے اور ایک قول میں **ظعینہ** کجاوہ کو کہتے ہیں خواہ اس میں عورت ہو یا نہ ہو یہ عورتوں کی سواریوں میں سے ایک سواری ہے۔(مرقات)۔

(107) **قولہ: وقال تلک.** اس سے مراد مردوں،عورتوں اور مال ودولت کا مجموعہ ہے۔**وقولہ: فرکع رکعتین** یعنی فجر کی سنت پڑھے۔(مرقات)۔

مسلمانوں کا مال غنیمت ہوگا پھر آپ نے فرمایا آج کی رات کون ہماری حفاظت کریگا تو انس بن ابی مرثد غنوی نے کہا میں یا رسول اللہ تو آپ نے فرمایا سوار ہو جاؤ تو وہ اپنے ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے اور آپ نے فرمایا: تم اس گھاٹی کی طرف جاؤ یہاں تک کہ اس کے اوپر پہنچ جاؤ پس جب ہم صبح گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مصلے پر تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھے پھر فرمایا کیا تم نے اپنے سوار کو دیکھا تو ایک صحابی نے کہا نہیں پھر نماز کے لئے اقامت کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوئے گھاٹی کی طرف متوجہ ہونے لگے یہاں تک جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا خوش ہو جاؤ تمہارے سوار آگئے تو ہم درختوں کے درمیان سے گھاٹی میں دیکھنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ آگئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسامنے کھڑے ہوگئے اور کہا میں چلا یہاں تک کہ گھاٹی کے بلند حصہ پر ہوگیا جس جگہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا تھا پس میں جب صبح کیا تو دونوں گھاٹیوں پر چڑھا اور کسی کو نہیں دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا آج رات تم نیچے اترے تھے تو انہوں نے کہا نہیں سوائے نماز پڑھنے یا قضاءِ حاجت کے لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس اس رات کے بعد کوئی عمل نہ بھی کرو (108) تم پر کوئی ضرر نہیں ہے۔(ابوداؤد)۔

---

(108) وقولہ: فلا علیک. یعنی تم پر (تمہارے کام نہ کرنے میں) کوئی گناہ نہیں یعنی نوافل اور فضائل کو ادا نہ کرنے سے، بعدھا سے مراد اس عمل کے بعد جو تم نے کیا ہے، کیونکہ تمہیں ایک ایسی فضیلت حاصل ہوئی ہے جو کافی ہے۔ علامہ ابن ملک نے فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے لئے خوش خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پہلے اور بعد کے تمام گناہ معاف فرمادیا ہے۔ اس میں غور طلب بات ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں اگرچیکہ آج کی اس رات کے بعد کوئی نیکی اور خیر کے کام نہ کرو کیونکہ آج کی رات کا تمہارا عمل تمہاری فضیلت وثواب کے لئے کافی ہے اور اس سے نوافل اور مستحبات مراد ہیں فرائض مراد نہیں ہیں کیونکہ فرائض ساقط نہیں ہوتے اور ممکن ہے اس دن ان کے دل کو تسلی دینے اور اطمینان کی خاطر ان کے اس عمل کو آج کے دن کے عمل جہاد کے قائم مقام کردیا گیا ہو۔ (مرقات)۔

زیلعی اور باقانی کی شرح ملتقی میں ہے کہ آنکھ سے ادھر ادھر توجہ کرنا جائز ہے (109) کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آنکھوں کے کنارے سے اپنے صحابہ کو ملاحظہ فرماتے تھے۔

59/7368۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا میں جنگ حنین (110) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہا پس جب مسلمانوں اور کفار میں مدبھیڑ ہوئی تو مسلمان پیٹھ پلٹا کر نکل گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر کو کفار کی جانب ایڑھ لگانے لگے اور میں

---

(109) قولہ: مباح. صاحب ردالمحتار نے فرمایا: یہ الدر المختار میں جو مذکور ہے کہ آنکھ سے ادھر ادھر دیکھنا مکروہ تنزیہی ہے، یہ اس کے خلاف نہیں ہے کیوں کہ یہ اس کو عدم ضرورت پر محمول ہے یا مباح سے مراد وہ ہے جو شرعاً ممنوع نہیں اور خلاف اولیٰ ممنوع نہیں ہوتا، علامہ طحاوی اور ملا مسکین وغیرہ نے فرمایا یکرہ الالتفات، یعنی سیدھے یا بائیں جانب دیکھنا اور یہ مکروہ اس وقت ہے جب کہ اپنی گردن کو اس طرح موڑے کہ اس کا چہرہ قبلہ کی سمت سے نکل جائے اور اگر دونوں آنکھوں سے سیدھے یا بائیں جانب بغیر گردن موڑے دیکھتا ہے تو یہ مکروہ نہیں ہے البتہ ایسا نہ کرنا بہتر ہے۔اور سینے کو ہٹا دینا تو مفسد صلاۃ ہے۔

(110) وقولہ: یوم حنین. لفظ حنین مصغر ہے اور کہا گیا ہے کہ یوم حنین سے مراد جنگ حنین ہے جو شوال 8 ہجری میں ہوئی تھی اور حنین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے جو کہ عرفات کے پیچھے ہے۔

وقولہ: اکفھا. ک کو پیش اور ف کو تشدید ہے، یعنی میں اس کو روک رہا تھا۔اور روکنے کا سبب خچر کو دشمن کی طرف تیزی سے بڑھنے سے روکنا تھا۔وقولہ: ابو سفیان. کہا گیا کہ ان کا نام مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب ہے آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے چچازاد بھائی ہیں۔آخذ. فاعل کا صیغہ ہے، یعنی پکڑے ہوئے تھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رکاب کو ادباً وحفاظتہً تھامے ہوئے تھے۔وقولہ: ناد اصحاب السمرۃ. سین کو فتحہ میم کو پیش ہے، یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے صحابہ نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت کی۔وقولہ: وکان رجلا صیّتا. یہ جملہ معترضہ ہے راوی حضرت عباس اور ان کے کلام کے درمیان جو اس کے بعد ہے۔اور صیّت میں یاء کو تشدید ہے جس کے معنی ہیں زوردار آواز والے اس کی اصل صیوت ہے اور اس کی تعطیل لفظ سید کی تعلیل کی طرح ہے۔

وقولہ: فاقتتلوا. یعنی مسلمان کافروں کے ساتھ لڑے والکفار میں را کو نصب ہے اور واو معنی میں مع کے ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑ کر اس کو روک رہا تھا اس ارادہ سے کہ وہ تیز نہ دوڑے اور ابوسفیان بن حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب تھامے ہوئے تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس بیعت رضوان والوں کو آواز دو، حضرت عباس نے کہا اور چونکہ آپ بلند آواز والے تھے میں اپنی بلند آواز سے کہا اے بیعت رضوان والو کدھر ہو! فرمایا: خدا کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو ایسا پلٹے جیسے گائے اپنے بچوں پر پلٹتی ہے اور وہ بولے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں کہتے ہیں مسلمان اور جنگ کئے اور انصار کو بھی آواز دی گئی (111) وہ کہتے تھے اے انصار کی جماعت اے انصار کی جماعت فرمایا پھر بنی حارث بن خزرج پر دعوت کو محدود کر دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ان کی طرف ایسا دیکھے جیسے آپ ان سے جنگ کرنے کے انتظار میں ہیں اور فرمایا یہ لڑائی کے گرم ہونے کا وقت ہے، آپ نے چند کنکریاں لیں (112) اور ان کو کفار کے منہ

(111) وقوله: والدعوة. یہ ترکیب میں مبتداء ہے اور یقولون اس کی خبر ہے۔ وقوله: فی الانصار یعنی انصار کے حق میں مطلب یہ ہے کہ خاص طور پر انصار کے لئے آواز دینا یہ مہاجرین کے حق سے پہلے جو ندا دی گئی تھی اس کی جگہ میں ہے۔ وقوله: فنظر رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو علی بغلته. اس میں واو حالیہ ہے، بمعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار رہنے کی حالت میں ان کو دیکھے۔ وقوله: کالمتطاول علیها. یہ ضمیر مرفوع سے حال ہے جو علی بغلته میں (مقدر) ہے یعنی اس کو چلانے پر قادر و غالب کی طرح اور یہ بھی کہا گیا ہے یعنی اس شخص کی طرح جو اپنی گردن کو دراز کرتا ہے اپنے سے دور کی چیز کو دیکھنے کے لئے ان سے جنگ کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ اور علامہ طیبی نے فرمایا الی قتالهم، نظر کے متعلق ہے۔

قوله: هذا حین حمی الوطیس. راجح بات یہ ہے کہ هذا مبتدا ہے اور حین اس کی خبر ہے، اور مبنی بر فتحہ ہے کیونکہ اس کی اضافت فعل کی طرف ہے یعنی یہ وقت جنگ کے تیز تر ہونے کا وقت ہے، پھر وطیس تنور کے تیز ہونے کو یا خود تنور کو کہتے ہیں، یہ مثال بیان کی جاتی ہے جنگ کی شدت کے لئے جس کی گرمی تنور کی گرمی کی طرح ہوتی ہے۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

(112) قوله: ثم اخذ حصیات الخ. اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کھلے معجزے ہیں۔ ان میں سے ایک فعلیہ ہے اور دوسرا معجزہ خبریہ ہے کیونکہ آپ نے ان کی شکست کی خبر دی اور ان پر کنکریاں پھینکیں تو وہ پیٹھ پلٹا کر بھاگے یہ امام نووی نے فرمایا۔ وقوله: کلیلا. یعنی کمزور و کند۔

وقوله: وامرهم مدبرا. یعنی ان کی حالت ذلت کی ہوگئی۔ (مرقات)۔

پر پھینکا اور فرمایا ربّ محمد کی قسم وہ شکست کھا گئے پس خدا کی قسم اس کے سوا نہیں کہ آپ نے ان پر اپنی کنکریاں پھینکیں تو میں دیکھتا رہا کہ ان کی دھار کُند ہوگئی اور ان کا معاملہ ذلت کا ہوگیا۔ (مسلم)۔

60/7369۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ حنین میں شریک رہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (113) پلٹے اور جب کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گئے تو آپ خچر سے اتر گئے اور زمین سے ایک مٹھی مٹی لی پھر اس کو ان کے چہروں کی طرف کر دیا پھر فرمایا **شاهت الوجوه** یہ چہرے پلٹ گئے خراب ہوگئے پس اللہ تعالیٰ نے ان سے کسی انسان کو نہیں پیدا کیا مگر اس کی دونوں آنکھوں کو اس مٹھی کی مٹی سے بھر دیا اور وہ پیٹھ پلٹا کر بھاگ گئے۔ اور اللہ نے ان کو شکست دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال غنیمت کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ (مسلم)۔

61/7370۔ حضرت ابواسحاق سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت براء سے کہا اے ابوعمارہ تم جنگ حنین میں بھاگ گئے تھے تو کہا نہیں خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ نہیں

---

(113) **قوله: فلما غشوا.** یہ 'رضوا' کے وزن پر ہے اور اس میں ضمیر کا مرجع کفار ہے یعنی جب کفار چھانے کے ارادہ سے قریب آ گئے۔

وقوله: ثم استقبل به ضمیر کا مرجع تراب ہے۔

وقوله: فقال. آپ کا فرمان: **شاهت الوجوه** بطور دعاءِ ضرر کے یا بطور خبر کے ہے۔

وقوله: فماخلق الله منهم انسانا. یعنی ان میں سے کوئی بھی نہیں بچا۔ اور اس کو **بما خلق الله** سے تعبیر کرنا تاکید کے لئے ہے۔ اور تاکید کے ذریعہ حصر کرنا ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا اس میں دو معجزے ہیں ایک تو یہ کہ ایک مٹھی مٹی کا سارے کفار کی آنکھوں میں پہنچا دینا، دوسرا یہ کہ اس تھوڑی سی مٹھی بھر مٹی کا ان میں سے ہر ایک کی آنکھ کو بھر دینا جب کہ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔

میں کہتا ہوں اس میں اس مٹی سے ان کا شکست کھا جانا یہ تیسرا معجزہ ہے جیسا کہ **فولوا مدبرين** سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ (مرقات)۔

پلٹائے(114)، بلکہ آپ کے نوجوان صحابہ جن کے پاس زیادہ ہتھیار نہیں تھے وہ ایسی تیرانداز قوم سے مدبھیڑ کئے جن کا کوئی تیر زمین پر نہیں گرتا تھا انہوں نے ان (مسلمانوں) کو ایسا زخمی کردیا کہ ان کے تیر خطا نہیں کرتے تھے، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر تھے اور ابوسفیان(115) بن حارث اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ پس آپ اس سے اترے اور مدد کی دعا فرمائی اور فرمایا میں نبی ہوں(116) یہ جھوٹ نہیں ہے میں عبدالمطلب کا فرزند

(114) **وقولہ: ما ولی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم.** امام نووی نے فرمایا: یہ جو جواب حضرت براء نے دیا نہایت ادب کا جواب ہے کیونکہ مقدر کلام **فررتم کلکم** تم سب بھاگ گئے تھا اس کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل سے اتفاق کیا ہو لیکن حضرت براء نے فرمایا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بھاگے البتہ آپ کے صحابہ کی ایک جماعت سے یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ اور اگر تم یہ کہو کہ سابق حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان پیٹھ پلٹا لئے۔ اور اس حدیث میں ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ تو ان دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ اولاً مسلمانوں کی جماعت سے پیٹھ پھیر دینا وقوع پذیر ہوا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف توجہ فرمائے اور حضرت عباس کی آواز کے ذریعہ ان کو آواز دینے کے بعد حضور کی خدمت میں واپس آنے کی سعادت اور فرار سے قرار کی طرف منتقل ہونے کی دولت حاصل ہوئی۔ (مرقات)۔

(115) **قولہ: وابو سفیان بن الحارث یقودہ.** یعنی ابوسفیان بن حارث آپ کے آگے چل رہے تھے، یا یہ اصل میں **یقود بغلتہ** ہے اس میں لفظ **بغلتہ** سے مضاف یعنی **بغلتہ** محذوف ہے، یا **بغلۃ** مرکوب کی تاویل میں ہے، اور یہ بظاہر سابق حدیث کے معارض ہے اس میں تھا کہ حضرت عباس اس کی لگام تھامے تھے اور ابوسفیان رکاب تھامے تھے ممکن ہے یہ دونوں باری باری سے تھام رہے تھے یا یہ ہوسکتا ہے اس وقت کی حالت کی شدت کی وجہ سے دونوں حضرات کی ضرورت رہی ہو۔ (مرقات)۔

(116) **انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب.** دونوں جگہ آخر کے باء میں جزم کے ساتھ ہے کیونکہ سجع اور نظم میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے اور سینہ نبوت سے شعر کے وزن پر ہم وزن الفاظ کا طبعی اقتضاء کی بناء پر بغیر ارادہ وقصد کے صادر ہونا شعر میں شمار نہیں کیا جاتا، جبکہ اس قسم کے جملے کتاب اللہ میں بھی موجود ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شعر نہیں ہے۔ علامہ نووی نے فرمایا اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے اپنے والد کے بجائے اپنے دادا کی طرف کیوں نسبت کی اور اس پر فخر کیا باوجود اس کے یہ افتخار جاہلیت کا عمل ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

ہوں پھر صحابہ کی صف بندی فرمائے۔(مسلم)۔

اور بخاری میں اس کے ہم معنی روایت ہے۔

62/7371۔اوران دونوں (بخاری ومسلم) کی روایت میں ہے کہ حضرت براء نے کہا خدا کی قسم جب جنگ سخت ہوجاتی (117) تو ہم حضور کی پناہ لیتے تھے اور ہم میں کا پہلوان وہ ہوتا جو آپ کے (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے) ساتھ ہوتا۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وسلم کی شہرت والد کے بہ نسبت دادا کے ساتھ زیادہ تھی کیونکہ والد صاحب نوجوانی کے زمانے میں اپنی شہرت سے پہلے انتقال کرگئے جبکہ آپ کے دادا مشہور تھے، اوران کی شہرت واضح اور پھیلی ہوئی تھی اور وہ اہل مکہ کے سردار تھے، اوران کے پاس یہ بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنائی ہے اور یہ کہ وہ غالب ہوں گے، اوران کی بڑی شان ہوگی۔اوران کو یہ بات سیف بن ذی یزن یعنی کاہنوں کی ایک جماعت نے بتائی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آمد کی اطلاع تھی اور یہ بات ان کے پاس مشہور تھی اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ بات یاد دلانا چاہا اور یہ بتانا چاہا کہ ان کا دشمنوں پر غالب آنا یقیناً ضروری ہے اوران کے لئے بہترین انجام ہے کیونکہ ان کے نفوس میں پرہیزگاری ہے اوراس کے ذریعہ آپ نے ان کو یہ بتایا کہ آپ جنگ میں ثابت قدم ہیں جو لوگ پیٹھ پلٹائے آپ ان کے ساتھ نہیں پلٹے اوران کو اپنی جگہ بتائے تا کہ پلٹ کرآنے والے پلٹ کرآجائیں۔اب رہا" انا النبی لاکذب"، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں سچا نبی ہوں میں بھاگ نہیں جاؤں گا اور میدان جنگ سے نہیں ہٹوں گا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ میدان جنگ میں دشمن پر اپنی بہادری دکھانے کی خاطر آدمی میں فلاں ہو یا فلاں بن فلاں ہوں بول سکتا ہے، عادت کے مطابق اظہار شجاعت کے لئے اپنے کلمات بولتا ہے تو اسے ریاکاری اور شہرت میں شمار نہیں کیا جاتا۔

(117) قولہ: اذا احمر البأس. یعنی جنگ شدید ہوگئی۔

وقولہ: نتقی بہ الخ. مطلب یہ ہے کہ اس وقت کوئی بھی آپ سے پیش قدمی کی طاقت نہیں رکھ رہا تھا اگر وہ بزدل ہوتا تو بھاگ جاتا اور اگر بہادر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے لیتا اوراس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادری اور آپ کے اللہ تعالیٰ پر عظیم بھروسہ کا ظہور ہے۔

وقولہ: یعنی. مطلب یہ ہے کہ ان دونوں ضمیروں سے حضرت براء کی مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)۔

63/7372۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم جنگ حنین میں شریک تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک (118) ایسے شخص کے بارے میں جو آپ کے ساتھ کے اصحاب میں تھا اور اسلام کا دعوی کرتا تھا فرمایا کہ یہ دوزخیوں میں سے ہے اور جنگ شروع ہوئی تو وہ شخص سخت لڑائی کیا اور اس کو بہت زخم پہنچے تو ایک صاحب آپ کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیکھئے تو جس شخص کے متعلق آپ نے فرمایا تھا کہ وہ دوزخی ہے وہ اللہ کے راستہ میں سخت جنگ کیا اور اس کو بہت زخم لگے تب بھی آپ نے فرمایا سنو وہ دوزخی ہے قریب تھا کہ بعض لوگ اس میں شک کرتے اور جب وہ شخص اسی حالت میں تھا زخم کی بہت تکلیف کو محسوس کیا اور اپنا ہاتھ اپنے ترکش کی طرف بڑھایا اور ایک تیر نکالا اور اس سے اپنا گلا کاٹ لیا۔تو بعض مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑے اور عرض کئے یا رسول اللہ آپ کی بات اللہ نے سچ کر دکھائی۔فلاں نے گلا کاٹ لیا اور اپنے آپ کو قتل کر لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **اللہ اکبر** ' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول ہوں۔اے بلال! اٹھو اور اعلان کرو کہ جنت میں مومن کے سوا کوئی نہیں جائیگا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی فاجر شخص کے

---

(118) **قولہ: لرجل.** یعنی اس سے متعلق اور اس کی حالت سے متعلق امام نووی نے فرمایا کہ اس شخص کا نام قرمان تھا اور خطیب بغدادی نے بھی ایسا ہی فرمایا ہے اور وہ منافقین میں سے تھا۔(جامع الاصول) **ھذا من اھل النار** یہ قول کا مقالہ ہے۔

وقولہ: الجراح. جیم کو زیر (کسرہ) ہے اور یہ جراحہ کی جمع ہے۔(قاموس)۔

وقولہ: فانتحر بھا. اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کافر مرا کیونکہ اس کے باطن میں خبث تھا یا وہ فاسق مرا کیونکہ اس نے اپنے آپ کو قتل کر لیا۔

وقولہ: لا یدخل الجنۃ الا مؤمن. یعنی ایمان میں اخلاص والا اس میں منافقین سے احتراز ہے یا مراد مومن کامل ہے جو بغیر کسی عذاب کے اول وقت جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ جانے والا ہے۔(مرقات)۔

ذریعہ بھی مدد کرتا ہے(119)۔(بخاری)۔

64/7373۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا(120) یہاں تک کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے فلاں کام کیا ہے (121)

---

(119)**قولہ: وان اللہ لیؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر** . یعنی منافق یا فاسق ان لوگوں میں سے ہے جو دکھاوے کے لئے عمل کرتے ہیں۔ یا عمل میں معصیت کو بھی ملا دیتے ہیں، اور کبھی یہ سوء خاتمہ کا سبب بنتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلبگار ہیں اور یہ جملہ ہوسکتا ہے تا ذین کے تحت ہو یعنی اس بات کا اعلان کردو کہ فاجر آدمی سے اس دین کی تائید کریگا۔ یا ہوسکتا ہے کہ نیا جملہ ہو جو قائلین کے احوال کے اختلاف کا بیان ہو اور اس کی بعض مثالیں یہ ہیں کہ کوئی تصنیف کرتا ہے، کوئی درس دیتا ہے، کوئی تعلیم دیتا ہے، کوئی علم حاصل کرتا ہے، یا اذان دیتا ہے، یا امامت کرتا ہے، یا اقتداء کرتا ہے، اور اس جیسی مثالوں میں سے کوئی مسجد بناتا ہے کوئی مدرسہ بناتا ہے یا خانقاہ بناتا ہے اور ان سے ان کی غرض فاسد ہوتی ہے اور مقصد غلط ہوتا ہے مگر وہ دین کے نظام کا سبب بنتا ہے اور مسلمانوں کے فائدہ کا سبب بنتا ہے تاہم ایسا شخص محروم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مخلصین بلکہ مخلصین میں سے بنائے۔ آمین۔(مرقات)۔

(120)**قولہ: سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر جادو کا اثر کرنا یہ بتانے کے لئے ہے کہ جادو، سنت الٰہیہ میں ثابت اور جاری ہے اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صحت کا اظہار ہے کیونکہ جادو جادوگر پر اثر انداز نہیں ہوتا اور جادو آپ کے صلح حدیبیہ سے واپس ہونے کے بعد ماہ ذوالحجہ 6 چھ ہجری میں ہوا اور اس کے باقی رہنے کی مدت ایک قول میں (40) چالیس دن اور ایک روایت میں چھ (6) مہینے اور ایک روایت میں ایک سال رہے اور ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ اس کی قوت اور غلبہ چالیس (40) دن رہا اور اس کے وجود کے آثار چھ (6) مہینے تک رہے اور اس کا کچھ بقایا ایک سال تک رہا۔ (لمعات)۔

(121)**قولہ: انہ لیخیل الیہ الخ**. اس کا مفہوم یہ ہے کہ نسیان آپ پر ایسا غالب ہوا کہ آپ فلاں چیز کو نہیں کئے ہوتے مگر خیال ہوتا کہ کئے ہیں یا فلاں کو کئے ہوتے مگر خیال یہ ہوتا کہ نہیں کئے اور یہ سب دنیا کے کاموں میں ہوتا دین کے کاموں میں نہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے، پس یک بیک ان کی رسیاں اور ان کے ڈنڈے ان کے جادو کی وجہ سے ایسا خیال میں آتا کہ وہ دوڑ رہے ہیں حالانکہ وہ دوڑ نہیں رہے تھے۔ امام نووی نے فرمایا بعض اہل بدعت نے اس حدیث کا انکار کیا اور یہ خیال کیا کہ یہ حدیث درجہ نبوت کو کم کررہی ہے، اگر یہ جائز ہو تو شریعت پر اعتماد ختم ہوجائیگا۔ حالانکہ اس نے یہ جو دعویٰ کیا ہے باطل اور غلط ہے، کیونکہ

حالانکہ آپ نے اس کو نہیں کئے ہوتے یہاں تک کہ ایک دن آپ میرے پاس تھے کہ اللہ سے دعا کی (122) پھر دعا کی پھر فرمایا اے عائشہ کیا تمہیں معلوم ہے اللہ نے مجھے اس چیز کے بارے میں بتادیا

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) دلائل قطعیہ سے آپ کی صداقت اور عصمت امور تبلیغ میں ثابت ہے اور آپ کا معجزہ اس پر شاہد ہے اور کسی ایسی چیز کو جائز قرار دینا جس کے خلاف دلائل قائم ہوں باطل ہے۔ البتہ دنیا کے بعض معاملات جن کے ساتھ آپ بھیجے نہیں گئے سو وہ ان امور میں سے ہیں جو بحیثیت بشر پیش آتے رہتے ہیں بعید نہیں کہ جادو کی وجہ سے ان کے بارے میں ایسا خیال ہو۔ اور یہ کہا گیا ہے کہ آپ کو اس کا محض خیال ہوتا تھا مگر آپ نے اس کی صحت کا یقین نہیں کیا بلکہ آپ اس کی صحیح کیفیت اور صحیح صورت حال سے پوری طرح واقف تھے۔ میں کہتا ہوں ہوسکتا ہے ان امور میں جن کا تعلق دین سے نہ ہو آپ اس کو صحیح خیال کرتے تو اللہ تعالیٰ اس پر آپ کو فوری باخبر کردیتا اور صحیح بات بتادیتا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تم خوف زدہ مت ہونا تم ہی سربلند رہوگے۔ اور لیخیل الیہ کا ایک مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو ازواج مطہرات سے قربت کے لئے پوری نشاط ہوتی تھی مگر جب آپ ان سے قریب آتے تو جادو کی طرح ایک گرفت ہوجاتی تھی اور آپ اس سے رک جاتے تھے۔

امام نووی نے فرمایا: وکل ماجاء من اِنَّہُ یخیل شیئالم یفعلہ. آپ کا یہ قول نظر کے تخیل پر محمول ہے یعنی صرف دیکھنے میں ایسا نظر آتا تھا عقل پر اس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اور اس میں شان رسالت پر طعن کی کوئی بات نہیں ہے اور علامہ مظہر نے فرمایا جنہوں نے یہ کہا ہے کہ انبیاء پر جادو کے اثر کے جواز سے شریعت میں ضرر داخل ہوجائیگا ایسا نہیں ہے کیونکہ سحر اِن کے (مبارک) اجسام پر عمل کرتا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام بشر ہیں اور ان پر امراض وعلل کا واقع ہونا جائز ہے، جیسا کہ غیر انبیاء پر جائز ہے اور ان کے اجسام مبارکہ میں جادو کا اثر ان کے قتل کئے جانے اور زہر اور بیماریوں کے عوارض کے اثر انداز ہونے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جبکہ حضرت زکریا اور ان کے فرزند علیہما السلام کو قتل کردیا گیا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ اب رہا دین کا معاملہ تو حضرات انبیاء کرام امور بعثت میں معصوم ہیں۔ اور دین کے تئیں ان کی نگرانی فرمایا اور اللہ جل ذکرہ اپنے دین کا محافظ ہے اور اپنی وحی کا نگہبان ہے کہ اس میں کوئی فساد یا کسی قسم کی تبدیلی لاحق ہو۔ کوئی بھی اثر دیر تک نہیں رہ سکتا بلکہ فوری زائل ہوجاتا ہے ایسا کہ گویا ہوا ہی نہیں تھا۔ اور اس طرح کے وقوع کا فائدہ یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور یہ بتانا ہے کہ جادو کا اثر حق ہے کیونکہ اکمل الانسان پر اس کا اثر ہوا ہے تو دوسروں کا کیا معاملہ ہے۔ (مرقات)۔

(122) قولہ: دعا اللہ ودعاہ. اس میں دعا کی تکرار تاکید کے لئے یا تکثیر کے لئے یعنی آپ نے کثرت سے دعا کی۔ امام نووی نے فرمایا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ناپسندیدہ اور مکروہ کام رونما ہونے پر دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی

جو میں اس سے پوچھا تھا دو شخص میرے پاس آئے ان دونوں میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا دوسرا میرے پاؤں کے پاس پھران دونوں میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا ان کی بیماری کیا ہے؟ اس نے کہا آپ پر جادو کیا گیا ہے اس نے پوچھا ان پر کس نے جادو کیا ہے؟ تو اس نے کہا لبید بن اعصم (123) یہودی نے اس نے پوچھا یہ جادو کس چیز میں کیا گیا؟ تو اس نے کہا کنگی اور بالوں

جناب میں پناہ کے لئے رجوع ہونا مستحب ہے۔

وقوله قد افتانی. یعنی اس نے مجھے بتادیا۔

وقوله: فیما استفتیته. یعنی جس معاملہ میں میں اللہ تعالیٰ سے اس کی وضاحت اور کشف کے لئے دعا کیا تھا پھر آپ نے اس کا بیان اپنے اس قول سے فرمایا کہ جاء نی رجلان یعنی میرے پاس دو فرشتے انسانی شکل میں آئے۔

وقوله: ما وجع الرجل. یعنی آپ کی تھکن جو مرض کے درجہ میں ہے کا سبب کیا ہے۔**قال مطبوب** یعنی ان پر جادو کیا گیا ہے جس کسی پر جادو ہوتا ہے تو طب اور کسب کہا جاتا ہے اور یہ کنایہ جادو سے جیسا کہ بچھو کاٹنے کو سلیم کہتے ہیں۔(مرقات)۔

(123) **قولہ: لبید بن الاعصم الیھودیّ.** یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس کی بیٹیاں ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ''۔(113۔سورۃ الفلق،آیت نمبر:4) سے معلوم ہوتا ہے یعنی جادوگر عورتیں یا جادو کرنے والے نفوس جو دھاگوں میں جادو کی گرہ لگاتے ہیں اور اس پر پھونک مارتے ہیں۔نفث کے معنی ہیں تھوک کے ذروں کے ساتھ پھونک مارنا۔علامہ قاضی نے فرمایا آپ کو تعویذ کے ساتھ خاص کرنا اس لئے تھا کہ ایک یہودی کسی تانت میں گیارہ گرہ لگا کر جادو کیا اور اس کو ایک کنویں میں دبا دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوئی اس پر معوذتان کے دو سورے نازل ہوئے اور جبریل علیہ السلام نے آپ کو جادو کا وہ مقام بتادیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کیا آپ اس کو لے کر آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں سورتوں کو اس پر پڑھے آپ جیسے جیسے ایک آیت پڑھتے اس میں ایک ایک گرہ کھلتی جاتی تھی اور آپ تھوڑی سی راحت پاتے جاتے اور اس میں کافروں کے قول: کہ آپ پر جادو کیا گیا ہے کی کوئی صداقت نہیں ہے کیونکہ اس سے ان کا منشا یہ تھا کہ جادو کی وجہ سے آپ مجنوں ہوگئے ہیں۔(**العیاذ باللّٰہ**) اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ ایک دوسرا واقعہ ہے کیونکہ یہ واقعہ اس واقعہ کے مغائر ہے،اوران دونوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو قسم کے جادو کئے گئے ہوں۔تاکہ دوگنا اجر ملے ایک وہ جو اس حدیث شریف میں ہے جو لبید سے ہوا ہے اور دوسرا جو اس کی بیٹیوں سے ہوا ہے۔**واللّٰہ اعلم.** (مرقات)۔

میں(124) اور نرکھجور کے پھول کے غلاف میں ۔اس نے پوچھا وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا ذروان کے کنویں میں ہے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے چند اصحاب کے ساتھ کنویں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یہی وہ کنواں ہے جو مجھے دکھایا گیا ہے اس کا پانی گویا مہندی سے نچوڑا ہوا پانی کی طرح تھا اور اس کے کھجور کے درخت گویا شیطانوں کے سر ہیں پھر آپ نے اس کو نکلوادیا۔(متفق علیہ)۔

65/7374۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے آپ کچھ تقسیم فرمارہے تھے(125) کہ ذوالخویصرہ آیا اور یہ بنی

---

(124)قولہ: ومُشاطة. میم کو پیش ہے یعنی سر یا داڑھی کو کنگھی کرتے وقت جو بال جھڑ گئے۔

وقولہ: "وجف طلعة ذكر" امام نووی نے فرمایا جف ج اور ف کو پیش کے ساتھ ہے، ہمارے ملک کے اکثر نسخوں میں ایسا ہی ہے اور بعض مقامات میں جب جیم کے بعد باء ہے جف اور جب دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی کھجور کے خوشہ کا غلاف اور یہ مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں طلعہ کی اضافت۔ذکر کی طرف ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے۔

وقولہ: بئر ذروان. مدینہ منورہ میں ابوزریق کے باغ میں ایک کنواں ہے۔

وقولہ : نُقاعة الحناء . نون کو پیش یعنی مہندی کا رنگ مطلب یہ ہے کہ اس کنویں کے پانی کا رنگ بدل گیا تھا جیسے مہندی کا پانی۔

وقولہ: نخلها رؤس الشياطين. علامہ تورپشتی نے فرمایا نخل سے مراد کھجور کے درخت کا شگوفہ ہے اور اس کی اضافت کنویں کی طرف جو کی گئی ہے اس لئے کہ وہ جادو کا سامان اس میں دفن کیا گیا تھا اب رہا شیطان کے سروں سے اس کو تشبیہ دینا۔جب اس پر چھائی ہوئی وحشت نفرت اور اس کے برے منظر کو دیکھیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب شیطان کی صورتوں کو نہایت بری صورت شمار کرتے ہیں تو اس کے برے منظر کی وجہ سے اس کو شیطان کی صورت سے تشبیہ دی گئی۔(مرقات)۔

(125)قولہ: وهو يقسم قسما. علامہ تورپشتی نے فرمایا۔ القسم مصدر ہے اس سے مراد شئی مقسوم ہے اور یہ مال غنیمت ہے اور مقسوم کو مصدر کا نام دیا گیا ہے۔اور یہ جنگ خیبر کے وہ غنائم تھے جنہیں آپ نے (مقام) جعرانہ میں تقسیم فرمایا۔ وقولہ: وهول رجل من بنی تميم. وہ منافقین میں سے تھا اور عنقریب یہ بات آئیگی کہ اس

تمیم کا ایک شخص تھا اور اس نے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے تو آپ نے فرمایا تیری خرابی ہو جب میں انصاف نہ کروں تو کون کرے گا اگر میں انصاف نہ کروں تو خائب وخاسر ہو جائیگا، حضرت عمر نے فرمایا آپ مجھے اجازت دیں میں اس کی گردن ماردوں تو آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو (126)۔ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے تم میں کا کوئی بھی اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلہ میں، اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر جانے گا۔ وہ قرآن پڑھیں گے پر وہ ان کی حلق سے نیچے نہیں اترے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کی اصل سے خوارج چلیں گے۔ اب رہا ایک شارح کا یہ کہنا کہ وہ رئیس الخوارج تھا سو اس میں تسامح اور صرف نظر ہے کیونکہ ان کے ظہور کی ابتداء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی ہے۔

وقولہ: اِعدل. ظاہر ہے کہ اس نے اس میں توریہ کیا ہے جیسا کہ منافقین کی عادت ہے کہ عدل سے مراد برابر کرنا یا ایسی تقسیم جو ہر ایک کے لائق ہو اور یہ عدل سے مراد وہ ہے جو ظلم کے مقابل ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وصحبہ وسلم نے نور نبوت سے جان لیا کہ اس نے معنی دوم مراد لیا ہے یا تسویہ برابری بھی ایسے مقام میں ہے جہاں تفاضل مناسب ہے یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے اس لئے آپ غصہ ہوئے اور وہ فرمائے جو فرمائے۔ (مرقات)۔

(126)**قولہ: دعہ.** یعنی اس کو چھوڑ دو۔ شرح السنہ میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے سے کیسے منع فرمایا جب کہ آپ نے فرمایا اگر میں ان کو پاؤں گا تو ضرور ان کو قتل کردوں گا تو کہا گیا ہے کہ ان کے قتل کو آپ نے اس حالت میں جائز کیا ہے جب وہ زیادہ ہو جائیں گے اور ہتھیاروں سے قوت حاصل کرلیں گے اور لوگوں کے درپئے ہو جائیں گے اور یہ سب باتیں ان کے قتل سے منع کرتے وقت پائی نہیں گئی تھیں اور سب سے پہلے یہ ظاہر ہوا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اور آپ نے ان سے جنگ بھی کیا یہاں تک کہ آپ نے ان کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ اور راجح بات وہ ہے جس کو علامہ اکمل نے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی دلیل ہے اور اس بات پر بھی کہ آپ اپنی ذات کے لئے کبھی انتقام نہیں لیا کرتے تھے، کیونکہ اس نے کہا **اِعدل** آپ عدل فرمائیں اور ایک روایت میں ہے **اتق اللّٰہ** آپ اللہ سے ڈریئے اور ایک روایت میں ہے اس تقسیم میں عدل سے کام نہیں لیا گیا۔ ان میں سے ہر بات موجب قتل ہے کیونکہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص ہے اسی لئے اگر کوئی یہ بات ہمارے زمانہ میں کہے گا تو اس کے کفر اور مرتد ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس کے قتل سے منع کی تعلیل آپ کے ارشاد **فان لہ اصحابا** کے منافی نہیں ہے۔ (مرقات)۔

گا(127) وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔اس کی نوک کو اس کے پر کو اس کی لکڑی کو اس کے نوک کے نیچے تانت کو دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں پایا جائیگا حالانکہ وہ گوبر سے اور خون سے گزرا ہے۔ان کی نشانی ایک کالا (128) آدمی ہے جس کے دو بازوؤں میں سے ایک

---

(127) **قولہ: لا یجاوز تراقیھم.** ایک شارح نے فرمایا: **تراقی ترقوۃ** کی جمع ہے اور یہ حلق کے گڑھے اور شانہ کے درمیان کی ہڈیاں ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کی زبانوں اور ان کے کانوں سے آگے ان کے فہم اور دلوں تک نہیں پہنچے گا۔**قولہ: یَمْرُقُوْنَ.** راء کو پیش (ضمہ) ہے یعنی دین سے نکل جائیں گے یعنی امام کی اطاعت سے یا اہل اسلام سے نکل جائیں گے۔

وقولہ: کما یمرق السھم من الرمیۃ. یاء کو تشدید ہے **فعلیۃ** کے وزن پر مگر معنی میں **مفعولۃ** کے ہے جس کا معنی شکار ہے اور **مرق السھم من الرمیۃ** اس وقت بولتے جب تیر دوسری جانب سے نکل جاتا ہے یعنی تیر کا اپنے تمام اجزاء کے ساتھ نکل جانا گوبر اور خون میں سے گزرنے کے باوجود پھر ممثل لہ کی وضاحت کے لئے مشبہ کا شکار کے اندر خون اور گوبر میں سے کچھ بھی لگے بغیر تیزی سے گزر جانے کو اپنے ارشاد **ینظر الی نصلہ الخ** سے بیان فرمایا۔ **ینظر** صیغہ مجہول ہے۔ **الی رصافہ** راء کو ضمہ (پیش) ہے اور زیر (کسرہ) سے بھی پڑھا گیا ہے۔یہ بدل ہے تانت جو نوک کے مدخل کے اوپر لپیٹا جاتا ہے **الی نضیہ** نون کو زبر (فتحہ) ضاد کو زیر (کسرہ) پھر یاء کو تشدید ہے **وھو قدحہ** قاف کو زیر (کسرہ) اور یہ وہ حصہ ہے جو پر سے نوک تک آگے نکلا ہوا ہوتا ہے،اور یہ ما کان کے اعتبار سے مجازی معنی ہیں اور یہ جملہ معترضہ ہے راوی کی جانب سے نضی کی تفسیر ہے۔

ثم قولہ: الی قذذہ. یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور یہ **قذۃ** کی جمع ہے قاف کو پیش اور ذال کو تشدید ہے تیر کا سر۔علامہ قاضی نے کہا اس میں فعل کے متعلقات بر سبیل تعداد ہیں بر سبیل ترتیب نہیں ہے۔ **فلا یوجد فیہ** یعنی تیر میں یا مذکورہ اشیاء میں سے کسی میں بھی کوئی شئی یعنی گوبر اور خون میں سے کچھ بھی نہیں لگا ہوا ہوتا ہے۔ **قد سبق الفرث الدم** حالانکہ ان میں سے تیر گزرا ہے۔مطلب یہ ہے کہ جس طرح تیر شکار سے باہر نکل گیا اور اس کو گوبر اور خون کچھ بھی نہیں لگا اسی طرح ان کا اسلام میں داخل ہونا اور پھر تیزی سے نکل جانا ہوگا اور اسلام کا ان میں کوئی اثر نہیں ہوگا۔(مرقات)۔

(128) **قولہ: آیتھم.** اس کے ساتھیوں کی علامت جو اِن میں ہوگی اور ان سے پوشیدہ ہوگی ایک کالا آدمی ہے جس کا ظاہر بھی کالا اور باطن بھی کالا ہے اس کے دو بازوؤں میں سے ایک بازو عورت کے پستان نمایا گوشت کی بوٹی کے جیسا ہوگا بضعۃ باء کے فتح کے ساتھ ہے،یعنی گوشت کا ٹکڑا، یہاں لفظ او تخییر کے لئے ہے یعنی ان دو میں سے کسی

بازوعورت کی چھاتی کے مانند یا گوشت کی بوٹی کی مانند حرکت کرتا ہوا ہوگا۔ اور وہ لوگوں کی بہتر جماعت کے خلاف خروج کریں گے (129)۔حضرت ابوسعید نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوں اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب نے ان سے جہاد کیا ہے اور میں ان کے ساتھ تھا تو آپ نے اس آدمی کو تلاش کرنے کے لئے فرمایا تو اس کو ڈھونڈ کر لایا گیا یہاں تک کہ میں نے اس کو اس حالت پر دیکھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا۔

66/7375۔اور ایک روایت میں ہے (130) ایک شخص آیا جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں پیشانی ابھری ہوئی، داڑھی گھنی دونوں رخسار موٹے اور سر مونڈھا ہوا تھا اور کہا اے محمد! اللہ سے

ایک کی طرح یا یہ او شک راوی ہے۔تـــدردر میں ایک تا حذف ہے یعنی حرکت کرتے ہوئے آگے پیچھے ہوتا رہیگا۔(مرقات)۔

(129) قـولـه: ویخرجون. اس کا عطف یـمـرقـون پر ہے، عـلـی خیر فرقة یعنی ان کے زمانے میں لوگوں کی جو بہترین جماعت ہوگی، لوگوں کی اس جماعت سے مراد سیدنا علی اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔

وقوله: فامر یعنی علی رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا بذلک الرجل اس آدمی کو تلاش کرنے کے لئے جو ان کی علامت تھا فالتمس صیغہ مجہول ہے اس کو تلاش کیا گیا اور پکڑا گیا۔(مرقات)۔

(130) قـوله: وفی روایة قال ابن الملک. علامہ ابن الملک نے کہا کہ ایک روایت اس حدیث شریف کے شروع میں جو ٗاتاہ ذوالخویصرة' الخ ہے، اس کے بجائے یہٗ اقبل رجل غائر العینین' الخ ہے۔

وقـولـه: غـائـر العینین. غور سے اسم فاعل ہے یعنی اس کی آنکھیں دھنسی ہوئی اور اس کے سر میں گھنسی ہوئی تھیں۔ وقوله: ناتئی الجبهة تاء کو زیر (کسرہ) ہے اور اس کے بعد ہمزہ ہے یعنی ابھری ہوئی پیشانی۔

وقوله : مشرف الوجنتین. یعنی اونچے رخسار والا۔

وقوله. محلوق الراس. سر مونڈھا یا ہوا یا اپنی انتہائی صفائی ستھرائی کے دعویٰ کے لئے اور قطع تعلق کی تاکید کے لئے تھا اور اس کی یہ حالت اکثر صحابہ کی حالت کے کھلے طور پر مخالف تھی کیونکہ وہ سب سر پر بال رکھتے تھے۔صرف ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد حلق کرتے تھے۔سوائے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے کیونکہ آپ اکثر حلق کیا کرتے تھے اس کا سبب اور اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔(مرقات)۔

ڈروتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں نافرمانی کروں تو کون فرمانبرداری کرے گا اور اللہ نے تو مجھے اہل زمین پر امین بنایا اور تم مجھے امین نہیں جانتے تو ایک صاحب نے اس کو قتل کردینے کے لئے اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو منع کردیا پس جب وہ شخص پیٹھ پلٹا کر چلا تو آپ نے فرمایا اس کی نسل میں سے ایک قوم نکلے گی (131) وہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا وہ اسلام سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے اگر میں ان کو پاؤں تو قوم عاد کو قتل کرنے کی طرح ان کو قتل کردوں گا (132)۔ (متفق علیہ)۔

67/7376۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں میری والدہ کو اسلام کی دعوت دیا کرتا وہ مشرکہ تھیں تو میں ان کو ایک دن دعوت دیا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مجھے ایسی باتیں سنائیں جس کو میں ناپسند کرتا (133) تو میں روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(131) قولہ: **ان من ضئضئی هذا الرجل.** دونوں ضاد کو زیر (کسرہ) ہے اور صاد (مہملہ) سے بھی پڑھا گیا ہے اور اس میں دو ہمزے ہیں۔ اس میں اصل سے مراد اس کا نسب اور اس کا مذہب ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اس شخص سے پیدا ہوں گے کیونکہ خوارج میں ذوالخویصرہ کی نسل سے کوئی قوم نہیں ہے۔ (لمعات)۔

(132) قولہ: **قتل عاد.** قتل عاد سے مراد ان کو جڑ پیڑ سے ہلاک کردینا ہے کیونکہ قوم عاد کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ آندھی کے ذریعہ ان کو بالکلیہ ہلاک کردیا گیا۔ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اجتماعیت بنائیں گے اور غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اسی وجہ سے اس شخص کے قتل سے آپ نے منع فرمایا، اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو قتل کرنے سے منع فرمانا اس کے اکیلے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک دوسری وجہ سے تھی جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ **واللہ اعلم.** (مرقات)۔

(133) قولہ: **ما اکرہ.** اس بات کو بولنے سے بڑھ کر کوئی چیز ناپسند نہیں کرتا یا یہ کہ میں اس کو لوگوں کے درمیان بیان کروں یہ مجھے ناپسند ہے۔

و قولہ: **فاذا هو** یعنی دروازہ بند تھا **مجاف** بھیڑا ہوا اور بند۔

و قولہ: **خشف قدمی.** یعنی میرے دونوں پاؤں کی آہٹ۔

خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے، پس آپ نے فرمایا اے اللہ تو ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت دے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے خوش ہو کر نکلا اور جب میں دروازے کے پاس پہنچا تو اچانک دیکھا کہ دروازہ بند ہے تو میری والدہ نے میرے دونوں قدموں کی آہٹ سنی تو کہا اے ابو ہریرہ اپنی جگہ ٹھہر جاؤ اور میں نے پانی کی گرنے کی آواز سنی اور وہ غسل کیں اور اپنی قمیص پہن لیں اور جلدی میں اوڑھنی چھوڑ دیں اور دروازہ کھولدیں پھر فرمائیں اے ابو ہریرہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتی ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں" **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ**"، تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوٹ کر آیا اور میں خوشی کے مارے رو رہا تھا آپ نے اللہ کی تعریف کی اور دعاء خیر فرمائی۔ (مسلم)۔

68/7377۔ انہی سے روایت ہے کہ فرمایا: تم کہتے ہو کہ ابو ہریرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایت (134) کرتے ہیں اللہ عذاب سے ڈرانے والا ہے اور یہ کہ میرے مہاجرین

وقوله: خضخضة الماء. یعنی پانی کی آواز۔

قوله: وعجلت . جیم کو زیر ہے عن خمارها . یعنی جلدی کی وجہ سے اپنی اوڑھنی چھوڑ دی عجلت عنه کے معنی ہوتے ہیں اس کو چھوڑ دیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جلدی سے دروازہ کھولنے کے لئے کپڑے پہن کر اوڑھنی اوڑھے بغیر آئیں۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(134) قوله: اکثر ابوهریرة. یعنی زیادہ روایتیں کرتے ہیں۔

قوله: واللّٰه الموعد. یه موعدنا ہے یعنی اللہ کے پاس سچے کی سچائی اور جھوٹے کا کذب سب ظاہر ہو جائیگا کیونکہ سارے اسرار وہاں منکشف ہوتے ہیں۔ علامہ طیبی نے فرمایا اس کے لئے وعدہ کا دن اللہ سے ملاقات کا یعنی قیامت ہے، اگر میں زیادہ اور کم کروں بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ یا کم کروں گا تو وہ میرا حساب لے گا اور آپ نے فرما دیا ہے جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

وقوله: کان یشغلهم یعنی ان کو روکتا تھا۔ وقوله: الصفق. صاد کو زبر (فتحہ) ف کو زیر (کسرہ) ہے خرید وفروخت کے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارنا۔ علامہ طیبی نے فرمایا اس سے مراد خرید وفروخت کے معاملات ہیں۔

بھائی بازاروں میں کاروبار کرنا ان کو مشغول رکھتا تھا اور میرے بھائی انصار کو ان کے اموال میں کام کرنا مشغول رکھتا تھا اور میں ایک مسکین آدمی تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیٹ بھر چمٹا رہتا تھا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ تم میں سے کوئی اپنا کپڑا پھیلائے رکھے یہاں تک کہ میں اپنی یہ بات پوری کروں پھر اس کو وہ اپنے سینے سے لگالے تو وہ میری بات میں سے کبھی کوئی چیز بھول جائے پس میں ایک چادر پھیلا دیا میرے اوپر اس کے سوا کوئی کپڑا نہیں تھا یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات پوری کی پھر میں اس کو اپنے سینہ سے لگالیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے آپ کی بات میں سے کچھ بھی آج تک نہیں بھولا۔ (متفق علیہ)۔

69/7378۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم مجھے ذوالخلصہ (135) سے راحت نہیں دوگے تو میں عرض کیا کیوں نہیں

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **قولہ: ان اخوتی من الانصار کان یشغلھم عمل اموالھم.** یعنی ان مقامات میں جس میں ان کے کھجوروں کے درخت تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین تجارت کرنے والے اور انصار زراعت کرنے والے تھے۔

وقولہ: کنت امرأ مسکینا. میں مال تجارت اور اسباب زراعت سے عاجز آدمی تھا۔ **وقولہ: الزم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم .** یعنی میں آپ کی صحبت اور خدمت کو لازم کرلیا تھا۔ **وقولہ علی ملی بطنی.** علامہ طیبی نے فرمایا: یہ حال ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لازم کرلیا تھا قناعت کرتے ہوئے اس قدر خوراک پر جو میرا پیٹ بھردے۔ اس کو علی حرف جار سے متعدی کرنا مبالغہ کے لئے ہے۔ **وقولہ: مقالتی ھذہ** ظاہر بات ہیکہ اس سے مراد آپ کا وہ کلام اور گفتگو ہے جس کو بیان کرنا شروع کئے تھے۔ **ثم یجمعہ** زبر (فتحہ) اور پیش دونوں طرح سے یعنی میں نے اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالیا۔ **فینسی من مقالتی.** یعنی میری احادیث میں سے کوئی بھی حدیث کبھی بھی نہیں بھولے گا۔ علامہ طیبی نے فرمایا یہ نفی کا جواب ہے جب کہ ''ان'' مقدر ہے تو نہ بھولنا ان سب چیزوں کا مسبب بن جائے گا۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(135) **قولہ: ذی الخصلۃ.** خاء اور لام دونوں کو زبر (فتحہ) ہے وہ خثعم قبیلہ کا ایک گھر تھا اس کو کعبہ یمامہ بولتے تھے اور اس میں جو بت تھا اس کا نام الخلصۃ تھا۔

اور میں گھوڑے پر مضبوطی سے بیٹھ نہیں سکتا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھ دیا یہاں تک کہ میں نے آپ کے دست مبارک کا اثر اپنے سینے میں دیکھا پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! تو ان کو مضبوط جمادے اور ان کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنادے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کے بعد میں اپنے گھوڑے سے کبھی نہیں گرا پھر یہ ایک سو پچاس سواروں کو لیکر گئے اور اس کو آگ لگا کر جلا دیا اور اس کو توڑ دیا۔ (متفق علیہ)۔

70/7379۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص (136) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی لکھتا تھا وہ اسلام سے مرتد ہو گیا اور مشرکوں سے جاملا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اس کو قبول نہیں کرے گی، حضرت ابوطلحہ نے مجھے خبر دی کہ ابوطلحہ اس زمین میں جس میں وہ مرگیا تھا آئے تو اس کو باہر پھینکا ہوا پایا تو آپ نے پوچھا اس کا یہ کیا حال

وقولہ: **لا اثبت** باء کو پیش ہے **علی الخیل** یعنی میں کبھی گھوڑے سے گر جاتا تھا۔

وقولہ: **فانطلق** علامہ طیبی نے فرمایا یہ کسی راوی کا کلام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حضرت جریر کا قول ہے اس وقت میں التفات ہوگا۔ (متکلم سے غائب کی طرف) مطلب یہ ہے کہ حضرت جریر گئے۔

وقولہ: **من احمس** یعنی قوم قریش میں سے۔ 'الاحمس' بہادر کو کہتے ہیں اور حماسہ کے معنی بہادری ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ دین میں اور جنگ لڑنے میں سخت گیر تھے اور منی کے دنوں میں سایہ میں نہیں رہتے تھے اور گھر میں دروازوں سے داخل نہیں ہوتے تھے ان کی اس جیسی بہت مثالیں ہیں۔ (مرقات)۔

(136) قولہ: **کان یکتب.** یعنی وحی لکھتا تھا۔ وقولہ: **ان الارض لا تقبلہ.** پس اللہ نے اس کو موت دی اور لوگ اس کو دفن کئے تو صبح میں اس کی لاش کو زمین باہر پھینک دی تو اس کے لوگ بولے یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کا کام ہے ہمارے ساتھی کو کھود کر پھینک دیئے ہیں تو پھر وہ لوگ اس کے واسطے جس قدر ہو سکتا تھا گہرا گڑا کھودے اور جب صبح ہوئی تو زمین پھر اس کو باہر پھینک دی تھی تب وہ یقین کر لئے کہ یہ انسانوں کا کام نہیں ہے اور اس کو ویسا ہی چھوڑ دیئے۔

وقولہ: **ابو طلحۃ** آپ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کے شوہر ہیں۔

وقولہ: **منبوذا.** یعنی زمین پر باہر پھینکا ہوا۔ (ماخوذ از مرقات)۔

ہےتولوگوں نے کہاہم نےتواس کوکئی مرتبہ دفن کیالیکن زمین نےاس کوقبول نہیں کیا۔(متفق علیہ)۔

71/7380۔حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جومجھ پرجھوٹ باندھے ایسی بات جو میں نے نہیں کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ اور واقعہ یہ ہوا(137) کہ آپ نے ایک شخص کو روانہ فرمایا تھا وہ آپ پر جھوٹ باندھا تورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا کی تو وہ مردہ پایا گیااس کا پیٹ پھٹ گیااورزمین اس کوقبول نہیں کی ۔(بیہقی دلائل النبوۃ)۔

72/7381۔حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئےسورج ڈوب چکا تھا(138) پھرآپ ایک آواز سنےتوفرمایا یہودکو ان کی قبروں میں سزادی جارہی ہے۔(متفق علیہ)۔

73/7382۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہےفرمایا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کےساتھ نکلے یہاں تک کہ عسفان (139) تک پہنچےاورآپ چندراتیں وہاں قیام

---

(137)قوله: وذلک. یعنی اس حدیث شریف کا سبب یہ ہوا۔

وقوله: فکذب علیه. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پروہ جھوٹ باندھااورنورنبوت سےآپ پر یہ بات ظاہر ہوگئی یا اس کی اطلاع آپ تک پہنچ گئی۔(مرقات)۔

(138)قوله: قد وجبت الشمس. یعنی سورج ڈوب چکا تھا۔قوله: فسمع صوتا. ہوسکتا ہےآپ نےعذاب کےفرشتوں کی آوازسنی ہویایہودیوں کی آوازجن کوسزادی جارہی تھی یاخودعذاب کےواقع ہونےکی آواز۔

وقوله: فقال یهود. یعنی یہودکی آوازاس سےمرادیہودیوں کی جماعت کی آوازہے۔

وقوله: تعذب فی قبورها اس میں عذاب قبرکااثبات ہےاورحضور صلی اللہ علیہ وسلم کامعجزہ ہے کہ آپ پران کےاحوال منکشف ہوگئے۔(مرقات)۔

(139)قوله: عُسفان.عین. کوپیش ہے،قاموس میں ہے کہ عسفان عثمان کےوزن پرہے،مکہ مکرمہ سےدومرحلہ کے فاصلہ پرایک مقام ہے۔ وقوله: فی شیء. یعنی کسی مصروفیت یاعمل یاجنگ سےمتعلق کسی کام میں نہیں ہیں۔

وقوله: لخلوف . خاءکوپیش ہے۔خلوف سےمرادعورتیں جہاں مردنہ ہو۔حی خلوف اس وقت کہاجاتاہے

فرمائے کچھ لوگوں نے کہا ہم یہاں کسی کام میں نہیں ہیں اور ہمارے بال بچے اکیلے ہیں اور ہم ان پر مطمئن نہیں ہیں پس یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے مدینہ منورہ میں کوئی گھاٹی اور کوئی راستہ نہیں ہے مگر اس پر دو فرشتے ہیں جو تمہارے وہاں پہنچنے تک اس کی حفاظت کررہے ہیں پھر آپ نے فرمایا چلو تو ہم چلنے لگے اور مدینہ تک پہنچ گئے پس قسم ہے اس ذات کی جس کی قسم کھائی جاتی کہ ہم مدینہ میں داخل ہوئے ابھی اپنے کجاوے کھولے نہیں تھے یہاں تک ہم پر بنی عبداللہ بن غطفان نے حملہ کردیا حالانکہ ان کو اس سے پہلے حملہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں تھی۔(مسلم)۔

74/7383۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں پر قحط سالی آگئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اس دوران ایک دیہاتی صاحب اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ مال ہلاک ہوگیا اور بال بچے بھوکے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) جب کہ اس قبیلہ میں سوائے عورتوں کے کوئی مرد نہ ہوں۔**وقولہ: مانامن علیهم**. یعنی ہمارے بال بچوں پر یہ خبر کے بعد خبر ہے اور مذکر کی ضمیر لانا تغلیبا ہے یا بہادری وہمت میں مردوں کے درجہ میں قرار دیکر لایا گیا ہے۔

وقولہ: شِعب. ش کوزیر(کسرہ) ہے پہاڑ کے پیچھے کا راستہ و لانقب دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ۔

وقولہ: یحرسانها.''ھا'' ضمیر کا مرجع مدینہ ہے اس سے مراد مدینہ طیبہ کے راستوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں ان دونوں سے مراد پورا مدینہ منورہ ہے۔

وقولہ: ماوضعنا رحالنا ہم اپنے اونٹوں سے اپنا سامان اتارے بھی نہیں تھے جس وقت مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تا آنکہ ہم پر یعنی اہلیان مدینہ منورہ پر عبداللہ بن غطفان نے حملہ کردیا۔''غَطفان''غین' کوزبر(فتحہ) ہے فاء کے بعدُ طاءٔ ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل مدینہ کی وہاں سے غیاب کی حالت میں بھی اس کی حفاظت کی جارہی تھی جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور معجزہ اس کی خبردی ورنہ وہاں حملہ کرنے سے فرشتوں کے حفاظت کرنے کے سواء کوئی چیز مانع نہیں تھی۔

وقولہ: مایهیجهم کا یہی مطلب ہے۔(ماخوذ از مرقات)۔

ہوگئے(140) آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا فرمائیں تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اور ہم آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں دیکھ رہے تھے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ابھی آپ ان ہاتھوں کو نیچے نہیں چھوڑے تھے کہ پہاڑوں کے مانند بادل امنڈ آئے پھر آپ منبر سے اترے نہیں تھے یہاں تک کہ میں دیکھا بارش کے قطرے آپ کی ریش مبارک پر ٹپک رہے تھے، پھر ہم پر بارش ہوتی رہی اس دن اور دوسرے دن اور اس کے بعد کے دن تا آنکہ دوسرے جمعہ تک ہوتی رہی تو وہ دیہاتی(141) یا کوئی دوسرے صاحب اٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکانات گر گئے اور مال ڈوب گیا(142) آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں تو آپ اپنے دونوں ہاتھ

(140)قولہ: **ھلک المال.** اس سے مراد مویشی ہیں کیونکہ ان کا اکثر مال مویشی تھا ہلاک ہونے کا مطلب ان کی حالت بدل گئی یا خود مویشی مرگئے۔

وقولہ: **قزعة.** قاف اور زاء دونوں کو زبر(فتحہ) یعنی ابر کا ٹکڑا۔

وقولہ: **ماوضعھا .** یعنی ہاتھوں کے نیچے نہیں چھوڑے تھے۔ ہاضمیر جنس ید کا اعتبار کر کے مفرد لائی گئی ہے۔

وقولہ: **حتی ثار السحاب.** یعنی بادل پھیل گیا اور مکمل طور پر نمودار ہوگیا۔

وقولہ: **یتحادر** یعنی بارش کے قطرے ٹپکنے لگے۔(ماخوذ از مرقات)۔

(141)قولہ: **وقام ذالک الاعرابی او غیرہ .** حافظ عسقلانی نے فرمایا ایک روایت میں ہے **ثم دخل رجل فی الجمعة المقبلة** اس سے ظاہر ہے کہ یہ اعرابی دوسرے ہیں اور ایک روایت میں ہے **حتی جاء ذلک الاعرابی فی الجمعة الاخری** اس میں دونوں کو اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے بھول ہوگئی تھی پھر یاد آ گیا ہو۔ یاد رکھنے کے بعد اس کو بھول گئے ہوں۔ میں کہتا ہوں اس میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان کو دوسرے جمعہ میں آنے والے اعرابی کے بارے میں تردد ہوگیا ہے کہ یہ پہلے صاحب ہیں کبھی غالب گمان ہوا کہ پہلے ہی ہیں تو اس کو قطعی طور پر بیان کیا اور کبھی ان کا غالب گمان یہ ہوا کہ وہ دوسرے صاحب ہیں، تو **دخل رجل** سے بطور نکرہ بیان کیا اور کبھی وہ تردد و شک کی صورت میں رہا دونوں جانب برابر تھے تو صیغہ شک کے ساتھ بیان کیا، اور یہ شک خود ان کا ہی ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم.** (مرقات)۔

(142)قولہ: **غرق المال.** راء کو زیر(کسرہ) یعنی مال ڈوب گیا۔

وقولہ: **اللھم حوالینا.** اے اللہ ہمارے اطراف برسا **حوالینا** لام کو زبر(فتحہ) ہے یعنی ہمارے فائدے کے

بلند کئے اور فرمائے اے اللہ! ہمارے اطراف برسا اور ہم پر مت برسا پھر آپ بادل کے کسی کنارے کی طرف اشارہ نہیں کرتے مگر وہ چھٹ جاتا تھا۔ اور مدینہ تالاب کی طرح ہوگیا(143) اور وادی قناۃ ایک مہینہ تک بہتی رہی اور کوئی شخص کسی بھی کنارے سے(144) نہیں آیا مگر اس نے بارش کی خبر دی اور ایک روایت میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا...... الخ اے اللہ ہمارے اطراف برسا اور ہم پر مت برسا، اے اللہ ٹیلوں(145) پہاڑوں پر اور وادیوں میں اور

(حاشیہ پچھلے صفحہ پر) مقامات میں برسا پھر اس کی تاکید میں فرمایا یعنی ایسے مقامات میں مت برسا جس سے ہم پر ضرر ہوگا، علامہ عسقلانی نے فرمایا: لا علینا حوالینا کا بیان مراد ہے، امام نووی نے فرمایا جب بارش گھروں میں اور آبادیوں میں زیادہ ہوجائے اور ضرر کا اندیشہ ہوجائے تو اس بارش کے رک جانے کے لئے دعا کرنا بھی مستحب ہے مگر اس کے لئے نہ نماز ہے اور نہ جنگل میں نکل کر دعا کرنا ہے۔(مرقات)۔

(143) مثل الجوبة. جوبہ جیم کو زبر اور واو کو جزم اور اس کے بعد باء ہے۔ بادل کے درمیان کا کھلا حصہ اور یہاں مضاف محذوف ہے یعنی صار جو المدینة مثل الفرجة فی السحاب یعنی مدینہ منورہ کی فضاء بادل کے درمیان کے خالی حصہ کی طرح ہوگئی، یعنی وہ بادل سے خالی ہوگیا۔ وقوله: سال الوادی قناة. بعض حواشی میں ہے کہ قناۃ احد پہاڑ کے کنارے ایک قطعہ زمین کا نام ہے، اس میں کھیت وغیرہ ہیں اور اس کی وادیاں مدینہ منورہ کی مشہور وادیوں میں سے ہے اور اس روایت میں قناۃ حالت رفعی میں ہے یہ ترکیب میں بدل یا بیان ہے۔(لمعات)۔

اور صاحب مرقات نے کہا کہ محمد بن حسن مخزومی نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے اس کا نام وادی قناۃ تبع یمانی نے رکھا جس وقت وہ قبل اسلام مدینہ منورہ آیا تھا۔ کہا گیا ہے کہ اسی وادی میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف ہے اور یہ طائف سے آتی ہے۔

(144) قوله: من ناحية. یعنی مدینہ کے کناروں سے الاحدث یعنی خبر دیا۔ بالجود جیم کو زبر (فتحہ) اور واو کو جزم ہے، یعنی بہت بارش۔(مرقات)۔

(145) قوله: علی الآکام، " آکام" اکمة کی جمع ہے، ٹیلہ اور زمین کا بلند حصہ۔

وقوله: والظراب یعنی چھوٹے پہاڑ اس کا واحد ظرب کتف کے وزن پر ہے۔

وقوله: وبطون الاودية. یعنی مکانات سے خالی مقامات۔

وقوله: منابت الشجر یعنی پھل دار درخت کے مقامات۔

وقوله: فاقلعت یعنی چھٹ گیا اور بارش رک گئی اور مونث کا صیغہ لایا گیا کیونکہ یہ سحابة کی جمع ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ"۔(11۔سورۃ ھود، آیت نمبر:44)۔(ماخوذ از مرقات)۔

درختوں کے اگنے کے مقامات پر برسا پس وہ رک گئی اور ہم دھوپ میں چلتے ہوئے نکلے۔(متفق علیہ)۔

75/7384۔حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ نے فرمایا اپنے سیدھے ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا میں اس کی قدرت نہیں رکھتا(146) تو آپ نے فرمایا کہ تو اس کی قدرت نہ رکھے اور اس کو اس سے تکبر کے سوائے کوئی چیز نہیں روکی۔راوی نے فرمایا پھر وہ اس کو اپنے منہ تک نہیں اٹھا سکا۔(مسلم)۔

76/7385۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مدینہ ایک مرتبہ گھبرا گئے(147) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے جو سست رفتار تھا اور اڑیل چلتا تھا جب آپ واپس آئے تو فرمایا ہم نے تمہارے اس گھوڑے کو سمندر پایا پس وہ اس کے بعد کبھی اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور ایک روایت میں ہے اس دن کے بعد کبھی وہ پیچھے نہیں ہوا۔(متفق علیہ (148))۔

---

(146)قولہ: **لا استطعت**. یہ اس کے مخالف دعا ہے کیونکہ اس نے اپنے بیان عذر میں جھوٹ بولا تھا۔

وقولہ: **ما منعه الا الكبر** یعنی کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ تکبر کی بناء پر تھا۔علامہ طیبی نے فرمایا راوی کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعاء کرنے کا سبب بیان کیا ہے کسی کے سوال کا جواب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہے اس کے خلاف" **لا استطعت**" سے کیوں دعا کی تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اس کو سیدھے ہاتھ سے کھانے سے روکنے والی چیز صرف اس کا تکبر تھا۔(مرقات)۔

(147)قولہ: **فزعوا**. زاء کو کسرہ (زیر) ہے دشمن کے آنے کی خبر سے ایک مرتبہ خوف زدہ ہو گئے۔

وقولہ: **يقطف** طاء کو زیر (کسرہ) ہے یعنی ایک شارح نے بیان کیا کہ وہ مشکل سے قدم اٹھاتا تھا اڑیل تھا۔

وقولہ: **فرسكم هذا بحر**. (یعنی گھوڑا) طاقتور ہے۔اس کا نام بحر رکھا گیا اس لے کہ اس کی دوڑ ختم ہونے والی نہیں ہے جیسے سمندر کا پانی ختم نہیں ہوتا۔علامہ طیبی نے فرمایا: **بحراً** **وجدنا** کا مفعول دوم ہے،اور اس گھوڑے کو اس کے لمبے لمبے قدم ڈالنے اور اس کی تیز رفتاری میں بحر (سمندر) سے تشبیہ دی گئی۔

وقولہ: **لا يجارىٰ** راء کو زبر (فتحہ) ہے اس کی رفتار میں نہ اس سے مقابلہ کیا جا سکتا تھا اور نہ وہ کسی سے پیچھے رہتا تھا۔(ماخوذ از:مرقات)۔

(148)قولہ: **متفق عليه**. مرقات سے ایسا سمجھ میں آتا ہے۔(مرقات)۔

77/7386۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگ میں شریک ہوا اور میں ایک اونٹ پر تھا(149) جو تھک گیا تھا اور وہ چلنے کو نہیں تھا تو میرے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگئے اور فرمایا تمہارے اونٹ کو کیا ہوا؟ میں نے کہا وہ تھک گیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے آئے اور اس کو ڈانٹا اور اس کے لئے دعا فرمائی پس وہ مسلسل اونٹوں کے سامنے چلنے لگا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم اپنے اونٹ کو کیسے دیکھ رہے ہو تو میں عرض کیا خیریت سے ہے! اس کو آپ کی برکت مل گئی۔ پھر آپ نے فرمایا کیا تم اس کو میرے ہاتھ ایک اوقیہ میں بیچتے ہو تو میں اس کو بیچ دیا اس شرط پر کہ مجھے اس کی پشت پر سواری کا مدینہ منورہ تک حق رہے گا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں اونٹ کو لیکر صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے اس کی قیمت دی اور اونٹ بھی واپس دے دیا۔(متفق علیہ)۔

اور حضرت شیخ نے لمعات میں فرمایا کہ ان کا یہ کہنا کہ میں نے اس کو اس شرط پر فروخت کیا کہ مجھے مدینہ منورہ تک سواری کا حق رہے گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی کسی شرط کے ساتھ جس میں بائع کا فائدہ ہے بیچنا جائز معلوم ہوتا ہے حالانکہ فقہاء کرام نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ شرط عقد کے تقاضے کے خلاف ہے اس میں عاقدین میں سے ایک کے لئے منفعت ہے کیونکہ مدینہ منورہ تک سواری اگر اس کے مقابل میں کوئی ثمن بنے تو وہ بیع میں اجارہ ہوگا اور اگر اس کے مقابل میں کوئی چیز ثمن نہ بنے تو وہ بیع میں اعارۃ ہوگا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معاملہ میں دو معاملے کرنے سے منع فرمایا ہے، نیز شرط کے ساتھ بیع کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جب یہ عقد جائز نہیں ہوا تو بیع فاسد ہو جائے گی، فقہا نے فرمایا یہ بات اس حدیث میں منسوخ ہے اور یہی بات ٹھیک ہے۔ یا یہ

(149)قولہ: ناضح. یعنی میں ایک ایسے اونٹ پر سوار تھا جس پر پانی لایا جاتا تھا۔(نہایہ)۔وقولہ: فزجرہ. اس کو ضرب اور آواز سے ڈانٹا۔وقولہ: قدامها "بین ایدی الابل" سے بدل ہے یا اس کا بیان ہے۔وقولہ: بوقیة. یعنی ایک شارح کی تصریح کے مطابق چالیس درہم ہیں۔وقولہ: غدوت علیہ بالبعیر. یعنی میں دوسرے دن صبح میں اس کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔(مرقات)۔

ہوسکتا ہے کہ یہ شرط اصل عقد میں نہیں تھی بلکہ بیع ہونے کے بعدانہوں نے اس کی خواہش کی ہواگرچیکہ ظاہرعبارت اس کے منافی ہے۔

78/7387۔حضرت یعلی بن مرہ ثقفی سے روایت ہےفرمایا: تین چیزوں کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھا ہوں۔ہم حضور کے ساتھ چل رہے تھے کہ ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس سے پانی سینچا جارہاتھا جب اونٹ آپ کو دیکھا تو زور سے آواز کیا(150) اوراپنی گردن بچھادیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس ٹھہر گئے اورفرمائے اس اونٹ کا مالک کہاں ہے تو وہ مالک آپ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایاتم اس کو میرے ہاتھ بیچ دواس نے کہا بلکہ ہم آپ کے لئے اس کو ہبہ کرتے ہیں اور یہ ایسے گھر والوں کا ہےجن کے پاس اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے توحضور نے فرمایاجب تُو نے ان کا یہ حال ذکر کیا ہےتواس اونٹ نے کام زیادہ لینے اورچارہ کم دینے کی شکایت کیا ہےتم اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔پھرہم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک منزل پراترے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمائے توایک درخت زمین کو چیرتے ہوئے آیا یہاں تک کہ آپ پرسایہ کیا(151) پھراپنی جگہ واپس چلا گیااور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو میں آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: یہ درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوسلام کرنے کے لئے اپنے رب

---

(150)قولہ: یسنی. فعل مجہول ہےیعنی پانی سینچا جاتا ہے۔سنت الناقۃ الارض تسنوا. اس وقت بولتے ہیں جب اس پر پانی سینچا جاتا ہے،اور سانیۃاس اونٹنی کو کہتے ہیں جس پرکھیت کو پانی سینچا جاتا ہے۔

وقولہ: جرجر. یعنی آواز کیااورچیخااور کہا گیا ہے کہ حلق میں آواز روکنے کوبھی کہتے ہیں اور جران جیم کوزیر (کسرہ) اورراء کوبغیرتشدید کے ساتھ ہے،اونٹ کی گردن کا سامنے کا حصہ اوراس کی گردن کے باطنی حصہ کوبھی کہا گیا ہے۔(ماخوذ ازلمعات ومرقات)۔

(151)حتی غشیتہ. یعنی بادل آپ کے پاس آیااورآپ پرسایہ کیا۔

وقولہ: فمررنا بماء. یعنی پانی کاایسامقام جس میں لوگ رہتے ہیں اورایک شارح نےفرمایااس کا مطلب یہ ہے کہ ایک قبیلہ کے پاس سےگزرے۔قولہ: جنۃ. جیم کوزیر(کسرہ) ہے دیوانگی۔وقولہ: رَیبا. راءکوفتحہ اوریاء کوجزم یعنی ایسی کوئی چیزجس کوہم ناپسند کرتے ہوں۔(ماخوذاز:مرقات)۔

سے اجازت مانگا تو رب نے اس کو اجازت دے دی۔ راوی نے کہا پھر ہم چلے اور ایک چشمہ کے پاس سے گزرے تو ایک عورت اپنے ایک بچہ کو لیکر آئی اور اس کو دیوانگی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نتھنا پکڑا پھر فرمایا نکل جا! میں محمد رسول اللہ ہوں پھر ہم چلے، اور جب ہم واپس ہوئے تو اس چشمہ کے پاس سے گزرے تو آپ نے اس سے بچہ سے متعلق پوچھا تو وہ بولی قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم نے آپ کے بعد اس سے کوئی شبہ کی چیز نہیں دیکھی۔ (شرح السنہ)۔

79/7388۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ نے کہا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ایک بیٹے کو لے کر آئی اور عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے بیٹے کو جنون لاحق ہوگیا ہے اور وہ ہماری صبح اور ہماری شام اسے متاثر کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور دعاء فرمائی تو وہ ایک قے کیا(152) اور اس کے پیٹ سے کتے کے کالے بچہ کے مانند ایک چیز دوڑتی ہوئی نکل گئی۔ (دارمی)۔

80/7389۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ایک چرواہے کے پاس آیا اور ان میں سے ایک بکری پکڑ لیا تو چرواہے نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ اس کو اس سے چھین لیا۔ راوی نے کہا کہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھا(153) اور سرین

---

(152) **قولہ فثع**. اس میں ثاء اور ع ہے، عین کو تشدید ہے، اس کے معنی ہیں وہ قے کیا۔

وقولہ: ثعة. یعنی ایک قے کیا، کتاب نہایہ میں ہے ثع کے معنی قے ہے اور ثعة کے معنی ایک مرتبہ قے کرنا۔

وقولہ: الجرو. یعنی کتے کا بچہ۔ (مرقات)۔

(153) **قولہ تل**. لام کو تشدید ہے، یعنی اونچی جگہ۔

وقولہ : فافعی یعنی دونوں ہاتھ کھڑے کرا پنے سرینوں پر بیٹھ گیا۔

وقولہ: واستثفر. ثاء اور فاء ہے یعنی اپنی دم دونوں پاؤں کے بیچ ہو، اور ایک قول میں دونوں سرینوں کے بیچ میں داخل کردیا۔

وقولہ: قد عمَدت میم کو زبر (فتحہ) متکلم کا صیغہ ہے۔ اس میں بطور شکایت خبر دینا ہے اور ایک صحیح نسخہ میں ہے، خطاب کا صیغہ ہے یہ استفہام انکاری ہے اس کا معنی ہے تو نے ارادہ کیا۔

کے بل بیٹھ گیا اور دونوں پاؤں کے درمیان اپنی دم کو دبایا اور بولا جو اللہ نے مجھے دیا تھا میں نے اس کو لیا تھا تُو نے اس کو مجھ سے چھین لیا تو اس شخص نے کہا: خدا کی قسم! میں آج کی طرح کوئی دن نہیں دیکھا کہ ایک بھیڑیا بات کر رہا ہے، تو بھیڑیئے نے کہا اس سے بھی تعجب خیز وہ ذات ہے جو دو پتھریلی زمین کے درمیان کھجور کے درختوں میں ہے، وہ تمہیں اس چیز کی خبر دیتے ہیں جو گزر گئی اور اس کی جو تمہارے بعد ہونے والی ہے، راوی نے کہا: وہ آدمی یہودی تھا پس وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس (واقعہ) کو سنایا اور اسلام لے آیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی پھر فرمایا یہ قیامت کے قریب کی نشانیاں ہیں، قریب ہے کہ ایک شخص گھر سے نکلے گا اور وہ نہیں واپس ہوگا یہاں تک کہ اس کے نعلین اور تسمے اس کو بولیں گے جو کچھ اس کے بعد اس کے گھر والوں نے کیا ہے۔ (شرح السنہ)۔

81/7390۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ معراج کی رات میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زین کسا ہوا اور لگام دیا ہوا براق لایا گیا تو وہ آپ کے پاس شوخی کرنے لگا(154) تو حضرت جبریل نے اس سے کہا: کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا کرتا ہے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) **وقوله : ان رأيت** یہ **مارأيت** کے معنی میں ہے۔

وقوله: ذئب يتكلم . یہ محذوف کی خبر ہے گویا ایک سوال ہوا، کہ وہ کونسی چیز ہے تو جواب میں کہا گیا کہ وہ بھیڑیا ہے جو بول رہا ہے۔

وقوله: في النَخَلَات تینوں پر زبر (فتحہ) ہے، مدینہ کے کھجور کے باغات جو حرتین میں واقع ہیں، حرّتین راء کو تشدید ہے **حرتين**، **حرةٌ** کا تثنیہ ہے۔ مدینہ منورہ کے پہاڑوں میں ہے، دو پہاڑوں کے درمیان کالے کالے پتھروں کی زمین ہے۔

وقوله: انها امارات اس کے معنی علامات ہیں۔

وقوله: ان يخرج یعنی اپنے گھر سے نکلے گا۔ (ماخوذ از مرقات)۔

(154)**قوله: فاستصعب عليه.** یعنی براق شوخی کرنے لگا سواری مشکل ہوگئی، **استصعب الامر عليه** (مشکل ہوگیا) یعنی اس کے شوخی کرنے سے اس پر سواری کرنا مشکل ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کے پاس آپ جیسے عزت والے اس سے پہلے کوئی تجھ پر سواری نہیں کیا۔راوی کہتے ہیں کہ وہ پسینہ پسینہ ہوگیا۔(ترمذی)۔

82/7391۔حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم بیت المقدس پہنچے تو حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا(155) تو اس سے پتھر میں سوراخ ڈال دیا پھر اس سے براق کو باندھ دیا۔(ترمذی)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ معجزات کا بیان ختم ہوا۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وقولہ: فارفض. ضاد کو تشدید ہے براق پانی پانی ہوگیا عرقا ترکیب میں تمیز ہے،مطلب یہ ہے کہ شرمندگی کے مارے اس سے پسینہ بہنے لگا اس کے مچلنے کی وجہ خوشی کے مارے پسینہ جاری ہوا اور خیال ہوا کہ اس پر سواری کرنا مشکل ہے۔(ماخوذ از: مرقات)۔

(155)قولہ: قال جبرئیل باصبعہ. یعنی انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا اور خرق کا فاعل حضرت جبریل ہیں،ھا ضمیر کا مرجع اشارہ ہے اور شدکا فاعل جبریل ہیں یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بہ: یعنی اس پتھر سے براق کو باندھا۔علامہ طیبی کہتے ہیں اگر تو یہ سوال کرے کہ اس کے درمیان اور حضرت انس کی حدیث کے درمیان کہ میں اس حلقہ سے باندھا جس سے انبیاء علیہم السلام باندھتے تھے دونوں میں کیسے تطبیق ہوگی؟ تو میں جواب دیتا ہوں کہ حلقہ سے مراد وہ جگہ ہو جس میں حلقہ تھا اور وہ بند ہوگیا تھا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے اس میں سوراخ ڈالا۔(مرقات)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

24/257 بَابُ الْكَرَامَاتِ

کرامتوں(1) کا بیان

1/7392 ۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اُسید بن حضیر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہایت تاریک رات میں اپنی ایک ضرورت کے بارے میں گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ رات کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے اور واپس جارہے تھے (2) ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا عصا تھا پس اچانک ایک کا عصا دونوں کے لئے روشن ہوگیا اور وہ دونوں اس کی روشنی میں چلنے لگے یہاں تک کہ جب ان کے راستے الگ ہوگئے، تو دوسرے صحابی کے لئے

---

(1) قولہ: الكرامات جمع كرامة. (لفظ کرامات کرامۃ کی جمع ہے) اکرام وتکریم کا اسم مصدر ہے۔ ''کرامت'' ایک ایسے فعل کو کہتے ہیں جو خلاف عادت ہو، اور اس کے ساتھ کسی قسم کا چیلنج نہ ہو، اہل سنت وجماعت کرامات کو حق مانتے ہیں اور فرقہ معتزلہ اس کا انکار کرتا ہے، کرامات کے اثبات کے لئے اہل سنت وجماعت حضرت مریم علیہا السلام کے بغیر شوہر کے حاملہ ہونے اور بغیر کسی ظاہری سبب کے ان کو رزق حاصل ہونے کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور اصحاب کہف کا غار میں تین سو سال بلکہ اس سے زیادہ نیند کی حالت بغیر کسی آفت کے زندہ رہنا اس کی ایک کھلی دلیل ہے، اور اسی طرح آصف بن برخیا کا عرشِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کرنا بھی اس کی ایک واضح دلیل ہے۔ اب رہا معتزلہ کا معاملہ تو کرامت کی بابت وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی ولی کے حق میں خلاف عادت کام یعنی کرامت کا ظاہر ہونا جائز ہوتو وہ نبوت پر دلیل بننے سے خارج ہوجائیگا، اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ معجزہ کرامت سے الگ ہے، کیونکہ معجزہ میں دعوی ضروری ہے اور کرامت میں دعوی کی ضرورت نہیں بلکہ حقیقی بات تو یہ ہے کہ ہر ولی کی کرامت ان کے نبی کا معجزہ ہے کیونکہ یہ اپنے متبوع کی حقانیت پر دلالت کرتا ہے۔ (مرقات)۔

(2) قولہ: ینقلبَانِ. یعنی ان دونوں کے لوٹنے کی حالت میں۔

ان کا عصا بھی روشن ہوگیا، پس وہ دونوں اپنے اپنے عصا کی روشنی میں چلتے رہے یہاں تک کہ اپنے لوگوں تک پہنچ گئے۔(بخاری)۔

2/7393۔حضرت ابن منکدر رسے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم کی سرزمین میں اپنے لشکر سے (3) الگ ہوگئے یا قیدی بنالئے گئے پس وہ اپنے لشکر کو تلاش کرنے کی خاطر بھاگتے ہوئے نکلے، اچانک ان کا سامنا ایک شیر سے ہوا، پس انہوں نے شیر سے کہا: اے ابوالحارث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزادہ کردہ غلام ہوں اور میرا معاملہ ایسا ایسا ہے، پس شیر دم ہلاتا ہوا سامنے آیا اور آپ کے بازو میں آکر کھڑا ہوگیا، جب کبھی کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف جاتا پھر آکر آپ کے ساتھ چلنے لگتا یہاں تک کہ وہ لشکر تک پہنچ گئے پھر شیر لوٹ گیا۔(شرح السنہ)۔

3/7394۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لشکر روانہ (4) فرمایا اور اس (لشکر) پر ایک شخص کو سپہ سالار بنایا جن کو ساریہ بلایا

---

(3) قولہ: أخطأ الجیش. یعنی اپنا راستہ بھٹک گئے فوج تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔
وقولہ: ''أو أسر'' یا قیدی بنالئے گئے، راوی کو اس میں شک ہے۔
وقولہ: یَا أَبَاالْحَارِثُ. ابوالحارث شیر کی کنیت ہے۔
وقولہ: کیت وکیت. یہ نیا جملہ ہے اس میں اپنا راستہ بھٹکنے کا ذکر ہے یا اس لئے کہ وہ ان کا بہترین رفیق بن کر ان کی خدمت میں رہے۔
وقولہ: فاقبل الأسد له بصبصة. (شیر دم ہلاتا ہوا آپ کی طرف بڑھا) یعنی شیر کا دم ہلانا کتے کا اپنے مالک کی وفاداری اور فرمانبرداری میں دم ہلانے کی طرح تھا، اور یہ جملہ حالیہ ہے، اور نہایہ میں ہے کہ کتا اپنی دم ہلاتا ہے توبصبص الکلب بذنبه بولتے ہیں۔اور وہ ایسا صرف لالچ یا پھر خوف میں کرتا ہے، حتی قام یہاں تک کہ شیر آپ کے پہلو میں آکھڑا ہوا اور جب کبھی شیر کوئی آواز سنتا تو اس کی طرف لپک پڑتا تاکہ اگر کوئی تکلیف دہ چیز کی آواز ہے تو اس کو ہٹادے۔(مرقات)۔
(4) قولہ: بعث جیشا. (لشکر روانہ کیا) یعنی نہاوند، نون کو زبر، زیر اور پیش تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں، شہر کی جانب بھیجا جو جبل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے اور یہ ہمدان کے جنوبی علاقہ میں واقع ہے۔

جا تا تھا پس ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطاب فرمارہے تھے اسی دوران آپ اچانک بلند آواز سے ندا دینے لگے ''اے ساریہ پہاڑ'' پس لشکر کا ایک قاصد آیا اور کہا کہ یا امیر المؤمنین ہمارا دشمن ہمارے پاس آ گیا تھا اور ہم کو بھگا دیا تھا، پس اچانک ایک ندا دینے والے نے کہا ''اے ساریہ پہاڑ'' سو ہم نے اپنی پیٹھوں کو پہاڑ کی طرف کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی۔(دلائل النبوۃ)۔

اور صاحب درمختار نے کہا کہ خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے سوائے نیکی کی بات کے، کیونکہ یہ (نیکی کی بات) بھی خطبہ کا ایک حصہ ہے۔

4/7395۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ جب جنگ(5) احد کا وقت آیا تو میرے والد نے مجھے رات میں بلایا اور کہا میں یہ سمجھتا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وقولہ: فبینما عمر یخطب (حضرت عمر خطبہ دے رہے تھے) یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر صحابہ وتابعین کی موجودگی میں خطبہ ارشاد فرمارہے تھے جن میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے سو یہ ایک بڑی عظیم کرامت ہے، جو آپ کی شان عظمت اور عظیم فضیلت اور صحت خلافت پر دلالت کرنے والی ہے۔وقولہ: یا ساری (اے ساریہ) یہ(کلمہ) ساریۃ الجبل سے منادی مرخم ہے، حالت نصب میں ہے یعنی پہاڑ کی کو لازم کرلو اور اس کو اپنی پیٹھ کی طرف کردو۔

وقولہ: فھزمونا. یعنی پہلے وہ ہم پر غالب آئے۔

وقولہ: فھزمھم اللہ (اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی) اس حدیث مبارک میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کئی کراماتوں کا بیان ہے۔(1) میدان جنگ کو دیکھا (2) وہاں تک آپ کی آواز کا پہنچانا، (3) ان میں سے ہر ایک کا آپ کی آواز سننا اور (4) آپ کی برکت سے ان کے لئے مدد اور کامیابی کا ہونا۔

(5) قولہ :لما حضر أحد. یعنی جب احد کی جنگ ہوئی۔وقولہ: غیر نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم. (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے علاوہ) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں۔وقولہ: واستوص بأخواتک یعنی اپنی بہنوں کے بارے میں میری وصیت قبول کرو اور وہ نو تھیں، اور خیرًا کو نصب (زبر) مصدر یعنی مفعول مطلق کی بنا پر ہے۔ استیصاء خیر یعنی ان کے ساتھ خوب بھلائی کرنا۔ (مرقات)۔

کے صحابہ میں جو شہید ہوں گے، ان میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا، اور میں اپنے پیچھے تم سے زیادہ کوئی عزیز شخص نہیں چھوڑ رہا ہوں، سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے، اور مجھ پر کچھ قرض ہے سو تم اسے ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ بھلائی کرنا، سو جب ہم نے صبح کی تو سب سے پہلے شہید ہونے والے وہی تھے، میں نے انہیں (6) ایک اور دوسرے شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا (بخاری)۔

اور صاحب ردالمحتار نے کہا کہ صرف ضرورت کے وقت ہی دو میتوں کو ایک قبر میں دفن کیا جا سکتا ہے، یہ ابتداء کی بات ہے اور بعد میں اسی طرح ہوا۔

5/7396۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ اصحاب صفہ چند فقیر (غریب) لوگ تھے (7) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کسی

---

(6) قولہ : دفنتہ مع آخر فی قبر . (میں نے ان کو ایک دوسرے شخص کے ساتھ ایک قبر میں دفن کیا) علامہ ابن الملک نے فرمایا: اس (روایت) میں قبر میں دو حضرات کو دفن کرنے کے جائز ہونے پر دلیل ہے۔ (انتہی)۔ اور راجح بات یہ ہے کہ ایسا کرنا صرف ضرورت کے وقت ہی جائز ہے۔ (مرقات)۔

(7) قولہ :ان اصحاب الصفة کانوا أناسا فقراء. (اصحاب صفہ غریب لوگ تھے) یعنی وہ حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے پھر ان میں سے مشہور صحابہ جن کا ذکر حافظ ابونُعَیم نے حلیۃ الاولیاء میں کیا ہے وہ یہ ہیں: حضرت ابوذر غفاری، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سلمان فارسی، حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت ابوہریرہ حضرت خباب بن ارت، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت ابوسعید خدری، حضرت بشیر بن الخصاصیہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابومویہبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ کئی صحابہ ہیں اور انہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا: ''وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَهٗ ''۔(18۔سورۃ الکھف، آیت نمبر:28) اصحاب صفہ کا چبوترہ مسجد نبوی میں ہے اس کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے بنائی گئی اور یہ فقراء اس سائبان کو اپنا گھر بنا لیتے اور اسی میں رات گذارتے، اس لئے ان کی نسبت اس چبوترہ کی طرف کردی گئی، اور جب کبھی کوئی مدینہ منورہ کو حاضر ہوتا اور وہاں اگر اس کا کوئی واقف کار ہوتا تو وہ اپنے واقف کار کے پاس چلا جاتا اور اگر کوئی واقف کار نہ ہوتا تو وہ شخص اس صفہ کو آجاتا۔ (مرقات) اور صاحب لمعات نے کہا کہ یہ چبوترہ مسجد نبوی کا متصل سائبان تھا اس میں وہ لوگ رات گزارتے تھے اور یہ لوگ

کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کسی کے پاس چار کا کھانا (8) ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین کو لے کر آئے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دس لوگوں کو لے کر گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات کا کھانا کھائے پھر کچھ دیر ٹھیرے رہے تا آنکہ عشاء کی نماز ادا کی گئی پھر وہ واپس (9) آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا تناول فرمایا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے گھر) پہنچے جبکہ اللہ نے جتنا چاہا رات کا اتنا حصہ گزر گیا تھا، آپ سے ان کی اہلیہ نے پوچھا آپ کو کس چیز نے اپنے مہمانوں سے روکے رکھا، انہوں نے فرمایا:

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اسلام کے مہمان اور متوکل علی اللہ تھے نہ ان کے کچھ مال تھا نہ بال بچے نہ گھر دار تھا اور ان کی تعداد (70) تھی اور کبھی کم بھی ہوتے اور کبھی زیادہ بھی ہو جاتے تھے۔

(8) **قولہ فلیذھب بخامس.** (پس چاہئے کہ وہ پانچویں کو لے جائے) اگر اس کے پاس اس قدر نہیں ہے کہ اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں، أو سادس اور چھٹے کو لے جائے اگر اس کے پاس زیادہ گنجائش ہے۔ أو یہاں پر تنویع کیلئے ہے یا تخییر کے لئے، اور اس بات کا احتمال ہے کہ شک کے لئے ہو سکتا ہے، یا بَــلْ کے معنی میں ہو جو ضیافت کے باب میں مبالغہ کیلئے ہے۔

(9) **قولہ : ثم رجع فلبث حتی تعشی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم.** (پھر وہ لوٹے اور ٹہر گئے یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کا کھانا تناول فرمائے) اور ایک روایت میں رجع کے بدل میں ثم رکع آیا یعنی نفل نماز ادا کئے، یہ بات علامہ کرمانی نے بیان فرمائی، اگر تم یہ سوال کرو کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانا کھانا آپ کے پاس لوٹنے کے بعد تھا اور جو بات گزری ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کھانا کھانا اس سے پہلے ہوا ہے تو میں کہتا ہوں کہ پہلی بات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت کا بیان ہے کہ گھر والوں کے پاس کھانا تناول کرنے کی آپ کو ضرورت لاحق نہیں ہوئی اور دوسری بات میں واقعہ کو ترتیب کے مطابق ذکر ہے۔ یا پھر پہلی بات حضرت ابوبکر کے کھانا تناول فرمانے کے بارے میں ہے، اور دوسری بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا تناول کرنے کے بارے میں ہے۔ (مرقات)۔

اور حاصل کلام یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کو لوٹنے میں تاخیر کی تو آپ کی اہلیہ نے آپ سے یہ کہا الخ....

کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا؟ اہلیہ نے کہا انہوں نے آپ کے آنے تک کھانے سے انکار کردیا پس آپ غصہ ہوگئے اور کہا خدا کی قسم میں یہ نہیں کھاؤں گا سو (آپ کی) اہلیہ نے بھی قسم کھائی کہ وہ بھی اس کھانے کو نہیں کھائے گی اور مہمانوں نے بھی اس (کھانے) کو نہ کھانے کی قسم کھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ عمل شیطان کی طرف سے ہوا ہے پس آپ نے کھانا منگوایا پھر آپ اور مہمانوں نے (10) اسے کھالیا پس وہ کوئی لقمہ نہیں اٹھاتے تھے (11) مگر اس کے نیچے سے اس سے زیادہ بڑھ جاتا تھا، تو آپ نے اپنی اہلیہ سے کہا (12) اے بنی فراس والی یہ کیا ہے وہ بولیں اے میرے

(10) قولہ : فاکل واکلوا. حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھانا نہ کھانے کی قسم کے باوجود جو کھائے اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے "من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا مِّنھَا فلیأت الذی ھو خیر ،ولیکفر عن یمینہ" ۔ (جو کوئی شخص کسی شئے پر قسم کھائے اور اس کے بعد اس سے بہتر چیز پائے تو چاہئے کہ وہ اس بہتر چیز کو اختیار کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث کی وجہ سے آپ نے اُس سے بہتر شئے کو اختیار فرمایا۔ (لمعات ومرقات)۔

(11) قولہ : فجعلوا. یعنی حضرت ابوبکر اور ان کے مہمان پلیٹ سے ایک لقمہ نہیں اٹھاتے تھے مگر وہاں لقمہ اور زیادہ ہوجاتا تھا نیچے سے یعنی جس جگہ سے لیا گیا تھا وہاں اس لقمہ سے زیادہ بڑھ کر آجاتا تھا۔ لفظ ''اَکْثَرَ'' اکثر نسخوں میں زبر (فتحہ) ہے اور ایک نسخہ میں پیش ''اَکْثَـــــرُ'' ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا: پیالہ میں نیچے سے بہت زیادہ بڑھ جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے لفظ اکثر پر مفعول مطلق کی صفت ہونے کی وجہ سے زبر (نصب) ہے۔ اور اس پر رفع (پیش) کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہو، یعنی ھی اکثر منھا، پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ 'ربت ' کی یعنی بڑھنے کی نسبت پیالہ کی طرف مجازی ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس کو مجاز اس لئے کہا گیا ہے کہ پیالہ نہیں بڑھتا تھا بلکہ پیالہ میں کا کھانا بڑھتا تھا لیکن راجح بات یہ ہے کہ اس کی نسبت لقمہ کی طرف بطور بدلیت ہے۔ (مرقات)۔

(12) قولہ : لامرأتہ. یہ ام رومان ہیں، جو حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی والدہ ہیں، اور بنی فراس بن تیم بن مالک بن نضر بن کنانہ قبیلہ کی ہیں اور علامہ تورپشتی نے فرمایا کہ نضر بن کنانہ سے جو بھی نسبت رکھتے ہیں وہ سب قریش ہیں۔ (مرقات)۔

آنکھ کی ٹھنڈک (13) کی قسم یقیناً یہ (14) پہلے سے تین گنا زیادہ ہے پس وہ سب کھائے اور اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیئے، بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)۔

6/7397۔حضرت ابوخلدہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں ابوالعالیہ سے پوچھا: کیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے (15) ہیں تو انہوں نے (جواباً) کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کئے ہیں اور ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے ان کا ایک باغ تھا جو ایک سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس میں ایسی گھانس تھی جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ (ترمذی)۔

7/7398۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرمائیں جب نجاشی کا

---

(13) قوله : وقرّةَ عيني. علامہ ابن ملک نے فرمایا قرۃ پر کسرہ ہے واؤ قسم کا ہے اور زبر (نصب) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ منادی ہوگا اور حرف نداء محذوف ہے اور اس سے مراد حضرت صدیق ہیں یا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (ماخوذ از: مرقات ولمعات)۔

(14) قوله : انها .'ھا' ضمیر کا مرجع قصعہ پیالہ ہے، اور مراد اس سے اس وقت اس میں کا موجود کھانا ہے۔ (مرقات)۔

(15) قوله : سمع انس. (کیا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا ہے) اس میں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد بعض حضرات کو اس بارے میں تردد ہو گیا تھا۔

وقوله خدمه. یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی اور اس وقت ان کی عمر دس سال تھی ودعا له النبی صلی الله علیه وسلم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عمر ''اولاد'' اور مال میں برکت کی دعا دی اور آپ شہر بصرہ میں سب سے آخری صحابی ہیں۔ 91ھ میں انتقال ہوا، اس وقت آپ کی عمر ایک سو تین (103) سال تھی۔ کہا جاتا ہے آپ کے ایک سولڑکے تھے۔ (یہاں) جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس کا یہ مرتبہ ہو اور اس قدر ان کی صحبت اور طویل عرصہ تک خدمت کرنا نصیب ہو تو وہ کیسے (احادیث) نہیں سنیں گے اور کیسے روایت نہیں کریں گے۔ (ماخوذ از: مرقات)۔

انتقال ہوا تو ہم یہ گفتگو کرتے رہتے تھے کہ ان کی قبر پر ہمیشہ نور دکھائی دیتا ہے۔(ابوداوٗد)۔

8/7399۔نُبیہہ بن وہب سے روایت ہے کہ حضرت کعب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس داخل ہوئے اور اہل مجلس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا(16) تو حضرت کعب نے فرمایا کوئی دن نہیں طلوع ہوتا مگر ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر اپنے پروں کو پھیلاتے ہوئے گھیر لیتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں یہاں تک کہ جب شام کرتے ہیں تو وہ اوپر چلے جاتے ہیں اور ان کے مثل دوسرے اترتے ہیں اور وہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں یہاں تک کہ جب آپ کی قبر شریف کھل جائے گی تو آپ ستر ہزار فرشتوں میں برآمد ہوں گے جو آپ کو اپنے جلو میں لے کر چلیں گے(17)۔(دارمی)۔

9/7400۔حضرت ابوالجوزاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: اہل مدینہ پر سخت قحط آ گیا اور لوگ حضرت عائشہ کے پاس اس کی شکایت لے کر گئے تو آپ فرمائیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کو دیکھو اور اس کے مقابل آسمان کی طرف ایک رَوْزن (روشن دان) بنادو(18)

---

(16) قوله : فذكروا. اہل مجلس نے ذکر کیا۔ وقوله: فقال كعب. یہ بات حضرت کعب پر منکشف تھی اور یہ حضرت کعب کی کرامت ہے۔

وقوله: ما من يوم يطلع. لام کو پیش ہے، یعنی فجر طلوع ہوتی یا سورج طلوع ہوتا۔

وقوله: يحفّوا. حاء پھر فاء ہے اور فاء پر تشدید ہے، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے اطراف گھیر لیتے ہے اور آپ کے اطراف سے اور آپ کے اوپر سے اڑ کر آپ کی برکت اور آپ کا قرب اور نور حاصل کرنے کے لئے اپنے پروں کو پھیلاتے ہیں۔(ماخوذ از: مرقات)۔

(17) قوله : يزِفون. زاء کو زیر (کسرہ) کے ساتھ بھی ہے، اور' زف' باب ضرب سے ہے، معنی: تیز چلنا۔' زف البعير' کے معنی ہیں اونٹ تیز چلا۔اس میں حذف وایصال ہے یعنی آپ کو لیکر آپ کے جلو میں تیز چلتے ہیں اور زاء کو پیش "يزُفون" بھی ہے، باب نصر سے زف العروس الى زوجها زفا وزفافا یعنی دلہن کو دولہے تک پہنچانا۔اس میں ایک لطیف استعارہ ہے یعنی محبوب کو اپنے حبیب تک پہنچایا۔(لمعات)۔

(18) قوله : كَوى. کاف کو زبر (فتحہ) ہے اور پیش "كُوى" سے بھی پڑھا جاتا ہے۔مُعرب میں ہے:'الكوة' گھر

یہاں تک کہ آپ کے اورآسمان کے درمیان چھت نہ رہے وہ ایسا ہی کئے تو ان پرخوب بارش برسی (19) حتیٰ کہ ہریالی اُگی اوراونٹ موٹے ہوگئے یہاں تک کہ چربی سے ان کے جسم پھٹ گئے اوراس سال کا نام عام الفتق رکھا گیا۔(دارمی)۔

10/7401۔حضرت سعید بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا حرہ کے دنوں میں (20) مسجد نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں (21) تین دن تک نہ اذان ہوئی اورنہ اقامت

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کا سوراخ اس کی جمع کوی ہے اورکبھی واحد وجمع دونوں میں کاف کو پیش سے بھی پڑھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرشریف کے مقابل چھت میں متعدد دَرُوزن بنادو۔(مرقات)۔

(19) **قولہ : فمطروا.** نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرشریف کےاوپرکھول دینے کی حکمت سے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ جب آسمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرشریف کودیکھا تو رونے لگا اوراس کے رونے سے وادی بہنے لگے گی۔ اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:''فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ''۔(44۔سورۃ الدخان،آیت نمبر:29)۔ان پرآسمان وزمین میں کوئی نہیں روئے یہ کفار کی حالت کا بیان ہے جو نیک لوگوں کی حالت کے برخلاف ہے ۔ نیز یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط سالی کے زمانہ میں وسیلہ لیا جاتا تھااورآسمان بارش برساتا تھا۔اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کی قبرشریف کوکھولنے کاحکم فرمایا تا کہ وسیلہ میں مبالغہ ہو،آپ کےاورآسمان کے درمیان کوئی حجاب نہ رہے۔(لمعات)۔

(20) **قولہ : ایام الحرۃ.** حاءکوزبر(فتحہ)اورراءکوتشدید ہے۔تاریخ اسلام میں یہ دن یزید بن معاویہ کے زمانہ کا مشہور دن ہے۔اہل شام کے لشکر نے مدینہ منورہ کوجب لوٹ لیا تھا تو اس نے لشکر کواہل مدینہ منورہ میں صحابہ اور تابعین سے جنگ کرنے کاحکم دیا تھااورمسلم بن عیینہ مری کولشکر کاامیر بنایا تھااور یہ واقعہ ماہ ذوالحجہ 63 ترسٹھ ہجری کا ہے۔اس(حملہ)کے بعد یزید ہلاک ہوگیا۔اور یہ حرہ مدینہ منورہ کا علاقہ ہے،اس میں بکثرت کالے کالے پتھر ہیں اسی مقام میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔(مرقات)۔

(21) **قولہ : ثلاثا.** یعنی تین رات دن۔

وقولہ: لم یبرَح. راءکوزبر ہے یعنی حضرت سعید بن مسیّب مسجد نبوی کونہیں چھوڑے یہاں تک کہ لوگ ان کے بارے میں بولتے تھے یہ دیوانہ ہیں۔مؤلف کہتا ہے کہ وہ سیدالتابعین ہیں وہ فقہ اورحدیث شریف اورزہد وورع اورعبادت کے جامع ہیں۔

وقولہ: بھمھمۃ . ایسی آہستہ آواز جو پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی تھی۔(ماخوذ از:مرقات)۔

کہی گئی اور حضرت سعید بن مسیّب مسجد سے نہیں ہٹے اور وہ نماز کا وقت نہیں معلوم کرتے تھے مگر یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے بھنبھناہٹ سنتے۔ (دارمی)۔

11/7402۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرمایا: جب (صحابہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کئے تو بولے معلوم نہیں غسل کے لئے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتاریں جیسے ہمارے اموات کے اتارتے ہیں یا آپ کو آپ کے کپڑوں سمیت غسل دیں (22) پس جب وہ آپس میں اختلاف کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری فرمادی؛ یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کی تھوڑی اس کے سینہ میں جھک گئی تھی پھر گھر کے کنارے سے کسی کہنے والے نے ان سے کہا کیا لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہیں تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے کپڑوں پر سے غسل دو (23) پھر وہ اٹھے اور آپ کے اوپر قمیص رہی اور قمیص کے اوپر سے ہی پانی ڈالے اور قمیص پر سے ہی ہاتھ پھیرتے رہے۔ (دلائل النبوۃ)۔

---

(22) **وعلیه ثیابه**. یہ جملہ حالیہ ہے مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات قیاس کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کپڑے اتار کر غسل دینا چاہئے اور بعض حضرات فرما رہے تھے کپڑے نہ اتاریں بہرحال کپڑوں کے ساتھ غسل دینا آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

وقوله لا یدرون من هو. یہ متکلم کی صفت ہے یعنی کہنے والے کون صاحب ہیں معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ (مرقات)۔

(23) **قوله : اغسلوا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وعلیه ثیابه**. یہ کلمهم کا بیان ہے اور حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میت کو قمیص کے ساتھ غسل دینا مستحب ہے، ابن ملک نے اس کو ذکر کیا ہے۔ مگر یہ باب قابل غور ہے کیونکہ اس سے صرف اس کا جائز ہونا معلوم ہوتا ہے یا یہ کہ وہ آپ کی خصوصیات سے ہے کیونکہ فقہ میں اس کے مستحب ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ اور امام ابن ہمام نے فرمایا صحابہ نے ذکر کیا ہے کہ جس قمیص میں آپ کا وصال ہوا اسی میں آپ کو غسل دیا گیا۔ اور اب رہا یہ کہ اس بھیگی ہوئی قمیص کے اوپر سے آپ کو کفن کیسے پہنایا جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ آپ کو بھیگی ہوئی قمیص پر انہوں نے کفن پہنا دیا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے ستر عورت کا اہتمام کیا گیا پھر آپ کی قمیص نکالی گئی ہو پھر آپ کو کفن میں قمیص پہنائی گئی ہو۔ (**واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم**)۔ (مرقات)۔

اور صاحب درمختار نے فرمایا میت کے انتقال کے ساتھ ہی اس کے کپڑے اتار دیئے جائیں گے، یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے اور صاحب معراج نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینا تطہیر کے لئے نہیں ہے کیونکہ آپ حیات وممات ہر دو حالت میں پاک ہی پاک ہیں۔

12/7403۔حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سعید بن (24) زید بن عمرو بن نفیل کے خلاف اروی بنت اوس نے مروان بن حکم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ آپ نے اس کی زمین کا کچھ حصہ لے لیا ہے تو حضرت سعید نے فرمایا کیا میں اس کی زمین سے کچھ لوں گا جب کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو اس نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم سے کیا سنے ہیں فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہوں: جو کوئی شخص ظلماً ایک بالشت بھر زمین بھی لے لے تو اس کو سات (طبق) زمین کا طوق ڈالا جائے گا(25)، تو مروان نے کہا میں اس کے بعد تم سے دلیل نہیں پوچھتا(26)، تو حضرت سعید نے فرمایا: اے اللہ! اگر یہ جھوٹی

---

(24) **سعید بن زید.** آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

وقولہ: خاصمتہٗ اَرْوٰی. ہمزہ کو زبر (فتحہ) اور واو پر الف مقصورہ ہے یعنی اس خاتون نے ان کو مقدمہ میں مروان کے پاس لے گئی، **الی مروان ابن الحکم** .مؤلف مشکوٰۃ نے فرمایا اس کی کنیت ابوعبداللہ قرشی اموی ہے یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا دادا ہے، اور مدینہ منورہ کا گورنر رہا ہے۔ **وقولہ: وادعت.** یعنی اروی نے دعوی کیا کہ حضرت سعید نے ان کی زمین کا کچھ حصہ ظلم سے لے لیا ہے۔(ماخوذ از: مرقات)۔

(25) **قولہ : طوقہ الی سبع ارضین.** اس حدیث شریف میں زمین کے سات طبق ہونے کی صراحت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ''۔(65۔سورۃ الطلاق، آیت نمبر:12) کے موافق ہے اور جس شخص نے یہ کہا کہ اس سے سات اقالیم مراد ہیں اس کو وہم ہوگیا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ظالم کو ہر اقلیم سے ایک بالشت کا طوق نہیں ڈالا جاتا، برخلاف طبق والی زمین کے کیونکہ وہ اس بالشت بھر زمین کے تابع ہے۔(مرقات)۔

(26) **قولہ : لا اسألک بینۃ بعد ھذا.** یعنی تمہارے اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد (میں کوئی دلیل نہیں پوچھوں گا)۔مطلب یہ ہے کہ میں اس معاملہ کی حقیقت سے متعلق تمہاری تصدیق کرتا ہوں کہ تم ظالم نہیں، یا یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ تمہارے اس حدیث کو نقل کرنے سے متعلق میں شک نہیں کرتا اور مزید کسی دوسری روایت کی مجھے ضرورت نہیں کیونکہ تم دو بلکہ دو سے زیادہ راویوں کے مرتبہ میں ہو۔علامہ طیبی نے فرمایا: حضرت سعید جب انکار

ہے تو اس کو اندھی کردے اور اسی کی زمین میں اس کو ماردے (27)، انہوں نے کہا اس کو موت نہیں آئی یہاں تک کہ اس کی بینائی چلی گئی اور اس دوران کہ وہ اپنی زمین میں چل رہی تھی ایک گڑھے میں گرگئی اور مرگئی۔(متفق علیہ)۔

13/7404۔اور امام مسلم کی ایک روایت میں ہے محمد بن زید بن عبداللہ بن عمر سے اسی معنی میں حدیث ہے کہ انہوں نے اس خاتون کو دیکھا کہ وہ اندھی ہوگئی اور چلنے کے لئے دیواروں کا سہارا تلاش کرتی تھی اور کہتی تھی مجھے سعید کی بددعا لگ گئی اور وہ اس کے گھر کے اندر کے اس کنویں کے پاس سے گزر رہی تھی جس کے تعلق سے وہ آپ سے جھگڑا کی تھی پس وہ اس میں گرگئی اور (وہی کنواں) اس کی قبر بن گیا۔(مسلم)۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کرامات کا بیان ختم ہوا۔

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کئے تو خاتون کے ذمہ دلیل دینا لازم ہوگیا، اور جب اس خاتون کے پاس دلیل نہیں تھی تو حضرت سعید پر قسم متوجہ ہوئی تو مروان نے ان کی اس گفتگو کو قسم کے قائم مقام قرار دیا اور فرمایا اس کے بعد میں تم سے دلیل نہیں پوچھوں گا۔اور یہ بات پوشیدہ نہیں دعوی کے بارے میں اس جیسا اعتبار درست نہیں ہے، پس درست بات وہ ہے جسے علامہ کرمانی نے بیان فرمایا کہ حضرت سعید نے اس کیلئے جس کا وہ دعوی کی تھی چھوڑ دیا جیسا کہ حضرت عروہ کا بیان اس کا شاہد ہے۔(مرقات)۔

(27) قولہ : واقتلها في أرضها. یعنی جس (زمین) کے سلسلہ میں وہ مقدمہ ڈالی ہیں اور ایک روایت میں ہے اس کی قبر کو اسی کے گھر میں بنادے، حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مستجاب الدعوات ہیں، جیسا کہ تہذیب میں ہے۔(مرقات)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

25/258 بَابٌ (1)

1/7405۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے اورانہوں نے ہم کوقرآن پڑھانا شروع کیا پھرعمار،بلال اورسعد آئے پھربیس صحابہ کی جماعت میں حضرت عمر تشریف لائے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے (2) اوراہل مدینہ آپ کی تشریف آوری پرجسقدرخوش ہوئے میں نے ان کوکسی اور چیز پرویسا خوش ہوتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو دیکھا یہ کہہ رہے تھے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اورآپ تشریف نہیں لائے یہاں تک کہ میں سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی کواس جیسی مفصل سورتوں میں پڑھ چکا تھا(3)۔ (بخاری)

---

(1) قوله: بَابٌ. یہاں اصل عبارت اس طرح ہے: هٰذَا بَابٌ فِيْ بَيَانِ هِجْرَةِ اَصْحَابِهٖ مِنْ مَّكَّةَ وَبَيَانِ وَفَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ یہ باب آپ کے صحابہ کی مکہ سے ہجرت اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بیان میں ہے۔اورایک نسخہ میں بَابُ مَا يَتَعَلَّقُ بِمَوْتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُقَدِّمَاتِ ہےیعنی یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے مقدمات کا باب ہے۔(مرقات)

(2) ثم جاء النبی صلی الله علیه وسلم . یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے ساتھ تشریف لائے۔ وقوله: في سور یعنی منجملہ سورتوں کے یاان سورتوں کے ساتھ۔وقوله: مثلها یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَى' کے مقدار کے جیسی سورتوں میں۔(ماخوذاز:مرقات)

(3) قوله: حتی قرأت " سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَى" یعنی میں اس کوسیکھ لیا تھا،اس میں مسبب یعنی پڑھنے کاذکر ہے،مگرمراداس سے سبب یعنی سیکھنا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَى مکی سورہ ہے اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس میں 'قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى . وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى' کی آیت صدقہ فطراور اس کے وجوب اورعید کی نماز سے متعلق ہے جو 2 دوہجری میں نازل ہوئی ہے تو ہوسکتا ہےان دوآیات کے سواباقی پوراسورہ مکی ہو،اورراجح بات یہ ہے کہ پوراسورہ یعنی تمام آیتیں مکہ میں نازل ہوئی ہوں اوراس کے بعد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ آیت 'قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى . وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى' سے مراد

2/7406۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حبشی حضرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں اپنے نیزوں سے کرتب دکھائے(4)۔(ابوداؤد)

3/7407۔اور دارمی کی روایت میں ہے:انہوں نے کہا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے میں نے اس دن سے بڑھ کر کوئی خوبصورت اور روشن دن نہیں دیکھا اور جس دن آپ وفات پائے اس دن سے بڑھ کر میں نے کوئی خراب اور تاریک دن نہیں دیکھا۔

4/7408۔اور ترمذی کی روایت میں ہے:انہوں نے کہا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اور جس دن آپ نے وفات پائی اس کی ہر چیز تاریک ہوگئی اور ہم نے مٹی سے اپنے ہاتھ ابھی جھاڑے بھی نہیں تھے ہم ابھی آپ کی تدفین میں تھے کہ اپنے قلوب کو بدلے ہوئے پائے(5)۔(ترمذی)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) صدقہ فطر اور عید کی نماز ہے اور یہ کہ اس آیت میں صرف زکوۃ اور نماز کی ترغیب ہے اس کے بعد سنت نے اسکی مراد کو واضح کیا ہو۔بعض محققین نے اس طرح کی بات بیان فرمایا ہے واللہ اعلم.(مرقات)

(4) قولہ: بِحِرَابِهم. حاء کو کسرہ(زیر) ہے اور یہ حربۃ کی جمع ہے یہ چھوٹا نیزہ ہوتا ہے۔وقولہ: فی روایۃ الترمذی قال. یعنی حضرت انس نے فرمایا وقولہ: کل شیء کو پیش ہے اضاء فعل لازم ہے اور کبھی متعدی بھی مستعمل ہوتا ہے اور من بیانیہ ہے اور وہ کل شیء کا بیان مقدم ہے اور علامہ طیبی نے فرمایا ھا ضمیر کا مرجع مدینہ منورہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روشن ہونا بالکل محسوس تھا۔وقولہ: اظلم منھا کل شیء مدینہ منورہ کا خاص ذکر صرف اس لئے ہے کہ دیکھنے والے سے وہ قریب ہے۔اور راوی کے اس کو دیکھنے کی نسبت سے اس کا ذکر زیادہ مناسب ہے۔(ماخوذ از:مرقات)

(5) قولہ: حتی انکرنا قلوبَنا."قلوبَنا" انکر کا مفعول ہے۔اس سے ایمانی تصدیق میں فرق مراد نہیں ہے بلکہ نورانیت صفائی قلب کا وجدان جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے حاصل تھا،کیونکہ موجودگی اور غیر موجودگی کی حالت میں تفاوت ہوتا ہے۔(لمعات)

اور صاحب مرقات نے علامہ تورپشتی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ جو صفائی قلب اور نورانیت تھی وحی منقطع ہونے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تائید اور تعلیم ان کو حاصل تھی اس کے ختم ہوجانے کی وجہ

5/7409۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے (6) اور فرمایا کہ اللہ نے ایک بندہ کو دو باتوں کا اختیار دیا ہے ایک تو اس بات کے درمیان کہ وہ بندہ دنیا کی جتنی بہاریں چاہے گا اس کو عطاء کرے گا اور ان نعمتوں کے درمیان جو اس کے پاس ہیں تو بندہ نے اس کو اختیار کر لیا جو اس کے پاس ہے حضرت ابوبکر رونے لگے عرض کیا آپ پر ہمارے ماں باپ قربان تو ہم نے ان پر تعجب کیا لوگوں نے کہا ان بزرگ کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اس کو اللہ نے اس بات کے درمیان اختیار دیا ہے کہ اس کو دنیا کی بہار عطا کرے اور اس بات کے درمیان کہ وہ نعمتیں عطاء کرے جو اس کے پاس ہیں تو یہ کہہ رہے ہیں آپ پر ہمارے ماں باپ قربان بعد میں پتہ چلا کہ وہ بندہ جن کو اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور حضرت ابوبکر ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (متفق علیہ)

6/7410۔ اور ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض کے زمانہ میں جس میں آپ وفات پائے ہم مسجد میں تھے اپنے سر اقدس پر کپڑے سے پٹی باندھے ہوئے

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) سے ان کے دلوں نے اس صفائی قلب ونورانیت کو نہیں پایا۔ اس سے ایمانی تصدیق جو ان کو حاصل تھی وہ مراد نہیں ہے۔ (مرقات)

(6) **جلس علی المنبر**۔ یہ آپ کی بیماری کے زمانہ کا واقعہ ہے جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ **وقولہ: ما شاء** اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بندہ جسقدر طویل عمر اور جتنے دن دنیا میں رہنا اور اس سے جسقدر فائدہ اٹھانا چاہے گا اس کو عطاء کیا جائیگا۔ **وقولہ: فبکی ابوبکر** یہ رونا ان کی کمال سمجھ اور کامل ادراک کی وجہ سے ہے وہ جان گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ رہے ہیں۔ **وقولہ: فعجبنا لہ**۔ تو ہم کو تعجب ہوا کہ اس پر حضرت ابوبکر اپنے ماں باپ قربان کر رہے ہیں حالانکہ یہاں اس کی ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل یہ حضرات وہ بات نہیں سمجھ سکے جو آپ سمجھے تھے۔ **وقولہ: فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھو المخیر**۔ اس کو نصب ہے، اور ھو ضمیر فصل ہے مطلب یہ ہے کہ آخر کار ہم کو اس کے بعد پتہ چلا کہ وہ بندہ جن کو اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (ماخوذ از مرقات)

ہمارے پاس تشریف لائے یہاں تک کہ آپ منبر کی طرف ارادہ فرمائے (7) اوراس پر رونق افروز ہوئے ہم آپ کے پیچھے چلے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں اپنے اس مقام سے حوض کو دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے فرمایا ایک بندے پر دنیا اوراس کی زینت پیش کی گئی تو اس نے آخرت کو اختیار کرلیا۔راوی نے کہا اس کو ابوبکر کے سوا کسی نے نہیں سمجھا اوران کی آنکھیں بہنے لگیں اور وہ روئے پھر کہا یارسول اللہ ہم آپ پر اپنے باپ کو اپنی ماؤں کو اپنی جانوں کو اور اپنے مال ودولت کو قربان کرتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر آئے آج کی اس گھڑی تک پھر اس پر نہیں چڑھے۔(دارمی)

7/7411۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرمائیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی ہوں نہیں ہے کوئی نبی جو بیمار ہوں مگر ان کو دنیا اورآخرت میں اختیار دیا جاتا ہے،اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس مرض میں (8) جس میں آپ وفات پائے کھانسی کا ٹھسکا آیا پھر میں آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنی مع الذین انعمت..ان حضرات کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا نبیوں اورصدیقین شہداء اورصالحین کے ساتھ تو میں سمجھ گئی کہ آپ کو اختیار دے دیا گیا ہے۔(متفق علیہ)

---

(7) قوله: اهوى. اس کے معنی قصد ہے۔ وقوله: ذرفت عيناه. یعنی حضرت ابوبکر کے آنسو بہنے لگے ثم قال بل نفديک بآبائنا وامهاتنا وانفسنا واموالنا. اموال سے مراد ہمارے بچے اور ہمارے غلام باندیاں ہر وہ تمام چیزیں جن کو فدا کیا جاسکتا ہے ہر چیز آپ پر قربان۔وقوله: حتى الساعة یعنی اس وقت تک۔علامہ طیبی نے فرمایا حتى جاره ہے اور الساعة سے مراد قیامت ہے یعنی آپ اپنی اس کے بعد کی حیات میں اس پر کھڑے نہیں ہوئے۔(مرقات)

(8) قوله: وكان في شكواه یعنی اپنی بیماری کے زمانہ میں وقولہ بحۃ با کو پیش اور حاء کو تشدید۔علامہ ابن حجر نے فرمایا یہ وہ سانس ہے جو حلق میں پھنس جاتی ہے اوراس کی وجہ سے آواز بدل جاتی ہے اور بھاری ہوجاتی ہے،اورایک قول یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد ایک کھانسی ہے وقوله مع الذين انعمت عليهم اس کا مطلب میں رفیق اعلی کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ہم کو آخرت میں ان حضرات کے ساتھ رکھے۔(مرقات)

8/7412۔اور انہی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صحت کے زمانے میں فرماتے تھے کسی نبی کو وفات نہیں دی جاتی یہاں تک کہ ان کو جنت کا ٹھکانا دکھا دیا جاتا ہے پھر ان کو اختیار دیا جاتا ہے۔حضرت عائشہ نے فرمایا پس جب آپ پر نزع کی کیفیت طاری ہوئی(9) اور آپ کا سر مبارک میری زانو پر تھا پھر آپ پر غشی طاری ہوئی پھر افاقہ ہوا پھر آپ نے اپنی نگاہ کو چھت کی طرف اٹھایا اور فرمایا اے اللہ میں رفیق اعلیٰ چاہتا ہوں میں بولی اب آپ ہم کو اختیار نہیں کرینگے اور فرمائیں کہ میں پہچان گئی یہ وہی حدیث ہے جو آپ اپنی صحت کے زمانہ میں ہم سے فرماتے تھے اپنے اس ارشاد میں کہ کسی بھی نبی کو اس وقت تک وفات نہیں دی جاتی یہاں تک کہ ان کو جنت میں ان کا مقام دکھا دیا جاتا ہے پھر ان کو اختیار دیا جاتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں آخری کلمہ (10) جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کا یہ ارشاد تھا **اللھم الرفیق الاعلیٰ** اے اللہ میں رفیق اعلیٰ کو اختیار کرلیا۔(متفق علیہ)

9/7413۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے شہداء پر آٹھ سال کے بعد(11) نماز جنازہ پڑھی زندوں کو اور وفات پانے والوں

(9) **قولہ: فلما نزل** یعنی موت کی علامتیں اتر آئیں بہ میں ضمیر کا مرجع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں و **راسہ علی فخذی** ترکیب میں حال ہے اور لما کا جواب **غشی علیہ** ہے یعنی غشی طاری ہوئی۔

وقولہ: وھو صحیح. علامہ طیبی نے فرمایا یہ قول اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو آپ نے اپنی صحت کے حالت میں فرمایا تھا۔

(10) **قولہ: فکان آخر کلمۃ تکلم بھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم** اس میں **قولہ:** کو نصب ہے اور ایک نسخہ میں پیش ہے۔

اللھم الرفیق الاعلیٰ. علامہ سہیلی نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائی حلیمہ کے پاس شیر خواری کے زمانہ میں سب سے پہلا کلمہ جو آپ نے فرمایا وہ **اللّٰہ اکبر** ہے۔علامہ ابن حجر نے اس کا ذکر کیا ہے،اور مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ فرمایا۔(مرقات)

(11) **قولہ: بعد ثمان سنین.** یعنی ان کے دفن کئے جانے کے آٹھ سال بعد۔**وقولہ: کالمودع للاحیاء**

کورخصت کرنے والوں کی طرح پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں تمہارے لئے تم سے پہلے جانے والا اور میں تم پر گواہی دینے والا ہوں تمہارے لئے وعدہ کی جگہ حوض ہے اور میں اس کو اس مقام سے دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطاء کی گئی ہیں اور میں تم پر اس بات کا اندیشہ نہیں کرتا کہ تم میرے بعد شرک کروگے لیکن میں تم پر دنیا کا اندیشہ کرتا ہوں کہ تم اس میں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر رغبت کروگے بعض حضرات نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے پھر تم لڑ پڑوگے اور ہلاک ہوجاؤگے جس طرح تم سے پہلے والے ہلاک ہوئے تھے۔(متفق علیہ)

حضرت ملاعلی قاری نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر نماز جنازہ پڑھی یہ بات

(حاشیہ پچھلے صفحے سے) والامــــوات. آپ زندوں کے درمیان سے آنے اور مردوں کو دعا واستغفار کرنے کی وجہ زندوں ومردوں کو رخصت کرنے والے کی طرح ہوئے۔قولــه: فرط. فاء اور راء دونوں کو فتحہ زبر ہے۔فرط وہ شخص ہے جو قافلہ سے پہلے جاتا اور ان کے لئے ڈول رسی کا انتظام کرتا ہے اور ان کو سیراب کرتا ہے فرط مصدر ہے مگر معنی میں اسم فاعل ہے، جیسے تبع تابع کے معنی میں ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے شفاعت فرمانے والے ہیں کیونکہ وہ پہلے تشریف لے جارہے ہیں، شفاعت کرنے والے جن کی شفاعت کرتے ہیں ان سے پہلے پہنچ جاتے ہیں۔وقوله: انا علیکم شهید. میں تمہارے احوال سے واقف ہوں کیونکہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں یا میں تمہارے لئے گواہ اور تمہاری تعریف کرنے والا ہوں۔وقولـه: وان مـوعدکم قیامت کے دن تمہاری خصوصی شفاعت کے لئے وعدہ کا مقام۔وقولـه: لانظر یعنی اس وقت میں حوض کو دیکھ رہا ہوں وانـا فـی مقامی هذا اور یہ اپنے ظاہری معنی پر ہے میں اس سے اس مقام یعنی منبر شریف پر سے دیکھ رہا ہوں۔آپ پر اس حالت میں یہ چیز ظاہر کردی گئی تھی۔وقوله: وانی قد اعطیت مفاتیح خزائن الارض. یعنی میری امت کے لئے ملک فتح ہوجائیں گے اور زمین کے خزانے کھولدیئے جائیں گے۔وقولـه: ان تنافسوا. اس میں ایک تاء حذف کردی گئی ہے، یعنی تم رغبت کروگے۔علامہ نووی نے فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں کیونکہ اس کے معنی اس بات کی خبر دینا ہے کہ آپ کی امت زمین کے خزانوں کی مالک ہوجائے گی چنانچہ یہ بات ہوکر رہی، اور یہ بھی خبر دینا ہے کہ آپ کی امت مرتد نہیں ہوگی اللہ تعالیٰ نے امت کو اس سے محفوظ رکھا ہے اور یہ بتانا ہے کہ وہ دنیا میں ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کریں گے چنانچہ یہ بھی ہوکر رہا۔(ماخوذ از مرقات)

ظاہر وباہر ہے پس یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے یا شہدائے احد کی خصوصیات میں سے ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا یہاں صلوۃ سے مراد دعا کرنا ہے۔

10/7414۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب (12) سورۂ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ، نزول ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے وفات کی خبر دے دی گئی ہے تو وہ رو پڑیں تو آپ نے فرمایا مت رو تم میرے اہل خاندان میں سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرنے والی ہیں (13)۔ تو وہ ہنس پڑیں، نبی اکرم صلی

---

(12) قوله: لما نزلت "اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ" یعنی جب یہ پورا سورہ نازل ہوا، اس میں اشارہ ہے دین کے کامل ہوجانے کا یعنی جب آپ کو اللہ کی نصرت آجائے تو آپ اپنے رب کی پاکی بیان کرنے میں اور اپنی نعمتوں کے شکر گزاری میں مشغول رہیں کیونکہ آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہوگیا۔ وقوله: نعيت الى نفسی فعل مجہول واحد مونث غائب کا صیغہ ہے یعنی مجھے وفات کی خبر دی گئی ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا نعی میں انہاء کے معنی کی تضمین ہے اور الی جارہ کے ذریعہ متعدی کیا گیا ہے، جیسے تم کہتے ہو احمد اليک فلانا.

وقوله: فرآها بعض ازواج النبی صلی الله عليه وسلم. اس سے مراد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور فقلن صیغہ جمع لایا گیا ہے تو وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعظیم شان کے لئے ہے، یہ بات علامہ طیبی نے بیان کیا ہے اور ہوسکتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دیکھنے میں دوسری ازواج بھی شریک رہی ہوں جیسا کہ بعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جملہ فقلن يا فاطمة رأيناک الخ کے ساتھ لانے سے ظاہر ہے اور ہوسکتا ہو دوسری ازواج کچھ دور تھیں یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو چپکے سے یہ بات فرمایا ہو جیسا کہ دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ وہ اس وقت اس کا جواب دینے سے رکی رہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ بات بتائی۔

(13) قوله: فانک اول أهلي. علامہ اکمل نے فرمایا: راجح بات یہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چھ مہینے حیات رہیں اور ایک قول میں آٹھ مہینے اور ایک قول میں تین مہینے اور ایک قول میں دو مہینے اور ایک قول میں ستر (70) دن ہیں۔ وقوله: جاء اهل اليمن اس کا عطف "جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ" پر ہے اور یہ "وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا" کی تفسیر ہے اور اس بات کی اطلاع ہے کہ اس سورہ میں الناس سے مراد اہل یمن ہیں۔ وقوله: والايمان. يمان اصل میں یمنی ہے اور اس میں جو الف ہے وہ یاء نسبتی کا عوض ہے اور حضور

اللہ علیہ وسلم کے بعض ازواج مطہرات حضرت فاطمہ کو دیکھ لیں اور بولیں اے فاطمہ ہم نے تم کو دیکھا کہ تم روئیں پھر ہنس پڑیں تو فرمائیں آپ نے مجھے بتایا کہ آپ کے وفات کی آپ کو خبر دی گئی ہے تو میں روپڑی تو آپ نے فرمایا مت رو وتم میرے اہل وعیال میں مجھ سے سب سے پہلے ملاقات کرنے والی ہوتو میں ہنس پڑی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ' (اور جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے)۔اور اہل یمن حضرات آ ے وہ بہت نرم دل ہیں اور ایمان یمنی ہے حکمت (14) یمنی ہے۔(دارمی)

11/7415۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس مرض میں وفات پائے اس میں فرماتے تھے اے عائشہ میں مسلسل اس کھانے کی تکلیف محسوس کرتا ہوں جس کو خیبر میں کھایا تھا اور اس (15) وقت میں اس زہر کے اثر سے اپنے شہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو ارشاد فرمایا اس لئے کہ ایمان کا آغاز مکہ سے ہوا اور یہ تہامہ کا حصہ ہے اور تہامہ کا علاقہ سرزمین یمن سے ہے اسی لئے کعبہ کو کعبہ یمانیہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی ایک قول ہے کہ آپ جب تبوک میں تھے اس وقت یہ ارشاد فرمائے تھے اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں تبوک اور یمن کے درمیان میں واقع تھے تو آپ نے یمن کی جانب اشارہ فرمایا۔حضرت شیخ ابوعمر نے فرمایا جیسا کے ظاہر ہے۔یمان سے مراد اہل یمن ہیں اور ایمان کی نسبت ان کی طرف ان کے کمال ایمان کو بتانے کے لئے کی گئی ہے کیونکہ کوئی شخص جب کسی صفت سے متصف ہوتا ہے اور وہ صفت اس میں قوت سے پائی جاتی ہے تو اس صفت کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے اس میں دوسروں سے اس کی نفی مراد نہیں ہوتی اس لئے آپ کے اس قول میں اور **الایمان فی اهل الحجاز** والے قول میں کوئی منافات نہیں ہے۔پھر اس سے اس زمانہ کے اہل توحید مراد ہیں ہر زمانہ کے سارے اہل یمن مراد نہیں ہیں۔(مرقات)

اور صاحب لمعات نے فرمایا **و جاء اهل اليمن الخ** حدیث شریف کا سیاق بتا رہا ہے کہ آپ نے یہ ارشاد اپنے مرض الوفات کے زمانہ میں فرمایا ہے یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ ایک دوسری حدیث ہے جس کو راوی نے اس حدیث میں نقل کی اور سورہ "اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ" کے ذکر کی مناسبت سے داخل کردیا واللہ اعلم۔ (مرقات لمعات)

(14) **قوله: والحكمة** اس سے علم اور عمل کی پختگی مراد ہے۔(مرقات)

(15) **قوله: هذا اوان وجدت.** علامہ طیبی نے فرمایا اوان میں پیش اور زبر (فتحہ) دونوں جائز ہیں۔پیش اس لئے کہ

رگ کے کٹ جانے کو محسوس کرتا ہوں ۔(بخاری)

12/7416۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت آیا(16) گھر میں چند حضرات تھے جن میں عمر بن خطاب بھی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ(17) میں تمہارے لئے ایک ایسا فرمان لکھدوں کہ اس

(حاشیہ صفحہ گذشتہ سے) مبتداء کی خبر ہے اور فتحہ (زبر) اس لئے کہ مبنی کی طرف مضاف ہے میں کہتا ہوں قول مختار فتحہ ہے۔جیسا کہ یوم ولدته اور لیلة اسری به میں گزر چکا ہے۔یعنی میں اس کو اسوقت محسوس کررہا ہوں۔ وقوله: ابهری ہمزہ اور ہا دونوں کو زبر (فتحہ) ہے،اور دونوں کے درمیان باء ہے اس رگ سے دل کا تعلق ہے جب وہ کٹ جائے تو آدمی مرجاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ شہ رگ ہے جو سر سے پاؤں تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کی شریانیں (باریک باریک رگیں) ہیں جو اطراف بدن سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں اور ان میں کی جو رگ سر میں ہوتی ہے اس کو نامہ کہتے ہیں اور یہ حلق تک پھیلی ہوئی ہوتی ہے تو اس کو ورید کہتے ہیں اور جو سینہ تک پھیلی ہوئی ہے اس کو ابھر کہتے ہیں اور پنڈلی تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کو صافن کہتے ہیں ابہر کا ہمزہ زائد ہے۔(مرقات)

(16) قوله: لما حضر رسول الله صلی الله علیه وسلم. صیغہ مجہول ہے یعنی جب آپ کو وفات آئی، یہ بطور مجاز ہے کیونکہ اس کے بعد آپ جمعرات سے دوشنبہ تک رہے اور ایک قول ہے کہ یہ لما حضره هم الموت کے معنی میں ہے یعنی جب آپ کے پاس موت کی علامتیں آئیں۔ وقوله: وفی البیت رجال. یعنی بہت لوگ تھے وفیهم عمر بن الخطاب یہ دو جملے ہیں دونوں حال ہیں جو لما اور اس کے جواب کے درمیان معترضہ ہیں اور لما کا جواب قال النبی صلی الله علیه وسلم ہے۔وقوله: اکتب لکم کتابا. اکتب کو جواب امر ہونے کی وجہ سے جزم ہے۔وقوله: لن تضلوا یہ کتابا کی صفت ہے۔(مرقات)

(17) قوله: هلموا اکتب لکم کتابا الخ. حضرت مولانا مولوی محمد کرامت علی دہلوی رحمہ اللہ نے سیرت محمدیہ میں فرمایا کہ فرقہ امامیہ نے کہا ہے کہ اس واقعہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بہت سے مطاعن (تہمتیں) ہیں۔الاول پہلا یہ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو رد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام وحی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى . اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى . (النجم،آیت نمبر:3/4)اور وحی رد کرنا کفر ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ . (المائدۃ،آیت نمبر:44)جو لوگ فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں(2) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فضول باتوں اور الٹ پلٹ کلام کی نسبت کیا ہے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) حالانکہ انبیاء علیہم السلام اس سے معصوم ہیں ورنہ ان کے اقوال وافعال پر سے اعتماد اٹھ جائیگا (3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آواز بلند کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آواز بلند کرنا حرام ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (49۔الحجرات، آیت نمبر:2) (4) چوتھا یہ کہ آپ نے امت کے حق کو تلف کیا کیونکہ اگر کتاب لکھی جاتی تو امت پریشان نہیں ہوتی تھی اور اسی لئے امت حیران وپریشان ہوگئی اور اصول وفروع میں مختلف ہوگئی۔ان سب کا اجمالی جواب یہ ہے کہ یہ باتیں صرف عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی صادر نہیں ہوئیں بلکہ حاضرین کی دو جماعتیں بن گئیں تھیں۔اور حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دونوں بھی حاضر تھے اگر یہ دونوں حضرات بھی مانعین کی میں سے تھے تو سارے مانعین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ہوئے تب تو ان تمام مطاعن میں وہ دونوں بھی شامل ہوگئے اور اگر وہ دونوں مجوزین یعنی اس کو لانے کیلئے بولنے والوں میں سے تھے تو دوسرے مطاعن مثلاً آواز بلند کرنا وغیرہ۔خصوصاً شدید مرض کے موقعہ پر تو وہ بھی ان مطاعن میں شریک ہوگئے۔ اب رہا مانعین کے روکنے کی وجہ سے امت پریشانی سے دوچار ہوئی تو ان مجوزین حضرات پر واجب تھا کہ اس وقت کاغذ اور دوات لاتے یا اس کے بعد سہی لانا ان پر واجب تھا کیونکہ یہ واقعہ جمعرات کے دن کا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بعد دوشنبہ تک رہے اور اب جب کہ یہ مطاعن سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دوسروں پر بھی وارد ہوتے ہیں اب یہ اعتراض ساقط ہوجاتا ہے، اور مذکورہ چار مطاعن میں سے پہلا طعن سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر بھی عائد ہوتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب ایتونی صیغہ جمع ہے یہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اور اگر یہ حکم فرض تھا تو تمام حاضرین گنہگار ہوگئے اور اگر یہ حکم فرض یا واجب کے درجہ کا نہیں تھا بلکہ ارشاد واستحباب کے درجہ کا تھا تو عمر اور دوسرے کوئی بھی مطعون اور قابل ملامت نہیں ہوئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم جو ارشاد یا صلاح کے درجہ کا ہوتا ہے تو اس پر اجماع ہے کہ اس کے خلاف کرنا گناہ نہیں ہے۔

اب تفصیلی جواب تم کو جو کچھ سنایا جارہا ہے اس کو غور سے سنو۔اب رہا پہلا طعن اس کے ہر قضیہ میں واضح فساد ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد نہیں کیا بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں تھکن اور مشقت کو دور کرکے آپ کی راحت کا خیال فرمایا اور جب حضرت عمر نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دست شریف سے لکھنے یا لکھوانے میں آپ پر کھلی تکلیف ہے تو آپ کو تکلیف دینا جائز نہیں رکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ادب کی خاطر خطاب نہیں کیا بلکہ حاضرین سے خطاب کیا قرآن

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) مجید میں احکام کے مکمل ہونے کا اعلان ہو چکا ہے، کیونکہ اس وقت سے تین ماہ قبل عظیم آیت: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ، آیت نمبر:3) نازل ہوئی اور آیت مذکورہ نے دین میں اب کسی بھی قسم کا نسخ یا تبدیلی اور زیادتی کو مکمل طور پر ختم کر دیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حسبنا کتاب اللّٰہ (ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے) کہہ کر اسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت کوئی نیا معاملہ جو کتاب اللہ میں نہیں ہے لکھوایا جاتا تو اس آیت کی تکذیب ہوتی اور یہ امر محال ہے پس اس سے ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اُن سابقہ احکام کی تاکید تھا جو قرآن مجید میں نازل ہوئے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اس پر شاہد عدل ہے۔ پس اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہو گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی جانب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو رد کرنے کی نسبت بالکل غلط اور باطل ہے اور اکثر اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بکثرت معاملات و مکالمات رونما ہوئے ہیں اور منجملہ ان کے جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کا قصہ ہے، منافق عبداللہ بن اُبَیُ پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی بات اور ازواج مطہرات کے لئے پردہ کی بات، مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانے کی بات ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (کفار قریش) سے مدینہ منورہ کے ایک تہائی کھجور پر صلح کرنے کا ارادہ فرمایا تا کہ وہ واپس چلے جائیں تو اس معاملہ میں سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے انکار کیا اور اس کی مخالفت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے قول کو اختیار فرمایا اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا: نکلو اور اعلان کرو کہ جو کوئی شخص اخلاص کے ساتھ اس کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے گا وہ جنت میں جائیگا، تو انہوں نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی تو حضرت عمر نے ان کے سینہ میں ایک ایسا دھکا دیا کہ ابو ہریرہ زمین پر گر گئے اور فرمایا تم اس کا اعلان مت کرو کیونکہ تم اگر اس کا اعلان کرو گے تو اس پر لوگ بھروسہ کر لیں گے اور عمل کو چھوڑ دیں گے تو حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس وقت اس کو مت بولو اور ان کو عمل کرنے دو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے قول کو قائم رکھا اگر منفعت و مصالح کی یہ باتیں وحی کا رد ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا رد ہیں تو پھر تمہارا اس معاملہ میں کیا جواب ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کفار کے درمیان مقام حدیبیہ میں معاہدہ لکھا گیا اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے من محمد رسول اللّٰہ لکھا اور کفار نے اس کا انکار کیا اور کہا اگر ہم آپ کی رسالت کا اقرار کرتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اس کو مٹادو مگر علی رضی اللہ عنہ نے اس کو نہیں مٹا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس کو مٹایا اور مخالفت کی یہ صورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(**حاشیہ پچھلے صفحہ سے**) کے حکم کو رد کرنا نہیں کہلاتا اور علامہ محمد بن بابویہ نے امالی میں اور علامہ دیلمی نے ارشاد القلوب میں روایت کیا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو (7) سات دراہم عطا فرمائے اور فرمایا یہ علی کو دیدو اور ان کو حکم دو اپنے گھر والوں کے لئے کھانا خریدیں ان پر بھوک کا غلبہ ہے تو حضرت علی کو وہ دراہم دیدیں اور فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم دیا کہ ہمارے لئے کھانا خریدیں تو حضرت علی وہ دراہم لے کر گھر سے کھانا خریدنے کے لئے نکلے تو انہوں نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا کون خوشحال وقت پر ادا کرنے والے کو قرض دے گا تو آپ نے اس شخص کو یہ دراہم عنایت فرمادیئے۔

اب رہا وجہ اول کا دوسرا مقدمہ، وہ بھی عقلا اور نقلا باطل ہے، عقلا باطل ہونا اس لئے کہ بات معلوم ہے رسول کے معنی ہیں مبلغ الاحکام یعنی احکام کو پہنچانے والے اور جب ہم اس کی نسبت اللہ سبحانہ کی طرف کرتے ہیں تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کے احکام کو پہنچانے والے اس سے یہ ثابت ہوا کہ نبی وہ ہیں جن کی طرف اللہ کی طرف سے وحی بھیجی جاتی ہے اس سے نہیں ثابت ہوتا کہ آپ کے تمام اقوال اللہ کی طرف سے وحی کئے جاتے ہیں۔

اور نقلا باطل ہونا اس لئے کہ اگر آپ کے تمام اقوال وحی منزل من اللہ ہوتے تو قرآن مجید میں آپ پر اللہ کی طرف سے "عَفَا اللّٰهُ عَنْکَ، لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ". "وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا. وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ". "وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ". "لَوْ لَا کِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّکُمْ فِیْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ" کا عتاب نہ ہوتا۔ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ تبوک میں یہ نہیں فرماتے تھے **اتخلفنی فی النساء والصبیان** کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات نماز میں تخفیف کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے بار بار نہیں جاتے تھے۔ علامہ ابن بابویہ نے ان باتوں کا کتاب المعراج میں ذکر کیا ہے اور اگر یہ وحی کا رد ہوتا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا موسی علیہ السلام سے یہ امور صادر نہیں ہوتے تھے۔ اور جس طرح سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بار بار رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰٓی...... **الایہ** جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دیا کہ تم ظالم قوم قومِ فرعون کے پاس جاؤ کہو کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے تو موسیٰ نے کہا میں اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور میرا سینہ تنگ ہوگا اور میری زبان نہیں چلے گی آپ ہارون کو بھی رسول بنا کر بھیجئے ان کے پاس میرا ایک قصور ہے میں اندیشہ کرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔ (26۔الشعراء، آیت نمبر: 10/14)

علامہ عینی نے علامہ مازری سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ اوامر کے ساتھ کبھی ایسے قرائن ہوتے ہیں کہ ان کو وجوب سے استحباب کی طرف پھیر دیتے ہیں اور وہ علماء جنہوں نے یہ کہا کہ اوامر اباحت کے لئے ہوں تو ان کے پاس اس کا عکس یعنی قرائن اس کو وجوب وغیرہ جیسے دیگر معانی کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اس

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) لئے ممکن ہے ان کے پاس ایسے قرائن پائے گئے ہوں جو عدم وجوب پر ہی نہیں بلکہ امر اختیاری پر دلالت کرتے ہیں اور ہوسکتا ہو آپ نے یہ سمجھا ہو کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے یہ حکم بقصد وجوب صادر نہیں ہوا۔ اب رہی وجوہ طعن میں سے دوسری وجہ یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ھجر وہذیان (بے معنی باتوں کی) نسبت کی ہے یہ بھی ساقط الاعتبار ہے کیونکہ روایات میں جو لفظ آیا ہے وہ **قالوا أھجر** استفہام انکاری کے ہمزہ کے ساتھ ہے اس پر لفظ **استفھموہ** دلالت کرتا ہے اور اگر صحابہ کی غرض ہذیان کا اثبات اور آپ کی طرف اس کی نسبت کرنا ہوتا تو **استفھموہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو) نہیں کہتے بلکہ خلوا (اس کو چھوڑ دو) کہتے تھے۔

اب رہی تیسری وجہ طعن یہ بھی باطل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز بلند کرنا منع ہے اور آپس میں آواز بلند کرنا یہ ایک قسم سے مناظرہ اور بحث ومباحثہ ہے جو ان حضرات کی عادت تھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ'' اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ اور اللہ سبحانہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نبی کے پاس اپنی آوازوں کو آپس میں بلند مت کرو، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ'' فرمایا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرنا جائز ہے۔

اور یہ کیسے معلوم کیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز بلند کی تم پہلے آواز بلند کرنے کو ثابت کرو پھر بحث کرو، اور حجرہ میں بہت سے حضرات تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو میں آوازیں بلند ہوجاتی ہیں اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد **لاینبغی عندی تنازع** (میرے پاس بحث ومباحثہ مناسب نہیں) سے اس بات کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے یہ بحث ومباحثہ ان کا آپس میں تھا اور **قوموا عنی** تم میرے پاس سے اٹھ جاؤ آپ کا یہ فرمان مانعین اور مجوزین تمام حاضرین کے لئے تھا۔

اور اس گفتگو کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ (۵) دن رہے ان پانچ دنوں میں حضرت عمر تو ہر وقت حاضر نہیں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں عمر کی غیر موجودگی میں کیوں نہیں لکھوائے ''سُبْحٰنَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ'' (النور، آیت نمبر: 16) (اے اللہ تو پاک ہے یہ بہتان عظیم ہے)

اب رہا اس طعن کا عقلی جواب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سبحانہ وتعالی کے پاس سے اس فرمان کے لکھوانے پر مامور تھے تو اس کے بعد کے پانچ دنوں میں چھوڑتے نہیں تھے جمعرات کا ماباقی دن اور جمعہ کا کامل دن ہفتہ کا پورا دن اتوار کا پورا دن تو ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (نعوذ باللہ) تبلیغ میں مداہنت کرنا لازم آتا ہے اور یہ آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ مِنْ رَّبِّکَ ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ'' (5، المائدۃ، آیت نمبر: 67)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) (نعوذ باللہ من ذلک) اور اگر آپ کا اس کے لکھوانے کا ارادہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہنے کی بناء پر اس سے رجوع کرلیا تو یہ پردہ کے مسئلہ اور قیدیوں کو چھوڑنے کے مسئلہ اور اس کے علاوہ وحی کے موافق آپ کے دیگر موافقات کی طرح ہوگیا اور اگر اس لکھوانے میں امت کے لئے رحمت وشفقت تھی تو حاشا آپ اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لَقَدْ جَآئَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْــــمٌ'' (التوبۃ، آیت نمبر: 128) بلاشبہ تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آ گئے ان پر تمہاری تکلیف گراں ہے مومنین کی بھلائی کے چاہنے والے ہیں اور رؤف ورحیم ہیں۔

دوسری عقلی دلیل: اس جدید فرمان مبارک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود سابق شارح کی تاکید یا اس کا ناسخ ہوگا، دوسری صورت میں ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ'' کی تکذیب ہوجائیگی اور پہلی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امت کے کسی حق کو تلف نہیں کیا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید اللہ سبحانہ کی تاکید سے اعلیٰ نہیں ہے۔ اور بہت مرتبہ اللہ تعالیٰ کی تاکید کی طرف توجہ نہیں کرتے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید کی طرف ان کی کیا پرواہ ہوتی ہے۔ اور اس پر دلیل وہ روایت ہے جو سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیحین میں مروی ہے اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیماری شدید ہوگئی تو آپ نے فرمایا تم میرے پاس ایک شانہ کی ہڈی لاؤ۔ میں تمہارے لئے ایک فرمان لکھدیتا ہوں میرے بعد تم ہرگز پریشان نہیں ہوں گے تو وہ آپس میں بحث مباحثہ کئے اور بولے کیا آپ ہم کو چھوڑ دے رہے ہیں آپ سے پوچھ لو۔ اور گھر میں چند حضرات تھے جن میں عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے تو آپ نے فرمایا آپ پر بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے۔ اللہ کی کتاب تمہارے لئے کافی ہے اس روایت سے واضح طور پر معلوم ہورہا ہے کہ ان کا یہ اختلاف ان کے آپس میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس گفتگو سے پہلے کا ہے اور اگر یہ واجبات میں سے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کے ان پانچ دنوں میں اس کو ہرگز چھوڑتے نہیں تھے پھر آپ نے ان کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور وفود کو ان کا حق دینا اور اب رہی تیسری بات راوی اس کو بھول گیا، اور وہ حضرت اسامہ کی فوج کی تیاری۔ پس تمام قیل وقال کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ گفتگو کتابت سے روکنے کے لئے نہیں تھی بلکہ صحابہ کی تسلی کے لئے تھی۔ اور اگر حضرت عمر اس معاملہ میں غلطی پر تھے تو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تمام زندگی میں کیوں اس کا ذکر نہیں فرمایا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کسی سے بھی اس معاملہ میں افسوس ظاہر نہیں ہوا۔

کے بعد تم کبھی فکر مند نہیں رہو گے، حضرت عمر نے فرمایا آپ پر بیماری کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے (18) پس اہل بیت اختلاف کئے اور بحث کئے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) اور اگر تم یہ کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لن تضلوا بعدی یہاں ضلال کے معنی دین میں خلل واقع ہونے کے ہیں تو تمہارا اس معاملہ میں کیا جواب ہے تو میں جواب میں کہتا ہوں کہ لفظ ضلال کبھی تو دین میں گمراہی کے معنی میں آتا ہے اور کبھی دنیاوی امور میں خرابی کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں ''اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ، اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ'' (سورۃ یوسف، آیت نمبر:8) اور یہ آیا ہے ''اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِيْمِ'' (سورۃ یوسف، آیت نمبر:95) حالانکہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کافر نہیں تھے اس سے ان کی مراد سوء تدبیر یعنی غلط تدبیر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں مراد حکومتی انتظامات کی تدبیر ہے دین کی گمراہی مراد نہیں ہے۔

اس معنی کی دلیل قطعی یہ ہے کہ 23 تیئیس سال میں وحی اترتی رہی۔ ان ہی کی ہدایت اور دفع ضلالت کے لئے اگر وہ کافی نہیں ہے تو یہ چند سطور ان کی ہدایت اور دفع ضلالت کے لئے کیسے کافی ہو جائیں گے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ فرمان سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روکنے سے اس میں توقف اور رکاوٹ ہوگئی تو ہم یہ کہتے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد خلافت کا فرمان لکھانا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھانا چاہتے تھے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے پاس اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ میں ان دونوں کیلئے ایک فرمان لکھ دونگا، میں اندیشہ کرتا ہوں کوئی آرزو کرنے والے آرزو کریں گے یا کوئی کہنے والے یہ کہیں گے کہ میں زیادہ مستحق ہوں حالانکہ اللہ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں سوائے ابوبکر کے اور اس وقت میں عمر موجود نہیں تھے۔ اب رہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اس کو لکھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ آپ جب غدیر خم پر پہونچے تو سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولایت کا خطبہ دیا اور فرمایا انــہ مـولـی لـکـل مومن و مومنة آپ ہر مسلمان مرد و عورت کے مولا ہیں، ساری خلقت جب اس خطبہ سے آپ کو خلیفہ بنانے کا عمل نہیں کی تو یہ چند سطر کے خطبہ پر وہ کیسا عمل کر کے خلیفہ بنائیں گے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ لکھنے میں امت کے کسی حق کا اتلاف بالکل نہیں ہے حضرت محقق کرامت علی دہلوی رحمہ اللہ کی بات ختم ہوگئی۔

(18) قوله: حسبکم کتاب الله. یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ آپ کا یہ قول آپ کی فقہ و فضائل اور نظر و فہم کے دقائق کی دلائل میں سے ہے اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

ان میں سے کوئی کہتے تھے قریب کردو آپ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھدیں گے ان میں سے وہ کہتے تھے جو حضرت عمر نے فرمایا: اور جب وہ آوازیں اور اختلاف زیادہ کیئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس سے اٹھ جاؤ عبید اللہ نے فرمایا حضرت ابن عباس فرماتے تھے کہ مصیبت بھر پور مصیبت وہ ہوئی (19) جو حائل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کیا وران کے لئے اس فرمان کو لکھنے کے درمیان حائل ہوئی ان کے اختلاف کرنے اور آوازیں کرنے کے درمیان۔

13/7417۔ اور سلیمان بن ابی مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جمعرات کا دن کیا جمعرات کا دن بھر آپ روئے اسقدر کہ آپ کے آنسو کنکریوں کو بھگودیئے۔ میں نے کہا اے ابن عباس جمعرات کا دن کیا ہے تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا **ائتونی بکتف** تم میرے پاس ایک شانہ کی ہڈی لاؤ (20) میں تمہارے لئے ایک فرمان

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ایسے امور لکھیں کبھی امت اس کو نہ کرسکے اور اس پر عقوبت کے مستحق ہو جائیں کیونکہ وہ احکام منصوص ہوں گے اور اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں رہے گی۔ اور آپ حسبکم کتاب اللہ کہہ کر قرآن مجید کی آیت "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" اور "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ" کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(19) **قولہ: ان الرزیۃ.** یعنی مصیبت اور بڑی مصیبت یا حال سے مراد وہ حالت جو حائل اور مانع ہوگئی۔ **قولہ: حتی بل دفعہ الحصی.** یہاں تک بے حساب آنسو بہہ نکلے اور زمین کی کنکریوں تک پہنچ گئے۔ اور آپ کا رونا ہوسکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی یاد آنے اور ظاہری حیات کے فقدان کے ذکر سے غم تازہ ہوجانے کی بناء پر ہوا ہو۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے کی وجہ سے جو خیر اور بھلائی حاصل ہوئی تھی اس کے چھوٹ جانے کے خیال سے رونا آیا ہو۔ اس مقام میں یہ توجیہ زیادہ واضح ہے۔ (ماخوذ از مرقات)

(20) **قولہ: قولہ: ائتونی بکتف.** علامہ قرطبی نے فرمایا: ائتونی فعل امر ہے اور مامور کا حق ہے، تعمیل حکم میں جلدی کرے لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کی ایک جماعت پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ حکم وجوب کا نہیں ہے بلکہ زیادہ مناسب چیز کی رہنمائی کے لئے ہے پس ان حضرات نے اس کو اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ موجودہ حالت میں اس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقت ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" اور اللہ کا ارشاد: "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ان کے سامنے تھا اسی لئے آپ نے **حسبنا کتاب اللہ** فرمایا۔ اور ایک دوسری جماعت کو یہ خیال آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنا بہتر تھا کیونکہ اس میں حکم کی بجا آوری اور مزید

لکھ دیتا ہوں (21) اس کے بعد کبھی فکر مند نہیں ہوئے وہ اور آپس میں بحث کئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحث مناسب نہیں ہے تو انہوں نے کہا آپ کا کیا معاملہ ہے (22) کیا آپ چھوڑ کر جارہے ہیں تم آپ سے پوچھ لو تو وہ بار بار آپ سے پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا تم مجھے چھوڑ دو مجھے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) وضاحت ہوجاتی تھی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کو اٹھ جانے کا حکم دینے سے بھی یہ بات واضح ہورہی ہے کہ آپ کا فرمان اختیاری تھا۔اور کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد چند دن رہے اور صحابہ کو اس کا دوبارہ حکم نہیں فرمائے اور اگر یہ امر واجب ہوتا تو ان کے اختلاف کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو چھوڑتے نہیں تھے کیونکہ آپ نے کوئی بھی حکم کسی بھی مخالفت سے نہیں چھوڑا واللہ اعلم۔(عمدۃ القاری)

(21) قولہ: اکتب لکم کتابا. موجودہ تصحیح شدہ تمام نسخوں میں ''اکتبُ'' کو جزم ہے۔ایسی صورت میں لاتضلوا بعدہ ابدا کو جزم ہونا مشکل ہوجاتا ہے اس کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ وہ ایک شرط مقدر ہو یعنی ان کتب لکم وعملتم بہ لاتضلوا یعنی اگر تمہارے لئے وہ لکھدی جائے اور تم اس پر عمل کروگے تو تم پریشان نہیں ہوں گے۔یعنی تم پریشان لوگوں میں نہیں رہیں گے۔اور ایک نسخہ میں ان لاتقتلوا ہے یہ بالکل واضح بات ہے یعنی تاکہ تم پریشان نہ ہوں۔وقولہ: لاینبغی عند نبی تنازع. اس میں یہ بات کہی گئی ہے کہ یہ عبات منجملہ مرفوع حدیث کے ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو کتاب العلم میں گزرچکی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ولاینبغی عندی التنازع اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ کلام مدرج ہو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کلام ہو۔اور بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے۔(لمعات)

(22) قولہ: اھجر. ہر حرف پر فتحہ (زبر) ہے کیا مرض کی وجہ سے آپ فضول گفتگو کئے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔اور اس کو خبر یہ نہیں بنایا جاسکتا ہے اسی صورت میں یہ بری اور فضول گفتگو ہوجائیگی اور اس کے قائل حضرت عمر ہیں اور آپ کے بارے میں ایسا خیال تک نہیں ہوسکتا اور استفھموہ کا جملہ اس پر دلالت کرتا ہے ورنہ آپ خلوہ (اسکو چھوڑو) فرماتے تھے۔وقولہ: فالذی انا فیہ. یعنی میں جو اللہ تعالیٰ کے مراقبہ اور اس سے ملاقات کی تیاری میں ہوں اور اس کی فکر میں ہو وہ اس چیز سے افضل ہے جس کی طرف تم مجھ کو بلارہے ہو۔یعنی تمہارے اس اختلاف اور شوروگر بڑ سے افضل ہے۔ وقولہ: اجیز والوفد. یعنی تمہارے پاس آنے اور تمہارے اطراف سے تمہاری پاس پہنچنے والوں کا اکرام کرو۔اور تمہارے پاس جو انعام وعطایا ہیں وہ ان کو عطا کرو۔وقولہ: سکت. علامہ نووی نے فرمایا سکوت اختیار کرنے والے وہ حضرت ابن عباس اور بھولنے والے حضرت سعید بن جبیر ہیں۔حضرت مہلب نے کہا تیسری بات جیش اسامہ کی تیاری ہے۔(ماخوذ از مرقات)

چھوڑ دو میں جس چیز میں ہوں وہ اس چیز سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلائے ہو، پھر آپ نے ان کو تین باتوں کا حکم فرمایا اور فرمایا مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکالدو۔ اور وفد کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ان کا حق دیدو جیسا میں ان کو حق دیا کرتا تھا۔ اور تیسری بات کے بارے میں خاموش رہے یا انہوں نے اس بات کو کہا مگر میں اس کو بھول گیا یہ سفیان نے کہا یہ سلیمان کا قول ہے۔ (متفق علیہ)

14/7418۔ حضرت امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرمائیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا میرے پاس ایک شانہ کی ہڈی یا ایک تختی لاؤ میں ابوبکر کے لئے ایک فرمان لکھتا ہوں ان پر کوئی اختلاف نہ ہو جب عبدالرحمٰن اٹھنے لگے تو فرمایا اے ابوبکر لوگ تمہارے بارے میں اختلاف کریں اس سے اللہ اور مومنین انکار کرتے ہیں اور امام بخاری کی روایت ہے میں ارادہ کیا کہ ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بلاؤں اور ان کو ولی عہد بناؤں (23) کہ کہیں کہنے والے کہیں گے یا

---

(23) **قولہ: واعھد.** یعنی میرے بعد ابوبکر کی خلافت کے لئے وصیت کروں اور ان کو ولی عہد بناؤں، **ان یقول القائلون** تا کہ کہنے والے یہ نہ کہیں یا اس اندیشہ سے کہ کہنے والے یہ کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کی خلافت کے لئے فرمایا حالانکہ اس میں اس امامت کبریٰ کی طرف اشارہ موجود ہے۔

او یتمنی المتمنون یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے کے لئے یا خود اپنے لئے خلافت کی تمنا کرنے والے یہاں کلمہ اوشک نہیں بلکہ تفریع کا ہے۔ **وقولہ: ثم قلت** یعنی دل میں اور ظاہری طور پر بھی بولا **یابی اللّٰہ** یعنی ابوبکر کی خلافت کے سوا کسی دوسرے کے لئے اللہ انکار کرتا ہے اور مومنین بھی خلافت کے لئے ابوبکر کے سوا دوسرے کے لئے انکار کرتے ہیں اور یدفع اللہ میں لفظ اوشک راوی ہے **ویابی المومنون.** مسلمان بھی انکار کریں گے۔ کیونکہ میں نے امامت صغریٰ میں ان کو خلیفہ بنایا ہے تو امامت کبریٰ کی علامت ہے جیسا کہ بعض بزرگ صحابہ نے سمجھا ہے کیونکہ اختلاف کے وقت انہوں نے کہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے ان کو منتخب فرمایا تو کیوں ہم ان کو اپنے امور دنیا کے لئے منتخب نہ کریں۔ پس یہ ہر سمجھدار شخص کے لئے ایک کھلی دلیل اور اعلیٰ درجہ کی وضاحت ہے پھر آپ کے اس ارشاد میں کہ اللہ اور مومنین دوسرے کی خلافت کے لئے انکار کرتے ہیں اس میں حضرت صدیق کی خلافت کی حقیقت سے انکار پر تکفیر کا اشارہ ہے۔ اے اللہ سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے

تمنی کرنے والے تمنی کریں گے پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ انکار کرے گا اور مسلمان دفع کریں گے یا اللہ دفع کرے گا اور مسلمان انکار کریں گے۔

15/7419۔اور امام مسلم نے ان الفاظ میں روایت کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض کے زمانہ میں مجھ سے فرمایا تم میرے ابوبکر تمہارے والد اور تمہارے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں ایک فرمان لکھ دوں میں اندیشہ کرر ہا ہوں کوئی تمنا کرنے والا تمنا کرنے لگے یا کوئی کہنے والا کہنے لگے میں زیادہ مستحق ہوں جب کہ اللہ اور مسلمان سب انکار کرتے ہیں سوائے ابوبکر کے۔(مسلم)

16/7420۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں(24)نے فرمایا: ہائے میرا سر، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر ایسا ہو جب کہ میں ہوں تو میں تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا اور تمہارے حق میں دعاء کروں گا، عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ہائے(25) ہلاکت، قسم بخدا کیا میں یہ گمان کروں گی کہ آپ میری موت چاہتے ہیں اور اگر ایسا ہی ہوا تو آپ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) یہاں مومنین اکثر مومنین مراد ہیں۔اوراس میں اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ منکرین کا جمہور قول مسلمین کے مخالف ہے۔علامہ ابن ملک نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ میں اس بات کی وصیت کرنے کو اس لئے چھوڑ دیا ہوں اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کے سوا کسی دوسرے کے خلیفہ ہونے کا انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی آپ کے سوا کسی دوسرے کو روک دیں گے۔

کسی دوسرے کے خلیفہ بننے کو روک دیں گے۔اس میں حضرت ابوبکر کی فضیلت ہے، اور جو ہونے والا ہے اس کی اطلاع ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی واقع ہوا۔(ماخوذ از مرقات)

(24) قولہ: قالت :(انہوں نے فرمایا) یعنی ان کے سر کی سخت تکلیف کی وجہ سے فرمایا" وارأساہ" (ہائے میرا سر) سر کی شدتِ تکلیف کی وجہ اُسے پکارا اور موت کی جانب اشارہ کیا۔(مرقات)

(25) قولہ: واثکلیاہ (ہائے ہلاکت) ثاء کو زبر اور پیش ہے جس کے معنیٰ موت و ہلاکت کے اور محبوب اور بچہ کو گم پانے کے ہیں، یہاں کلام کی حقیقت مراد نہیں بلکہ یہ ایسا جملہ ہے جو تکلیف اور مصیبت کے وقت لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوتا ہے۔

اپنے اس دن کے آخر میں اپنی کسی اور زوجہ مطہرہ کے پاس آرام (26) فرمائیں گے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ میرے سر میں تکلیف ہے، یقیناً میں نے سوچا ہے یا فرمایا میں نے ارادہ کیا ہے کہ ابوبکر اور ان کے صاحبزادے کو بلاؤں اور ان کے لئے خلافت کا عہد لے لوں کہ کہیں کہنے والے کہنے نہ لگیں اور تمنا کرنے والے تمنا نہ کریں پھر میں نے کہا اللہ تعالیٰ اس کا انکار کرے گا اور مسلمان اس کو دفع کریں گے یا فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کو دفع کرے گا اور مسلمان اس کا انکار کریں گے۔ (بخاری)

17/7421۔ انہی سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ایک جنازہ (27) کی تدفین کے بعد بقیع سے میرے پاس واپس تشریف لائے تو آپ نے مجھ کو دردِ سر محسوس کرتا ہوا پایا جبکہ میں کہہ رہی تھی: ہائے میرا سر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ اے عائشہ! میرے سر میں درد ہے اور تمہیں کیا نقصان ہے اگر تم مجھ سے پہلے وصال کر جاؤ کیونکہ میں تمہیں غسل دوں گا، کفن دوں گا تمہاری نماز پڑھوں گا اور تمہاری تدفین انجام دوں گا، میں عرض کی: خدا کی قسم! مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو آپ میرے کمرے میں اپنی دوسری زوجہ مطہرہ کے ساتھ آرام فرمائیں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا پھر آپ کا وہ مرض شروع ہو گیا جس میں آپ کا وصال ہوا۔ (دارمی)

صاحب درمختار نے کہا: راجح قول کے مطابق شوہر کو اس کی بیوی کے غسل سے اور اس کو چھونے سے منع کیا جائے گا، اسے دیکھنے سے نہیں۔ (مُنیہ) اور ائمۂ ثلاثہ نے فرمایا: شوہر کا بیوی کو

(26) قولہ مُعْرِسا (آرام فرمائیں گے) میم کو پیش پھر جزم پھر زیر ہے اور ایک نسخہ میں راء کو تشدید ہے یعنی کسی زوجہ کے پاس گزریں گے، "بل انا وا رأساہ" (بلکہ میرے سر میں تکلیف ہے) "بل" گفتگو کا رخ تبدیل کرنے کے لئے ہے یعنی تم اپنے سر کی جو تکلیف پاتی ہو اُسے چھوڑ واور میری تکلیف کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ وہ تمہارے معاملہ سے اہم ہے۔ (مرقات)

(27) قولہ: من جنازۃ (ایک جنازے کی تدفین کے بعد) یعنی جنازے کے سبب سے، وہ مفعول لہ ہے اور "من البقیع" "رجع" سے متعلق ہے "دفنتک" (اور تمہاری تدفین انجام دوں گا) اس میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا وصال کرنا حضور کے وصال کے بعد اُن کے باحیات رہنے سے بہتر ہے۔ "لکأنی بک" یعنی اللہ کی قسم! گویا میں آپ کے ساتھ لگی ہوں، علامہ طیبی

غسل دینا' جائز ہے کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا، ہم کہتے (28) ہیں: یہ واقعہ زوجیت کے باقی رہنے پر محمول کیا جائے گا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر سسرالی اور نسبی رشتہ موت کی وجہ سے منقطع ہوتا ہے سوائے میرے سسرالی اور نسبی رشتہ کے' اسی وجہ سے اس حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں غسل دوں گا۔

18/7422۔ انہی سے راویت ہے: کہ مجھ پر اللہ کی نعمتوں میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں ''لام'' قسم محذوف کا جواب ہونے کی وجہ سے ہے اور مذکورہ جملہ حال اور ذوالحال کے درمیان معترضہ ہے، مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی قسم! میں ضرور آپ کے بارے میں سمجھتی تھی جبکہ معاملہ ایسا ایسا تھا۔ **فعرست فیه ببعض نساء ک** (تو آپ اس میں اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے ساتھ آرام فرمائیں گے) ''عرست'' راء کو تشدید ہے صحاح میں مذکور ہے: **اعرس الرجل باھلہ**، مرد اپنی بیوی کے ساتھ خلوت اختیار کرے اور عَـــرَّسَ مت کہو' وہ عام لوگ کہتے ہیں اھ اور حدیث پاک اہل لغت کے خلاف حجت ہے سوائے یہ کہ تعریس سے مراد یہاں رات کے آخری حصہ میں یا مُخَلّٰی بالطبع ہونے کے لئے کسی بھی وقت استراحت کی خاطر اترنا ہے اور وہ جماع سے کنایہ ہے یا اسے استعارہ تبعیہ کے باب سے قرار دیا جائے۔ (ماخوذ از مرقات)

(28) **قولہ: قلنا** (ہم کہتے ہیں) مصنف کی شرح مجمع میں مذکور ہے: فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے غسل دیا تو علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے کی روایت غسل کی تیاری اور اس کے سامان کی مکمل فراہمی پر محمول کی جائے گی اور اگر وہ روایت ثابت ہو تو یہ حکم انہی کے ساتھ خاص ہوگا کیا، تم نہیں دیکھتے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب علی رضی اللہ عنہ پر اس کا اعتراض کیا تو انہوں نے ان کو یہ کہہ کر جواب دیا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً فاطمہ دنیا اور آخرت میں تمہاری زوجہ ہیں، تو علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے خصوصیت کا دعویٰ ہی اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک عدم جواز ہے۔ اھ۔ میں کہتا ہوں: خصوصیت پر وہ حدیث پاک بھی دلالت کرتی ہے جسے شارح نے ذکر کیا اور بعض حضرات نے اس میں مذکور ''سبب'' کی تفسیر اسلام اور پرہیز گاری سے کی ہے اور نسب کی تفسیر انساب سے کی ہے اگر چہ وہ مصاہرت اور رضاعت کے ذریعہ ہو، اور میرے لئے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سبب سے سببی قرابت جیسے زوجیت و مصاہرت اور نسب سے نسبی قرابت مراد لینا بہتر ہے، کیونکہ اسلام اور پرہیز گاری کا سبب ہونا کسی سے منقطع نہیں رہتا، اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب و نسب میں خصوصیت باقی رہتی ہے، اس لئے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اسی وجہ سے میں نے علی رضی اللہ عنہ کی شہزادی ام کلثوم سے نکاح کیا، اب رہا اللہ تعالیٰ کا

علیہ وسلم نے میری باری کے دن میرے (29) کمرہ میں میری ہنسلی اور سینہ (30) کے درمیان وصال

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) فرمان ''فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ'' (23۔المومنون، آیت نمبر:101) (تو ان کے درمیان کوئی نسب نہ ہوگا) تو یہ دنیا و آخرت میں فائدہ دینے والے نسبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انساب کے ساتھ خاص ہے، اب رہی حدیث پاک ''میں تمہیں اللہ کے پاس کچھ کام نہیں کروں گا'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس کا اختیار نہیں رکھتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا اختیار عطا فرمایا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجنبی افراد کو ان کے حق میں اپنی شفاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے فائدہ پہنچائیں گے تو اسی طرح قرابتداروں کا معاملہ ہے، اس سلسلہ میں مکمل بحث ہمارے رسالہ '' **العلم الظاهر فی نفع النسب الطاهر** '' میں موجود ہے۔ (ردالمحتار)

(29) **قوله: توفي في بيتي وفي يومي** (میری باری کے دن میرے کمرہ میں وصال فرمایا) یعنی میری باری کے موقع پر تاکہ میں خدمت کا شرف حاصل کروں اور جامع الاصول میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کا آغاز سر کے درد سے ہوا' جو آپ کو اُس وقت لاحق ہوا تھا جب آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں تھے پھر یہ درد اُس وقت شدت اختیار کر گیا جب کہ آپ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے یہ چاہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں آپ کی تیمارداری کی جائے تو اُن سب نے آپ کے لئے بسر وچشم قبول کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی مدت بارہ دن رہی، اور آپ نے ماہ ربیع الاول کے روز دوشنبہ کو چاشت کے وقت وصال فرمایا، کہا گیا کہ ماہ ربیع الاول کا دوسرا دن تھا، اور کہا گیا کہ اس کی بارہ تاریخ تھی، یہی اکثر حضرات کا کہنا ہے۔ (مرقات)

(30) **قولـه: وبين سَحري ونحري** (میری ہنسلی اور سینہ کے درمیان) سَحر اور نَحر دونوں میں زبر پھر جزم ہے یہ میرے قرب اور نزدیکی کے کمال کو بتاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حالت میں وصال ہوا کہ آپ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ اور پھیپڑے کے مقابل ٹیک لگائے ہوئے تھے کیونکہ ''سحر'' پھیپڑے کو کہتے ہیں، حاکم اور ابن سعد کی مختلف سندوں سے یہ روایت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک علی کرم اللہ وجھہ کی گود میں تھا' مذکورہ روایت کے خلاف نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ ان سندوں میں سے کوئی سند کلام سے خالی نہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اور اس روایت کے صحیح ماننے کی صورت میں یہ تطبیق دی جائے گی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھے۔ (مرقات)

فرمایا، اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال کے وقت میرے اور آپ کے لعاب مبارک کو جمع (31) فرمایا، عبدالرحمٰن بن ابوبکر میرے پاس آئے جبکہ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دی ہوئی تھی تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انہیں دیکھ رہے ہیں، میں سمجھ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنا چاہتے ہیں، تو میں نے عرض کیا: کیا آپ کے لئے مسواک لوں؟ تو آپ نے سرانور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے لیا تو وہ آپ کے لئے سخت محسوس ہوئی، میں نے عرض کیا: کیا میں اُسے آپ کے لئے نرم کروں؟ تو آپ نے سرانور سے اشارہ فرمایا کہ ہاں، تو میں نے اُسے نرم کیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے دندان مبارک پر پھیرا جبکہ آپ کے سامنے ایک برتن (32) تھا جس میں پانی موجود تھا تو حضور صلی اللہ علیہ

---

(31) قولہ: وان اللہ جمع بین ریقی وریقہ عندموتہ (اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کے وصال کے وقت میرے اور آپ کے لعاب کو جمع فرمایا) اور جب دونوں لعاب کے جمع کرنے کا سبب بیان کرنا ضروری تھا، تو از سرنو فرمایا: میرے پاس عبدالرحمٰن بن ابوبکر آئے الخ۔ "سواک" یعنی غیر مستعمل مسواک تھی جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، وعرفت ("اور میں واقف تھی") یعنی حالت یہ تھی کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت عالیہ سے واقف تھی، "فامرہ" (مسواک کو اپنے دانتوں پر گزارا) "اَمَرَّ" راء کو تشدید ہے یہ اِمْرَار کا فعل ماضی ہے تو میرے حلق میں اور اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق میں بھی آپ کے وصال کے وقت دونوں لعاب جمع ہوئے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے وصال تک راضی رہنے کی جانب اشارہ ہے۔

(32) قولہ: وبین یدیہ رکوۃ (جبکہ آپ کے سامنے ایک برتن تھا الخ) اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ ہر مریض اس طرح عمل کرے اگر مریض خود نہ کرسکے تو اُس کے ساتھ یہ عمل جائے اس لئے کہ اس سے مصیبت میں ایک قسم کی کمی ہوتی ہے جیسے ایک ایک گھونٹ پلانے کا عمل ہے بلکہ گھونٹ گھونٹ پلانا اُس وقت واجب ہوجاتا ہے جب مریض کو اس کی ضرورت ہو۔ "ان للموت سکرات، یقیناً موت کی کچھ سختیاں ہوتی ہیں" سَکَرَات کو زبر ہے جو سَکْرَۃٌ کی جمع ہے، یعنی موت کے وقت طبعی حرارتوں اور کڑواہٹوں کی سختیاں اور زبردست مشقتیں ہوتی ہیں، یہاں تک کہ انبیاء کرام اور اہل کمال کے لئے بھی لہذا، تم ان حالات کے لئے تیار رہو اور مرنے والوں کے حق میں اللہ تعالیٰ سے اُس کی آسانی چاہو پھر ان سکرات میں درجات کی مزید بلندی ہوتی ہے، ثم نصب یدہ ("پھر آپ نے دست مبارک کو بلند کیا") یعنی دعاء کے لئے اُسے اُٹھایا یا آسمان کی سمت اشارہ کے طور پر

وسلم اپنے دونوں دست مبارک کو پانی میں ڈال کر اُس سے اپنے چہرۂ انور پر مسح کرنے لگے اور فرمانے لگے : کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے ، یقیناً موت کی کچھ سختیاں ہوتی ہیں ، پھر اپنا دست مبارک بلند کیا اور فرمانے لگے : رفیق اعلیٰ میں ، یہاں تک کہ آپ کا دست مبارک جھک گیا ۔ (بخاری)

19/7423 ۔ حضرت جعفر بن محمد سے روایت ہے ، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ قریش کے ایک صاحب اُن کے والد علی بن حسین کے پاس آئے اور فرمایا : کیا میں آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان نہ کروں ؟ انہوں نے فرمایا : کیوں نہیں ، ہمیں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائیے ، اُنہوں نے فرمایا : جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض لاحق ہوا تو جبرئیل نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت میں آپ کی تعظیم کے لئے آپ کے اظہار شرف کے لئے بطور خاص آپ کے لئے بھیجا ، وہ آپ سے اُس معاملہ سے متعلق دریافت کرتا ہے جس کو وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے ، وہ فرماتا ہے : آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے جبرئیل ! میں اپنے آپ کو غمگین پاتا ہوں ، اے جبرئیل میں اپنے آپ کو فکرمند پاتا ہوں ، پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوسرے دن حاضر ہوئے اور وہی عرض کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا ، پھر تیسرے دن جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ویسا ہی عرض کیا جیسا اُنہوں نے پہلے دن عرض کیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسا ہی جواب عنایت فرمایا جیسا پہلے فرمایا تھا اور جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک فرشتہ حاضر ہوا جسے

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) بلند فرمایا ’’ فجعل یقول ، آپ فرمانے لگے ‘‘ یعنی دہراتے ہوئے فی الرفیق الاعلیٰ رفیق اعلیٰ میں ‘‘ ، فعل محذوف کے متعلق ہے یعنی مجھے رفیقِ اعلی میں شامل فرمادے اور وہ انبیاء کرام ہیں جو اعلیٰ علّیّین میں رہتے ہیں ’’ قبض و مالت یدہ ‘‘ ، وصال ہو گیا اور دست مبارک جھک گیا ‘‘ یعنی داہنا یا بایاں یا دونوں جانب کا ۔ یہ دونوں جہاں سے بے رغبتی اور اس بنانے والے کی جانب میلان کا اشارہ ہے جس کی ملاقات آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اسی لئے آپ جن وانس کے سردار ہیں ۔ (ماخوذ از مرقات)

اسماعیل کہا جاتا ہے، وہ ایسے ایک لاکھ فرشتوں کا سردار ہے جن میں سے ہر فرشتہ ایک لاکھ فرشتوں کا سردار ہے، اُس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو حضور (33) نے جبرئیل سے اُس کے بارے میں دریافت کیا پھر جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ موت کا فرشتہ ہے، وہ آپ کے دربار میں اجازت چاہتا ہے، وہ آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت نہیں مانگا اور نہ آپ کے بعد کسی سے اجازت مانگے گا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُسے اجازت دو، تو جبرئیل علیہ السلام نے اُسے اجازت دی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام کیا پھر عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی خدمت اقدس میں بھیجا ہے، اگر آپ مجھے یہ حکم فرمائیں گے کہ آپ کی روح مبارک قبض کروں تو قبض کروں گا اور اگر آپ مجھے اس کو چھوڑنے کا حکم فرمائیں تو چھوڑ دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ملک الموت! تم ایسا ہی کرو گے، اس نے عرض کیا: ہاں! میں اسی پر مامور ہوں، مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی اطاعت کروں، راوی نے کہا: پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! بیشک اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے، تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت سے فرمایا: تمہیں جو حکم دیا گیا وہ کر گزرو (34)، تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض کی اور جب

---

(33) قولہ: فسالہ عنہ (تو حضور نے جبرئیل سے اُس کے بارے میں دریافت کیا) تقدیری عبارت یہ ہے: حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یہ ملک الموت ہے، جو آپ کی بارگاہ میں اجازت طلب کر رہا ہے گویا ملک الموت اُسی وقت حاضر ہو چکے، اسی لئے انہوں نے اُن کی طرف اشارہ کیا۔ (لمعات)

(34) قولہ: امض لما امرت بہ (جو تمہیں حکم دیا گیا اُسے کر گزرو) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک یہی ذکر کیا اور اس کے بعد یہ ذکر کیا: تو جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: "السلام علیک یا رسول اللہ" آپ پر سلامتی ہو یا رسول اللہ! یہ زمین پر میری آخری آمد ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ دنیا میں آپ ہی میرا مقصود تھے پھر ملک الموت نے آپ کی روح مبارک قبض کی، بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ (مرقات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ، اور تعزیت کا وقت (35) آیا، لوگوں نے دولت کدہ کے گوشہ سے ایک آواز سنی: ''السلام علیکم اھل البیت ورحمة الله وبرکاته'' اے اہل بیت تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں، یقیناً اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر مصیبت میں صبر کرنا ہے، ہر گزر جانے والی چیز کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز کی تلافی ہے لہذا اللہ ہی سے ڈرو اُسی سے اُمید رکھو کیونکہ حقیقت میں مصیبت زدہ وہی شخص ہے جو ثواب سے محروم رہا، علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کہنے والے کون ہیں؟ یہ خضر علیہ (36) السلام ہیں ۔ (بیہقی ، دلائل النبوۃ)

(35) قوله: جاء ت التعزية (تعزیت کا وقت آیا) یعنی دولت کدہ کے ہر گوشہ سے آواز آئی'' ان فی الله '' یقیناً اللہ میں یعنی اللہ کی کتاب میں تعزیت ہے،'' عَزَاء '' کے عین کوزبر ہے یعنی ہر مصیبت سے تسلی ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی جانب اشارہ ہے: ''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ. الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ' قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' (2۔البقرۃ، آیت نمبر:155/156) اور اُن صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیجئے کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ کی طرف ہی لوٹنے والے ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ثواب میں ہر مشقت اور آزمائش کا بدلہ ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس تشریح کے مطابق ''فی اللہ'' میں مضاف کو مقدر ماننا جائز ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے وصال میں تسلی اور ہر مصیبت پر صبر کا سامان ہے، قوله خَلَفاً دونوں کوزبر ہے یعنی ہر ہلاک ہونے والی چیز کا بدلہ ہے ۔ دَرَکاً دال اور راء کوزبر ہے یعنی ہر چھوٹنے والی چیز کی پابجائی ہے'' فبالله ''اللہ سے ہی یعنی تو جب معاملہ ایسا ہے تو اللہ کی مدد اور اس کی طاقت وقوت کی وجہ سے ہی جزع فزع سے بچو، یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے:''وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' (16۔النحل، آیت نمبر:127) اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر نہیں مگر اللہ کی وجہ سے '' اياه فارجوا'' اسی سے امید رکھو یعنی اس کے سوا کسی کے امیدوار نہ بنو کیونکہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، یا یہ معنی ہے کہ اس کی بارگاہ سے ہی ثواب کی امید رکھو کیونکہ مصیبت زدہ یعنی حقیقت میں مصیبت زدہ '' من حرم الثواب''، وہی شخص ہے جو ثواب سے محروم کیا گیا ، مجہول کے صیغہ کے ساتھ یعنی مصیبت کے معاملہ میں صبر کی کمی کے سبب ثواب سے روک دیا گیا اور مولائے حقیقی کے پاس قابل اعتبار صبر وہی ہے جو پہلے صدمہ کے وقت ہوتا ہے ۔ (ماخوذ از مرقات)

(36) قوله هو الخضر عليه السلام (وہ خضر علیہ السلام ہیں) خاء کوزبر اور ضاد کوزیر ہے اور کہا گیا زیر پھر جزم ہے، تہذیب الاسماء میں مذکور ہے کہ ضاد کو جزم دینا خاء کے زبر اور زیر کے ساتھ درست ہے ۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ اور موجود ہیں ۔ (مرقات)

20/7424۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض (37) بڑھ گیا تو تکلیف کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہائے میرے ابا جان کی تکلیف ،حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: تمہارے والد کو آج کے بعد کوئی تکلیف نہیں رہے گی پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہ نے فرمایا: ہائے میرے (38) ابا جان! آپ نے پروردگار کی دعوت قبول کی جس نے آپ کو (39) بلایا، ہائے میرے ابا جان! جنت الفردوس (40) آپ کا ٹھکانہ ہے، ہائے میرے ابا جان! آپ کے وصال کی خبر ہم جبرئیل علیہ السلام کو دیتے ہیں۔ جب تدفین ہو چکی تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے انس! کیا تمہیں یہ بات گوارا ہوئی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔(بخاری)

21/7425۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کی تدفین سے متعلق صحابہ نے اختلاف (41) کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

---

(37) **قولہ لما ثقل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم** (جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا) ثاء کو زبر اور قاف کو پیش ہے، یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض شدید ہوا۔(مرقات)

(38) **قولہ یا ابتاہ** (ہائے میرے ابا جان!) علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اسکی اصل یا اَبِیْ ہے یاء کو تاء سے بدلا گیا کیونکہ وہ دونوں حروف زائدہ سے ہیں، الف آواز دراز کر کے پکارنے کے لئے ہے اور ہاء وقف کے لئے ہے۔

(39) **قولہ: اجاب ربا دعاہ** (آپ نے پروردگار کی دعوت قبول کی جس نے آپ کو بلایا) یعنی آخرت کی طرف بلایا تو آپ نے دنیا پر آخرت کو اختیار فرمایا" **دعاہ** " ضمیر کی ہاء کو پیش ہے اور سجع کا لحاظ کرتے ہوئے جزم دیا جاتا ہے۔ (مرقات)

صاحب درمختار نے کہا: اشعار وغیرہ سے میت کی تعریف کرنے میں حرج نہیں لیکن تعریف میں حد سے تجاوز کرنا بطور خاص جنازہ کے وقت ناپسندیدہ ہے۔

(40) **قولہ: من جنۃ الفردوس** (جنت الفردوس) تصحیح شدہ اصول میں میم کو زبر ہے اور "جنۃ "کو پیش ہے۔ **ننعاہ** (آپ کے وصال کی خبر ہم جبرئیل علیہ السلام کو دیتے ہیں) یعنی ہم اُنہیں تسلی دیتے ہیں۔(مرقات)

(41) **قولہ اختلفوا فی دفنہ** (آپ کی تدفین سے متعلق اختلاف کیا) یعنی اس جگہ سے متعلق اختلاف کیا جہاں آپ

فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی، آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح قبض نہیں کرتا مگر اُس مقام پر جہاں اُن کے دفن کئے جانے کو پسند فرماتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک کے مقام پر تدفین عمل میں لاؤ۔ (ترمذی)

22/7426۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: حضرت ام ایمن کے پاس چلو، ہم اُن سے ملاقات کریں گے جس طرح حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے ملاقات فرماتے تھے تو جب ہم اُن کے پاس پہنچے تو وہ روئیں، انہوں نے اُن سے فرمایا: آپ کو کیا چیز رُلا رہی ہے؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہتر ہے، تو اُنہوں نے فرمایا: یقیناً میں اس وجہ سے نہیں رو رہی ہوں کہ میں نہیں (42) جانتی کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہتر ہے، لیکن میں اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے وحی رُک چکی ہے پھر انہوں نے دونوں کو رونے پر برانگیختہ کردیا تو اُن کے ساتھ دونوں حضرات رونے لگے۔ (مسلم)

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) کی تدفین عمل میں لائی جائے تو کہا گیا: آپ کی مسجد میں تدفین کی جائے، کہا گیا: بقیع میں آپ کے صحابہ کے درمیان' کہا گیا: مکہ مکرمہ میں' اور کہا گیا: آپ کے جد امجد ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس، یا تدفین میں ہی اختلاف ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کی جائے؟ (یعنی تدفین ہی نہ کی جائے) (مرقات)

(42) قوله: فقالت انی لا ابکی انی لا اعلم (اُنہوں نے فرمایا: یقیناً میں اس وجہ سے نہیں رو رہی ہوں کہ میں نہیں جانتی) انی لا اعلم میں انی کے ہمزہ کو زبر ہے اس بنیاد پر کہ وہ ''لا ابکی'' فعل کا مفعول لہ ہے، معنی یہ ہے کہ: میں اس لئے نہیں روتی کہ میں نہیں جانتی، تو ان کے ساتھ وہ دونوں رونے لگے، اور اس معنیٰ میں رونا دنیا کے اختتام تک بھی ختم نہیں ہوگا۔ (مرقات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(26/259) بَابٌ

1/7427۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت (1) فرمائی۔ (مسلم)

2/7428۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اُنہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم،

---

(1) قولہ: ولا اوصی بشیٔ (اور نہ کسی چیز کی وصیت فرمائی) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: دوسری روایت میں یہ مذکور ہے: لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ذکر کیا کہ علی رضی اللہ عنہ وصی تھے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں کب وصیت فرمائی جبکہ آپ مجھے ٹیک لگائے ہوئے تھے یہاں تک آپ نے وصال فرمایا آپ نے وصیت کب فرمائی۔ ''ولا اوصی بشیء'' (اور نہ کسی چیز کی وصیت فرمائی) کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے اپنے مال کے نہ تہائی حصہ کی وصیت فرمائی اور نہ کسی اور چیز کی کیونکہ آپ کا کوئی مال نہیں تھا اور آپ نے نہ علی رضی اللہ عنہ کے لئے کو وصیت فرمائی نہ کسی اور کو، اس دعوٰی کے برخلاف جو شیعہ کرتے ہیں، اب رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت سے متعلق وہ احادیث صحیحہ جو اللہ کی کتاب سے متعلق ہیں اور اہل بیت کے حق میں ہیں یہود کو جزیرۂ عرب سے نکالنے اور وفد کا اکرام کرنے کے بارے میں ہیں تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول سے '' کہ آپ نے وصیت نہیں فرمائی'' ان وصیتوں کی نفی مراد نہیں اور خیبر اور فدک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زمین تھی اُسے آپ نے اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں وقف کر دیا تھا اور اُسے مسلمانوں کے لئے صدقہ قرار دیا تھا اھ۔ اب رہا جو بعض سیرت نگاروں نے حکایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے اونٹ تھے، بیس اونٹنیاں تھیں، لوگ مدینہ طیبہ کے گرد ونواح میں جس کی نگہداشت کرتے تھے اور ہر رات اس کا دودھ لے آتے تھے اور آپ کی سات بھیڑیں تھیں لوگ اس کا دودھ پیتے تھے اور سات بکریاں تھیں اُس کا بھی دودھ پیتے تھے' یہ روایت اس صحیح حدیث کے خلاف نہیں آسکتی اور اگر یہ روایت صحت کے درجہ میں ہو تو ضرور اُسے اس معنیٰ پر محمول کیا جائے گا کہ وہ صدقہ کے جانوروں میں شامل تھے، اہل صفہ اور دیگر تنگدست صحابہ کرام علیہم الرضوان اُن کا دودھ پیتے تھے۔ (ماخوذ از مرقات)

نہ کوئی غلام (2) نہ کوئی باندی نہ کوئی اور چیز سوائے آپ کے سفید (3) خچر، ہتھیار اور اس زمین کے جسے آپ نے صدقہ (4) کر دیا۔ (بخاری)

3/7429۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے ورثہ باہم کوئی دینار (5) تقسیم نہیں کریں (6) گے، میں نے اپنی ازواج مطہرات

---

(2) **قوله: ولا عبدا ولا امة** (نہ کوئی غلام نہ کوئی باندی) یعنی غلامی میں نہیں چھوڑا، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو غلام احادیث شریفہ میں مذکور ہیں وہ یا تو پہلے انتقال کر گئے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں آزاد فرمادیا تھا۔ (مرقات)

(3) **قولـه: الابغلته البيضاء** (سوائے آپ کے سفید خچر کے) یعنی جسے آپ سواری کے لئے مختص فرماتے تھے، ''**سلاحه**'' (ہتھیار) یعنی جسے آپ استعمال کے لئے خاص رکھتے تھے جیسے تلوار، نیزہ، زرہ، خود اور برچھا، شاید یہ حصر اضافی ہے جو دوسری چیزوں کا اعتبار نہ کرنے پر مبنی ہے جیسے کپڑے، گھر کا ساز و سامان، ورنہ یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کپڑے وغیرہ چھوڑے جسے اس کے مقام پر بیان کر دیا گیا، شاید راوی کے اُن چیزوں سے خاموش رہنے کی حکمت یہ ہے کہ روایت میں مذکورہ چیزوں کی بہ نسبت وہ عام چیزیں ہیں۔ (مرقات)

(4) **قولـه: وارضًا جعلها صدقة** (اور اس زمین کے سوا جسے آپ نے صدقہ کر دیا) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یعنی زمین کی منفعت کو صدقہ کیا تو اس کا حکم وقف کا حکم ہوگیا، معنیٰ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اُسے صدقۂ جاریہ قرار دیا جو زمین قائم رہنے تک باقی رہنے والا ہے، تو صدقہ کا ثواب اُس کے ساتھ ہمیشہ رہے گا پھر یہ اس بات کے خلاف نہیں کہ آپ کی اس کے علاوہ املاک صرف وصال کی وجہ سے صدقہ قرار پائیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں کہا: وہ صدقہ کی ہوئی زمین دراصل فدک کی آدھی زمین، وادیٔ قریٰ کی ایک تہائی زمین، خیبر کے خمس کی زمین اور بنی نضیر کی کچھ زمین تھی '**جعلها**' کی ضمیر تینوں زمینوں کی طرف لوٹنے والی ہے، صرف زمین کی طرف نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت وارث نہیں بناتے، ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ (مرقات)

(5) **قولـه: لا تـقتسم ورثتي دينارا** (میرے ورثہ باہم کوئی دینار تقسیم نہیں کریں گے) فعل مؤنث کا صیغہ ہے اور پیش کے ساتھ ہے تو وہ حقیقی طور پر خبر ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ میرے ورثہ میرے وصال کے بعد کوئی دینار ایک دوسرے کے درمیان نہیں بانٹیں گے کیونکہ میں اپنے وصال کے بعد میری ملکیت میں کوئی دینار نہیں چھوڑوں گا کہ وہ اُسے تقسیم کر سکیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ یہ جملہ لفظ کے اعتبار سے خبر ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے نہی ہے تو یہ واضح نہی سے زیادہ بلیغ ہے۔ (مرقات)

(6) **قوله: ورثتي** (میرے ورثہ) یعنی جو لوگ میرے ورثہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں ورنہ یہاں نہ کوئی تقسیم ہے اور نہ

کے (7) نفقہ اور اپنے عامل کی تنخواہ کے بعد جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

4/7430۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت رسول اللہ صلی اللہ

(حاشیہ پچھلے صفحہ سے) ورثہ ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یعنی جو لوگ میرے ورثہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اگر تقسیم ممکن ہو، علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ اس اعتبار سے ہیں کہ وہ اس کے لائق ہیں لیکن شرعی دلیل کی وجہ وراثت سے روک دئے گئے، اور وہ دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ہم وارث نہیں بناتے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از سرِ نو جملہ شروع کرتے ہوئے اس کا سبب اور اس کی علت بیان فرمائی: "ماترکت" (میں نے جو چھوڑا) "ما" موصولہ مبتدا ہے "ترکتُ" اس کا صلہ ہے اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے یعنی "الذی ترکتہ" جس کو میں نے چھوڑا، **بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ** (اپنی ازواج مطہرات کے نفقہ اور اپنے عامل کی تنخواہ کے علاوہ صدقہ ہے) "**فھو صدقۃ**" میں فاء مبتدا میں شرط کے معنیٰ کو شامل ہونے کی وجہ سے ہے۔ (مرقات)

(7) **قولہ: بعد نفقۃ نسائی ومؤنۃ عاملی فھو صدقۃ** (اپنی ازواج مطہرات کے نفقہ اور اپنے عامل کی تنخواہ کے بعد صدقہ ہے) شرح سُنّہ میں مذکور ہے: سفیان بن عیینہ نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات عدت گزارنے والی خواتین کے حکم میں ہیں کیونکہ اُن کے لئے نکاح کرنا، کبھی جائز نہیں اسلئے ان کے حق میں نفقہ جاری ہوا، **ومؤنۃ عاملی** (میرے عامل کی تنخواہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل سے اپنا خلیفہ مراد لیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کا نفقہ اُس خالص مال سے لیتے جو بنی نضیر اور فدک کے اموال سے آپ کو حاصل ہوا اور باقی مال مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کیا جاتا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اُس کے ذمہ دار ہوئے پھر اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ ذمہ دار ہوئے۔ ہمارے علماء میں ایک شارح نے کہا: "میری ازواج مطہرات کے نفقہ کے بعد" اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات کا نفقہ اُن میں سے ہر ایک کی حیات ظاہری سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نکاح سے گریز کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کا حکم اُن کی بقاء کی مدت تک باقی ہے، لہذا اُن کے لئے مالِ فَئی سے نفقہ واجب ہے جس طرح بیویوں کا نفقہ شوہروں کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات کے نفقہ کا معنیٰ اُن کا آپ سے وارث ہونا نہیں ہے بلکہ آپ سے ان کا نکاح ختم نہ ہونے کی وجہ سے ہے، اس لئے وہ سب عدت گزارنے والی خواتین کے حکم میں ہیں جب تک اُن کی ظاہری زندگی ہو۔ کہا گیا ہے کہ ازواج مطہرات کے ذمہ کوئی عدت نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضہ اطہر میں حیات ہیں، اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے۔ (مرقات)

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں (8) ہوتا، ہم نے جو چھوڑا (9) وہ صدقہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

5/7431۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: بے شک اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں میں ایک امت پر رحمت کا ارادہ فرماتا ہے تو امت سے پہلے اس کے نبی کی روح قبض کر لیتا ہے پھر اُنہیں امت سے پہلے سفارش کرنے والے اور آگے (10) جانے والے بناتا ہے اور جب کسی قوم کی ہلاکت کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے عذاب دیتا ہے جبکہ اُس کے نبی حیات ہوں تو اُس قوم کو ہلاک کرتا ہے جبکہ نبی دیکھتے ہیں اور اس کی ہلاکت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں جبکہ اُس قوم نے اُنہیں جھٹلایا اور اُن کے حکم کی نافرمانی کی۔ (مسلم)

---

(8) **قولہ: لانورث** (ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا) واو کو جزم اور راء کو زبر ہے یعنی ہم انبیاء کرام کا کوئی وارث نہیں ہوتا، علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اہل سنت اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تمام انبیاء کرام کا حکم ہے اور علامہ ابن علیہؒ نے کہا کہ یہ حکم ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، گمراہ فرقہ امامیہ نے کہا کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان کے وارث ہوتے ہیں، یہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا۔ (ماخوذ از مرقات)

(9) **قولہ: ماترکنا** (ہم نے جو چھوڑا) ضمیر "ما" موصول کی طرف لوٹنے والی ہے "صدقة" کو پیش ہے، یہ نیا جملہ ہے، گویا جب فرمایا گیا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا تو عرض کیا گیا: آپ انبیاء کرام اپنے ترکہ کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے، اسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا۔ اب رہا شیعہ کا یہ کہنا کہ "ما" نافیہ ہے اور صدقة "ترکنا" کا مفعول ہے تو یہ بہتان اور جھوٹ ہے، اکثر روایتوں میں مذکور "ترکناہ" میں ضمیر کی موجودگی اور بعض روایتوں میں "فھو صدقة" کے الفاظ اُسے غلط قرار دیتے ہیں اور بعض احادیث شریفہ کے صریح جملے اُس کا رد کرتے ہیں جیسے ارشاد مبارک کہ ہم انبیاء کی جماعت وارث نہیں بناتے کیونکہ شیعہ کا بیان کردہ معنیٰ لینے کی صورت میں حدیث پاک کے آگے اور پیچھے والے جملوں میں تضاد لازم آتا ہے۔ (مرقات)

(10) **قولہ: وسلفا** (اور آگے جانے والے) فَرَط اور سَلَف دونوں میں دونوں حروف کو زبر ہے، دوسرا لفظ پہلے لفظ کی تفسیر ہے یعنی کام بنانے کے لئے آگے رہنے والے اور سفارش کرنے والے بناتا ہے۔ "بین یدیھا" (اس سے پہلے) یعنی اس کے آگے جب وہ نبی امت سے راضی ہو کر وصال فرمائیں۔ (مرقات)

6/7432۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! ضرور ضرور تم میں سے کسی پر ایک وہ دن آئے (11) گا مجھے وہ یقیناً نہیں دیکھتا ہوگا پھر یقیناً یہ بات کہ وہ میرا دیدار کرے اُس کو اس کے اہل اور اُن کے ساتھ اس کے مال سے زیادہ محبوب ہوگا۔(مسلم)

ختم شد

(11) **قوله: علی احدکم** (تم میں سے کسی کے پاس) یہ خطاب صحابہ اور دوسروں کو شامل ہے ''**و ماله معهم** '' (اُن کے ساتھ اس کے مال سے) یعنی اس کے اہل کے ساتھ مال سے زیادہ پسندیدہ ہوگا، اور یہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے اس وہم کو دور کرتے ہوئے کہ ''واؤ'' ''اوْ'' کے معنیٰ میں ہے یا اس وہم کو کہ دور کرتے ہوئے کہ وہ کبھی اہل کا اور کبھی مال کا احتمال رکھتا ہے۔(ماخوذ از: مرقات)